# بادۂ مشرق

# زمانۂ ترتیب و تکمیل

سنہ ۱۹۳۱ء سنہ ۱۹۳۲ء سنہ ۱۹۳۳ء

## طباعت و اشاعت

(سنہ ۱۹۳۴ء و سنہ ۱۹۳۵ء)

| مصوّر | کاتب | مصوّر |
| --- | --- | --- |
| ایم ۔ اے ۔ سمیع آرٹسٹ | سیّد عین الحسن حرجی عجلت رقم | مسٹر ایچ مدن ہینڈلے (امریکہ) |

باھتمام

محمد احد یار خان

محمد اسد یار خان اعظم

مطبوعہ

ساغر پریس سیپٹ اسٹریٹ

میرٹھ

(ہندوستان)

# بادۂ مشرق

حصۂ اوّل جلد اوّل

مُصنّفہ و مُرتّبہ

ساغر نظامی

ناشر
ادبی مرکز
میرٹھ

سلسلۂ مطبوعات

# ادبی مرکز

شمارہ نمبر ۵



طبع اوّل

۵۰۰۰ پانچہزار

# انتساب

## بنامِ اقدس حضرتِ اشرف امیرالامراء نواب

## میر یوسف علیخان بہادر سالار جنگ ثالث

### ادام اللہ اجلالہ

انتساب ایک منور و معطر مالا ہے جو روح کے نامحسوس اشک ہائے مسرت
کے ہیروں اور لطیف ترین تبسمات کے پھولوں سے محبت و عقیدت کے
غیر فانی رشتے میں گوندھی جاتی ہے، اُس گلوئے اقدس و جمیل کیلئے
جس کے واسطے وہ مقدر ہو چکی ہو۔ لہٰذا
میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ اخلاص و عقیدت کی یہ مالا

# سر سالار جنگ ثالث

## کی بارگاہِ کیواں پناہ میں پیش کرتا ہوں

جو عصر موجود میں مشرقی علوم و فنون کے حقیقی سرپرست اور اپنے اسلاف کی عظمت و جلال اور اخلاق و محاسن کی ایک زندہ مثال ہیں جنکی علوم پرستی ادب نوازی، فنون پروری، مردم شناسی، قوم پرستی، شرافتِ انسانی بلندیِ نظرت اور اعلیٰ ترین روح انسانیت مسلّمہ ہے۔

گو وہ سلطنتِ عالیہ دکن کے امیر کبیر ہیں لیکن انکی روح و دل انسانیت و فقر کا گہوارہ ہے

اسلئے یہ انتساب نہ سُنتِ اسلاف کی پیروی ہے نہ عوام کی تقلید بلکہ محض ایک ارادتِ غیر ارادی ہے۔ چنانچہ میں اپنی اس تصنیف کو "یوسفِ دکن" کی ذاتِ جمیل سے منتسب کرنے کے بعد اپنے بے کیف دلکو ایک ابدی کیفِ افتخار سے سرشار پاتا ہوں۔

حافظ تو دریں غزل حجتِ بندگی نوشت
لطفِ عمید پرورت شاہدِ ایں قبالہ بود

نیاز آگیں ساغر

# فهرستِ مطالب

# فہرست

## مقدّمہ



## دیباچے

### از

# فہرستِ عنوانات

# بانِ مشرق

## حصّہ اوّل

# مقدمہ

از

بلبلِ ہند محترمہ مسز سروجنی نائیڈو

# مقدّمہ

(از بُلبُلِ ہند محترمہ مسز سروجنی نائیڈو مدظلہا)

میرے نوجوان دوست ساغر نظامی نے درخواست فرمائی ہے کہ میں اُن کے مجموعۂ نظم موسومہ "بادۂ مشرق" کے متعلق چند سطور بطورِ مقدمہ تحریر کروں۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں مسرت کے ساتھ اُن کی موجودہ کامیابی اور بیش ازیں انکی شاعرانہ قابلیتوں کے امید افزا مستقبل پر اظہارِ تحسین کرتی ہوں۔ نزاکتِ خیال اور موسیقی کی روانی کے فی نفسہٖ اچھوتے محاسن سے قطعِ نظر "ساغر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی نظموں کے لئے ہندوستانی زندگی ہندوستانی تجربات اور ہندوستانی جذبات کے عام عنوانات کو

منتخب کرتا ہے اور اُن کی ادائیگی کیلئے ایسے سلیس اور دلکش الفاظ استعمال کرتا ہے جو عوام النّاس کی روزمرّہ بول چال سے بیشتر مشابہت رکھتے ہیں۔ اُس کا تخیّل تمام تر ہندوستانی مناظر اور ہندوستانی روایات سے ماخوذ ہوتا ہے اور نظموں کے اوزان نے ہندوستان کے قدیم دیسی گیتوں کے اوزان کو ایک دل خوش کُن انداز میں اپنے اندر قبول کر لیا ہے۔

ساؔغر نے زمانہ حال کی اُردو شاعری میں زبان کی نرم اور دلفریب شیرینی پیدا کر دی ہے جس میں ہندی الفاظ بے ساختگی کے ساتھ بغیر کسی تصنع کے، فارسی منظومات کی مشکل تر مقرّرہ بندشوں میں گھُل مل جاتے ہیں زندگی کی جانب ساؔغر شباب سے سرشار ہو کر قدم بڑھاتا ہے، اور زندگی کے متعلق اس کا تمام طرزِ عمل شباب کی رنگینیوں میں ڈوبا ہوا ہے، یہ "شباب" تاریخ، رومانیت، امید اور آزادیِ وطن

کے جذبات سے مملو ہے۔

شاعر کا ریشہ ریشہ ہندوستانی ہے۔ اس کی شاعری مادرِ وطن سے ماخوذ ہے اور مادرِ وطن ہی سے اس کا انتساب ہے ۔

دہلی اپریل ۱۹۳۵ء

سروجنی نائیڈو

---

# دیباچہ

# دیباچہ

## از مصورِ فطرت سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی مدظلہ

یوسف زئی افغان صمد یار خان نام۔ ساغر تخلص ۱۹۳۵ء میں عمر ۳۰ سال۔ علی گڑھ کی پیدائش۔ سیماب صاحب اکبر آبادی کے شاگرد۔ میانہ قد۔ گندمی نمکین رنگ۔ آنکھیں رسیلی۔ روشن۔ اور قدرت کے غیبی جام سے مخمور۔ چہرہ کتابی۔ آواز ہر قسم کے قدیم و جدید باجوں کو شرمانے والی نہایت سُریلی، بلند اور سامعہ نواز۔

نو سال کی عمر سے شعر کہنے کا ذوق ہوا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں میرے ہاتھ پر میرے مکان علی منزل میں مرید ہوئے اور اسی وقت سے ساغر نظامی نام مشہور ہوا۔

ہندوستان کا کوئی شہر اور کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں کے ادبی ذوق رکھنے والوں نے ان کا کلام ان کی زبان سے نہ سُنا ہو۔ اور یہ تماشہ نہ دیکھا ہو کہ بزمِ غزل خوانی میں ساغر کے سوا کسی دوسرے شاعر کے پڑھنے کی دوبارہ آرزو کی گئی ہو۔ بڑے بڑے تاریخی مشاعروں اور ادبی جلسوں میں ان کے اشعار اسی طرح ہر موافق و مخالف پر قبضہ کر لیتے ہیں جس طرح ہر ہٹلر نے جرمنی قوم کے سیاسی دماغوں پر یکایک نمودار ہو کر قبضہ کر لیا۔ ساغر کی موجودہ صورت بھی ہر ہٹلر کی تصویر سے بہت مشابہ ہے۔

ساغر کے کلام میں شاعری ہوتی ہے۔ فلسفہ ہوتا ہے۔ تصوّف ہوتا ہے اور روزمرّہ کی زندگی کے نظارے ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار میں پُرشوکت الفاظ اور پُرکیف بندشیں اور جدت آمیز پیرایۂ بیان ہوتا ہے۔ ان کا کلام شاعری کے سب ہتھیاروں سے مسلّح معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے میں ان کو شاعری کا ہر ہٹلر کہتا ہوں۔

ان کے کلام کا مجموعہ شائع ہو رہا ہے، اور مجھے یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ مشرقی علوم کے مرّبی نواب سالار جنگ بہادر سابق وزیر اعظم سلطنت آصفیہ نے اس مجموعہ کی تکمیل کیلئے اپنی خاندانی علوم نوازی سے کام لیا ہے۔

ساغر میرے معنوی فرزند ہیں اگر جانب داری اور رعایت کے الزام کا خیال نہ ہوتا تو میں اس سے بھی زیادہ الفاظ میں ساغر کے کلام کا تعارف کراتا۔ پھر بھی میں یہ لکھنا اظہارِ صداقت سمجھتا ہوں کہ ساغر افغان قوم کی علمی حیات کا ایک مجسّم ثبوت ہیں۔ اور ان کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان قوم کے لئے موجودہ دورِ زوال میں سرمایۂ فخر و مباہات ہیں اور انکی شاعری اُن کے اُستاد کے حسنِ تربیت اور ان کی قوم کی قدرتی صلاحیت شاعری کو ظاہر کرنے والی ہے۔ میں اُردو زبان کے موجودہ دور کے لئے ساغر صاحب کو ایک ہیرو تصور کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ وہ اُردو زبان کے سب شعراء سے زیادہ جدید ادبی ذخیرہ کے فروغ دینے والے ثابت ہونگے۔

ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی بہت موثر ہے جس میں ان کی خوش الحانی بھی
ان کی مدد کرتی ہے اور بچے، بوڑھے، جوان عورت مرد سب مسحور ہو جاتے ہیں۔
آج وہ میرے گھر میں آئے تو میرے اہل و عیال نے پس پردہ ان کا کلام
سنا۔ اس وقت میری بڑی لڑکی خورباتو نے کہا کہ نو سال ہوئے جب میں
نے آپ کی فلاں غزل سنی تھی۔ اگر یاد ہو تو اس کو مکرر سنا دیجئے۔
اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ان کا کلام دل نشین، ذہن نشین اور حافظہ
نشین کلام ہوتا ہے۔ اور وہ مسلمان قوم کیلئے سر محمد اقبال کی طرح فخر پیدا
کرنے والے شاعر ہیں۔ اور میں ان اصحاب کو صحیح ذوق رکھنے والا خیال
کروں گا

جو ساغر کے مجموعہ کلام بادۂ مشرق کو اپنے پاس رکھیں گے
اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرینگے۔

خصوصاً نظامیہ سلسلہ کے متوسلین سے تو مجھے یہ توقع کرنے کا حق ہے

کہ وہ اپنے برادرِ سلسلہ کے مجموعۂ کلام بادۂ مشرق کو اپنے پاس رکھیں،
اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اور اس کی تبلیغ و اشاعت
کو اپنے سلسلۂ نظامیہ کی اخوّت کا ایک فرض سمجھیں۔

میری دعا ہے کہ ساغر نظامی کا مجموعہ کلام اپنے اثر اور اپنی صلاحیّت
اور اپنے قدرتی کیف سے تمام ہندوستان کی اقوام کو فیض یاب کرے
اور وہ اس سے زیادہ اُردو علمِ ادب کی خدمت کرسکیں اور اپنے ملک کا
نام روشن کریں۔ آمین۔

مخلص دعاگو

حسن نظامی

۲۴ مئی سنہ ۱۹۳۵ء

# دیباچہ

## (از قبلہ محترمی حضرت الاستاذی علّامہ سیمابؔ اکبرآبادی مدظلہ العالی)

ساغرؔ! مجھے تیرے روحانی منصب کا ادراک اور تیرے مادّی مدارج کا عرفان ہے تو اُن نوجوانوں میں سے ہے جنہیں فطرت "شاعر" بناکر ممالک و اقوام کی رہنمائی کے لئے دنیا میں بھیجتی ہے۔ اور جو ایک دن "مصلح" کے قابلِ رشک خطاب سے فائز ہوتے ہیں، تو حسّاس ہے، تیرا ذہن بیدار، اور تیرا کیریکٹر معصوم وسعادت مند ہے۔ تیری نظر وسیع اور تیری نگاہ حقیقت شناس ہے۔ تو انسان کی روح کو تسکین کا پیغام دیتا ہے اور تیری روح براہِ راست کوثر و تسنیم سے کیف یاب رہتی ہے۔"

اے در لقائے ذات تو کیفِ مئے سخن

# باقی نماند ہر کہ نہ خواہد بقائے تو

---

آج ذہنِ رسائے ساغر ہے مطلعِ آفتابِ میخانہ

مست الفاظ کی جوانی سے پھوٹ نکلا شبابِ میخانہ

پانی پانی ہے چشمۂ کوثر دیکھکر آب و تابِ میخانہ

اے نسیم الکلام! اے ساغر ساقیِ لاجوابِ میخانہ

تو ہے پیغمبرِ سخن تجھ پر

ہوئی نازل کتابِ میخانہ

---

سیماب اکبرآبادی

# دیباچہ

## از امامِ ادب حضرت مولانا مولوی عبدالحق صاحب
## بی۔ اے (علیگ)
## (سکریٹری انجمن ترقیِ اُردو حیدرآباد دکن)

اس کتاب کا سرِ ورق دیکھتے ہی شاعر کے حُسنِ ذوق اور سلیقے کی داد دینی پڑتی ہے۔ اس مطلع کے بعد حُسنِ مطلع یعنی دوسرا سرِ ورق ہے جو دوسری جمالی کیفیت رکھتا ہے۔ ان دونوں کے بعد تیسرا مطلع ہے جس سے بادۂ مشرق کی نازک کرنیں چاروں طرف پھیل رہی ہیں۔ یہ تینوں اپنی سادگی اور حُسن میں لاجواب ہیں۔ اور یہ حضرت ساغرؔ کے کلام کا حقیقی دیباچہ ہیں

ان کے بعد کسی تعارف، دیباچے، یا مقدمہ کی مطلق ضرورت نہیں۔ کتاب کی طباعت اور لکھائی اور خوشنمائی میں جو خاص اہتمام کیا گیا ہے وہ نہایت قابلِ تعریف ہے۔ یہ ہے اس کا ظاہر لیکن اس کا باطن بھی اس سے کچھ کم نہیں۔

ساغر اُردو کے جدید شعراء میں سے ہیں جن پر اُردو شاعری کے جدید تغیر کا اثر نمایاں ہے اور جو اپنا اثر دوسروں پر ڈال رہے ہیں۔ اس وقت ہندوستان جس کشمکش میں ہے وہ ان کے کلام سے صاف ظاہر ہے یہ وطنیت اور آزادی کے دلدادہ ہیں۔ ہندوستان کو اپنا وطن سمجھتے ہیں اور اپنے پُرلطف نغموں اور پُرجوش نظموں سے اپنے اہلِ وطن کو ہر قسم کی قربانی کرنے اور آزادی حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کا کلام فرقہ بندی کے لوث سے بالکل پاک ہے وہ مذہب و ملت کا مطلق فرق نہیں کرتے۔ ہندوستان اُن کا وطن ہے اور اہلِ ہند ان کے ہم وطن

ہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے ان کے اشعار نقل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اُن کی ہر نظم ان خیالات سے معمور ہے۔ اُن کی نظموں کے عنوان ہی ان کے مضمون کو ظاہر کر رہے ہیں۔ مثلاً وطنیت۔ نغمۂ وطنیت۔ آزادی۔ ہندوستان۔ قومی گیت۔ میخانۂ اقوام۔ آشوبِ عصر۔ فرقہ پرست۔ اعلانِ آزادی۔ نیا پُجاری وغیرہ وغیرہ۔ یہ کچھ عنوانوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ جہاں کہیں موقع ملتا ہے وہ اپنی وطن پرستی کے اظہار سے نہیں چوکتے۔ فرقہ پرستی سے انہیں نفرت ہے۔ فرقہ پرست کی شان میں سب کچھ کہنے کے بعد آخری بند میں جوش و اظہارِ غم و غصّہ کو دیکھئے۔

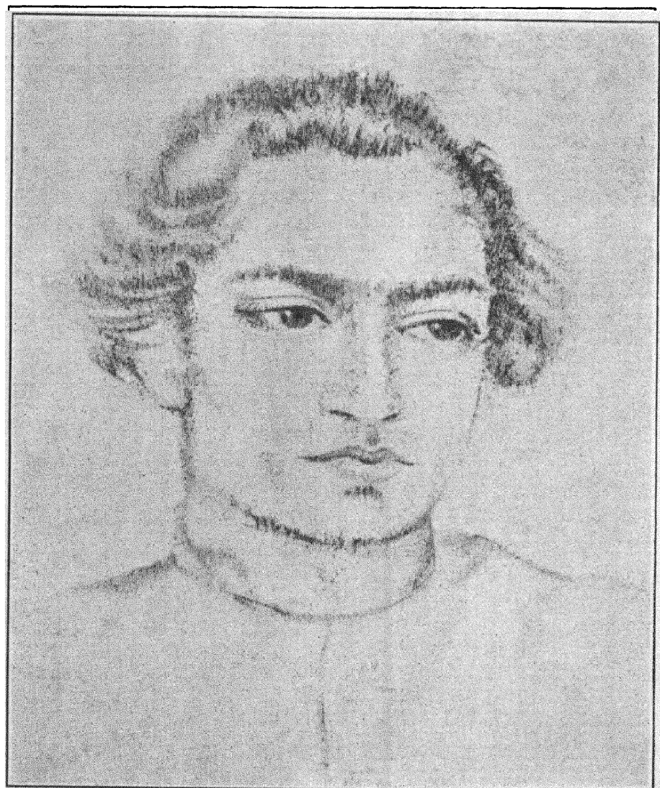
مگر کیا اسکی ہستی حرّیت کو روک سکتی ہے؟ بُرائی نیکیوں کے قافلے کو ٹوک سکتی ہے؟
کہیں انوار پر ظلمت کا غلبہ ہو بھی سکتا ہے؟ کہیں احرار پر رجعت کا حملہ ہو بھی سکتا ہے؟
کبھی اخلاق پر اعمالِ بد نے فتح پائی ہے؟ کبھی یزدانیت پر شیطنت بھی غالب آئی ہے؟
کبھی ساغر صداقت کا کسی تہمت نے توڑا ہے؟ حقیقت پر کبھی باطل نے اپنا نقش چھوڑا ہے؟

بھر و نگار نگ تصویرِ وطن میں رُوحِ پرغم کا تو پانی ہو کے رہ جائیگا خون اس ننگِ عالم کا

لیکن ساغر کی شاعری یہیں تک محدود نہیں ۔ اُس نے فطرت کے مناظر قدرت کے جلوے ۔ جذبات کی کیفیتیں ۔ نغمہ وسرود کی سحر آفرینیاں مختلف اور متعدد نظموں میں خاص کیفیت سے بیان کی ہیں ۔ اُن کے کلام کی بہت بڑی خصوصیت اس کا ترنُّم اور موسیقیت ہے ۔ یہ بات شاید اس وقت کے کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ۔ دوسری بات بحروں کا تنوّع ہے جس سے شاعر کا حُسنِ انتخاب اور اس کے ذوقِ موسیقیت کا پتہ ملتا ہے ۔ یہ فارسی کی جدید شاعری کا اثر معلوم ہوتا ہے ۔ ترنُّم اور بحروں کی جدّت یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو خاصکر ساغر نے جدید فارسی شاعری سے حاصل کی ہیں ۔ اور انہیں خوب نبھایا ہے ۔ ساغر کی بعض نظمیں ایسی ہیں کہ انہیں پڑھکر اور خاصکر ان سے سُن کر (جس میں خوش گلوئی ۔ جوش ۔ باطنی کیفیت سب کچھ ہوتا ہے) آدمی محو ہو جاتا ہے ۔ جی چاہتا ہے کہ جگہ جگہ

سے کچھ اشعار انتخاب کر کے لکھوں لیکن طوالت کے ڈر سے اور کچھ اس اندیشے سے کہ مسلسل نظموں میں سے چند اشعار انتخاب کرنا بعض اوقات اصل نظم کا خون کرنا ہوتا ہے اس خیال کو ترک کرتا ہوں۔ البتہ کتاب کے ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اسے پڑھکر ضرور محظوظ ہونگے ؛

عبد الحق



# دیباچہ

## زعیم قوم پروفیسر عالی جناب ڈاکٹر سید محمود ایم۔اے۔ پی ایچ۔ڈی بار ایٹ لا مدظلہ العالی

ساغر کے کلام نے گزشتہ چند برسوں میں اچھی خاصی شہرت حاصل کرلی ہے۔ گو ابھی اپنے استحقاق کے مطابق اس کو بہت کچھ شہرت حاصل کرنا ہے۔

یہ نوجوان شاعر اُردو شاعری اور اُردو انشاپردازی میں بہت سی جدتوں کا موجد ہے۔ اس کی شاعری روحانیت، نازک خیالی، تخیّل، فلسفیانہ رفعت، شباب، زندگی، جذباتِ محبت اور خاصکر جذباتِ حُب الوطنی سے پُر ہے۔ وہ حُسن کا پرستار ہے۔ اور ذی روح و غیر ذی روح میں

جہاں بھی حُسن کا جلوہ دیکھتا ہے اس کے کیف سے سرشار ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ وہ حُسن ہی میں حقیقت کا سراغ پاکر مستانہ وار نغمہ سرا بھی ہو جاتا ہے۔

شیلے کی طرح وہ رسم ورواج کی پابندی سے گھبراتا ہے اور انکی مضبوط زنجیروں کو توڑ کر پھینک دینا چاہتا ہے۔ اس کا پیغام دُنیا کے لئے پُرامید زندگی اور عالمگیر محبت ہے۔ وہ اُن حجابات کو اُلٹ دینا چاہتا ہے جو خود انسان نے مختلف ناموں سے زندگی کے رُخ پر منڈھ دیے ہیں۔

آزادیِ وطن کا جذبہ اس کی رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے اور وہ لارڈ بائرن کی طرح ایک غلام ملک کا باشندہ ہونے کے بجائے موت کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ خود آریہ نسل سے تعلق رکھتا ہے اور آریہ تہذیب کا دلدادہ ہے۔ ہندو مائی تھالوجی میں اس کے تخیّل کو

کھیلنے کا اچھا موقع ملتا ہے ۔ وہ ہندوستان میں اکبر و شاہجہاں
کی ایک حد تک کامیاب کوششوں کو پورے طور پر کامیاب دیکھنا
چاہتا ہے ۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے وہ بے چین ہے کہ اس کے
ہم مذہب اپنے پچھلے عظیم الشان کارناموں کو بھول نہ جائیں اور اسلام
جو دنیا کو غلامی سے آزاد کرانا اپنا فرض سمجھتا تھا کہیں اس کے پیرو
خود غلامی کے دلدادہ نہ بن جائیں ۔ اس لئے وہ اُن کو جھنجوڑ کر
بیدار کرنے اور اُبھارنے کی کوشش کرتا ہے ۔

وہ یاس و مایوسی کو اپنے پاس آنے نہیں دیتا ، بلکہ اُس کا دل
امیدوں کا گھوارہ ہے اور وہ مستقبل کا قائل ہے ۔ اس کا تخیّل
ہندوستان کو مستقبل میں دیکھتا ہے اور ہندوستان کے
جو نقش و نگار وہ پردۂ تصور پر مرتسم دیکھتا ہے اس کے نظّارہ
سے اس کا دل کنول کے پھول کی طرح کھل جاتا ہے ۔ اور وہ دیوانہ وار

بادۂ عشقِ وطن کے ساغر جھوم جھوم کر پیتا اور پلاتا ہے۔

ہمارے نوجوان شاعر ساغرؔ نے "جمنا" پر جو نظم کہی ہے اُس کا ایک

یہ مصرع کہ ؏:-

"کرشن کی بنسی کا اِک بہتا ہوا نغمہ ہے تو"

وہ کیف پیدا کرتا ہے کہ اگر شاہجہاں زندہ ہوتا تو شاعر کو سیم و زر میں

تول دیتا۔

مجھے امید ہے کہ ملک بادۂ مشرق کو نہ صرف قدر کی

نگاہوں سے دیکھے گا بلکہ اس کے کیف سے مسرور و سرشار

ہوگا۔

محمود
سید



# عرضِ حال

"دوشینہ شکستیم بیک توبہ دوصد جام
امروز بہ یک جام دوصد توبہ شکستیم"

تعمیر کا تخیل ایک نقطے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے مگر عملی دنیا میں وسیع ہو کر یہی نقطہ کائنات بن جاتا ہے۔ پھر اس کائنات کے ہزاروں گوشے ہوتے ہیں اور ہر گوشہ بجائے خود ایک کائنات، یہی ہوا جس وقت یادۂ مشرق کا تعمیری کام شروع کیا گیا اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند ماہ میں متصورہ کتاب مکمل ہو کر اہلِ ذوق تک پہنچ جائیگی لیکن جب اس کُل کی جزئیات سے واسطہ پڑا تو اندازہ ہوا کہ ع

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے

سب سے پہلی منزل ترتیب و تدوین کی منزل تھی، اور یہی منزل سخت ترین منزل تھی۔ ترتیب و تدوین توسیپیوں اور گھونگوں کی بھی ممکن ہے ان سے بھی ایک سراب آسا قصرِ گوہریں تعمیر کیا جا سکتا ہے مگر اس کو حقیقی طور پر موتیوں کا محل کیونکر کہا جا سکتا ہے یعنی ہم جیسے حیرت زدگانِ شوق کے لئے جو ذرات راہ کی تابش پر پروانہ وار قربان ہونے کی ہوس رکھتے ہیں حقیقی روشنی کو پالینا بہت مشکل امر ہے۔

نقد و نظر کی نفسیات ہیں کہ نگاہ کھوٹے کھرے کو بھی نہیں بخشتی۔ اسلئے حقیقی نظر شناس وہی ہے جو اپنی جنس کے پختہ و خام حصّوں کو نگاہ میں رکھے اور ہر وقت صحت کی فکر کرتا رہے۔ یقیناً اہلِ بینش کے لئے یہ مقام بہت دلچسپ ہوگا کہ جب گزرنا پڑا تو خود انتقادی کی اُس منزل سے گزرنا پڑا جس کا موقع وقت اور ماحول نے کبھی نہیں دیا تھا۔ لیکن بہرحال خود انتقادی کی روح نے ماحول کی اُن تمام غلط سامانیوں کو خس و خاشاک کی طرح پھونک دیا جو سدِ راہ ثابت ہو رہی تھیں۔ بالآخر میں نے ۱۹۳۰ء میں اپنے ہذیانات کو مُرتّب کیا اور ذوقِ ترتیب نے

تقاضہ کیا کہ انتظاماً نہیں بلکہ قدرتاً یہ مجموعہ اپنی حیثیت میں عقیدہ و خیال کے لحاظ سے پیش ہو چکنے والے مجموعوں سے ممیّز رہے یعنی بجائے خود ایک شاعرانہ مذہب و ایمان کا بھی حامل ہو لیکن یہ مرتب مسودہ سفرِ اجمیر میں گم ہو گیا جس میں بیشتر حصّہ غیر شائع شدہ تھا اور جس کی کوئی نقل محفوظ نہیں ہے۔

اوائل ۱۹۳۱ء میں ترتیب کا از سرِ نو کام شروع کیا گیا مگر کس کو معلوم تھا کہ دل اگر پہلو میں ہے تو بازیِ جفا کے لئے اور روح اگر جسمِ خاکی کو ودیعت کی گئی ہے تو مشقِ ناز کی خاطر یعنی چند در چند ارضی و سماوی مشکلات نے آغاز کو انجام سے ہمکنار نہ ہونے دیا۔ لیکن تابہ کے کامیابی بھی ختم ہونے کے لئے ہے اور محرومی بھی آخر کار ۳۱-۳۲-۳۳ء میں نئی بنیادوں پر جو عمارت تیار کی گئی آج ۱۹۳۵ء میں وہ آپکی نگاہوں کے سامنے ہے۔

اس تعمیر میں جس قدر خون صرف ہوا ہے اس کا اظہار تنگ ظرفی ہے اور جس قدر ہمّت سے کام لیا گیا اس کا بیان پستیِ بیان کے مترادف ہے۔ البتہ داستانِ تعمیر

لذتِ اور دلچسپی سے خالی نہیں، پتھر راستے میں آئے اور عزم نے اُن کو پانی کر دیا۔
دریا راہ میں پڑے اور ارادہ نے اُن کو پایاب کر دیا۔ آتشکدے قدم قدم پر ملے مگر سوزِ شوق
کی تاب نہ لا سکے لیکن جہاں تک ارادوں کی سرسبزی اور عزائم کی کامیابی کا تعلق
ہے اس کا تمام تر سہرا اُن مشاہیر اور قائدین ہند کے سر ہے جنکی دوربینی نے خاکستر میں
دبی ہوئی چنگاری محسوس کی اور ہر قسم کی اعانت و ہمدردی سے میری حوصلہ افزائی
فرمائی۔ سب سے اول شکریہ کے مستحق

## قبلۂ محترم حضرت علامہ مولینا سیماب اکبر آبادی مدظلہ العالی

ہیں جن کی تربیت و ہدایت اور جن کے فیوض و برکات ہی کا نتیجہ ہے کہ میں آج یہ
خدمت بجا لا رہا ہوں۔ علامۂ موصوف ہندوستان کے اُن برگزیدہ اور صاحبِ کمال
نفوس میں سے ہیں جن پر ہندوستان بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ یقیناً یہ علامۂ موصوف
کی رہبری کے اثرات ہیں کہ میں اُن سے نہایت دور رہ کر ایسی ذمہ دارانہ خدمت
سرانجام دے رہا ہوں جس کی انجام دہی بغیر رُوحانی فیض و توجہ کے ممکن ہی نہ تھی۔

میں جانتا ہوں کہ حضرت علّامہ کیلئے بھی یہ موقع انتہائی مسرت وبہجت کا موقع ہے
کہ آپ کو میری ذات سے بہت سی توقعات ہیں جو گہرا تعلق میری ادبی جد وجہد سے
رکھتی ہیں۔

اِس کے بعد میں ملک کے مشہور قوم پرست قائد عالیجناب **ڈاکٹر سیّد محمود**
ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی بار ایٹ لا کی اُن بنیادی نوازشات کا شکریہ ادا کرنا اپنا
فرض خیال کرتا ہوں جو اس باب میں سنگِ بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں۔ڈاکٹر سیّد محمود
اخلاصِ قومی اور انسانی اخوّت کا ایک مجسّمہ ہیں آپکی تمام حیات یکسر ایثار و قربانی ہے۔
آپکی زندگی مطلق احسان و نیکی ہے... . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . . . . . .

آپکے ساتھ ہی۔امام الہند حضرت علامہ ابو الکلام آزاد دہلوی مدظلہٗ
اور ڈاکٹر تاراچند ایم۔اے۔ایل۔ڈی (پروفیسر الٰہ آباد یونیورسٹی)

کی نوازشات کا شکریہ ادا کرنا میرے لئے بمنزلۂ فرض ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے حسنِ سلوک اور شرافتِ نفس کے نہایت گہرے نقوش میرے دل پر ہیں۔ بادہ کے سلسلہ میں آپ نے جس محبت و شفقت کا ثبوت دیا ہے وہ آپ کی ادب پرستی اور حسنِ اخلاق کی ایک روشن مثال ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی باوجود انتہائی مصروفیت بعض ادبی مشوروں سے بہرہ ور فرمایا اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

بادۂ مشرق کی تکمیل جو حسنِ ظاہری کے لحاظ سے اپنے بے انتہا متعلقات رکھتا ہے مجھ جیسے شکستہ بازو شخص کے لئے کب ممکن تھی اسکی اشاعت کے لئے میرے ساتھ تمام دنیائے ادب کو

عالی جناب میر نواب یوسف علی خان بہادر سالار جنگ ثالث سابق وزیر اعظم سلطنت آصفیہ ادام اللہ اقبالہٗ

عالی جناب رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو (بہ القابہ)

بلبلِ ہند محترمہ مسز سروجنی نائیڈو

ڈاکٹر سید محمود ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی بار ایٹ لا

عالی جناب سیٹھ محمّد علی بنیار رئیس بمبئی

عالی جناب سیٹھ حاجی یعقوب قلعہ دار رئیس اعظم بمبئی

عالی جناب سیٹھ عبد القادر شیخ رئیس اعظم سورت

عالی جناب سیٹھ دوست محمد جانی رئیس بمبئی

عالی جناب سیٹھ عبد الطیّب مسقطی رئیس اعظم بمبئی

عالی جناب سیٹھ منصوب الاتاروالا رئیس بمبئی

عالی جناب سیٹھ منی لال کیوڑداس رئیس بمبئی

عالی جناب سیٹھ للّوبھائی چینی لال رئیس بمبئی

عالی جناب خان صاحب محمد مظہر تھانوی

عالی جناب حاجی ضیاء الاسلام صاحب ضیا رئیس کاندھلہ

عالی جناب حافظ نواب جمشید علیخان صاحب رئیس اعظم باغپت

کا ممنون احسان ہونا چاہیئے، کہ ان حضرات گرامی کی مخلصانہ امداد و اعانت کی بنا پر شعر و ادب کی ایک کتاب اتنی عظیم تعداد میں شائع ہو رہی ہے۔

یہ تمام اعجاز عالی جناب امیر الامراء نواب میر **یوسف علی خان بہادر سالار جنگ ثالث** کے لطفِ فراواں کا ہے۔ جو آج ہندوستان میں فنونِ لطیفہ اور ادب اُردو کے سب سے بڑے سرپرست ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ علوم پرستی و فنون پروری کا ذوق آپ کو اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملا ہے آپ نے ادب اُردو کی سرپرستی جس فراخ حوصلگی و اخلاص کے ساتھ فرمائی ہے وہ آپ کو ادب پروری کے آسمان پر مہر نیم روز کی طرح تابان و روشن رکھیگی۔

جس کسی نے اس امیر محترم کو دیکھا ہے اور اس کی اُن آنکھوں کو بھی جن میں اسلاف کی روحِ شرافت اور جلالِ ماضی کی بجلیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں وہ بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سلیم الطبعی، فیاضی، سیر چشمی، دریا دلی، شرافت، شریف پروری، کرم گستری عالی ہمتی اور قدر دانیِ کمال کے مخصوص جذبے سے بہت قدیم اور گہرا تعلق **نواب سالار جنگ بہادر**

ثالث کی ذاتِ والا صفات کو ہے آپ کے اطوار و اعمال میں وہی بلندی و رفعت اور
مشرقی شان پائی جاتی ہے جو اسلاف کا طرۂ امتیاز تھی اور گو آپ کی زندگی میں مغربیت
کے احسن عناصر شامل ہیں لیکن آپ کی روح خالص طور پر مشرقی ہے ۔

بہرحال مجھے مسرّت و فخر ہے کہ ایک ایسی جامع محترم اور صاحبِ ذوق ہستی سے
میں اپنی کتاب کو منتسب کر رہا ہوں اور غالباً میرے لئے اس سے زیادہ نمایاں و بہتر ذریعہ
اظہارِ تشکّر کا ممکن نہ تھا ۔

---

ہندوستان میں بہت کم شخصیتیں ایسی ہیں جن کو ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں
سے سچّا ہندوستانی کہا جاسکے لیکن ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو (بہ القابہ) مذہب، فرقہ پرستی
اور سیاسی مصالح سے آزاد و بلند ہو کر ایک سچّے ہندوستانی ہیں ان کا دل ہر قوم کیلئے
کھلا ہوا ہے وہ آج ہندوستان کی متحدہ تہذیب و روایات کی بزم قدیم میں آخری شمع
ہیں اور ان کی ذات اسلاف کی ادبی و علمی، اخلاقی و مجلسی جامعیت کی روشن مثال ہے

ادبیاتِ اُردو پر

## آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو (بالقابہ)

کے جس قدر احسانات ہیں ان کو تاریخِ ادب کبھی ضائع نہیں کرسکتی بادۂ مشرق کے آغازِ کار کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔ یقیناً تقدیم اور امتیاز نے آپ کو اس باب میں بہت ممتاز اور بلند کر دیا ہے، میں کہاں سے زبان لاؤں کہ آپ کی نوازشاتِ کریمانہ کا شکریہ ادا کروں۔ ع

کس منہ سے شکر کیجیئے اس لطفِ خاص کا

---

بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو جو عالمگیر شاعرانہ و ادیبانہ شہرت کی مالک ہیں اپنے حسنِ اخلاق کے لحاظ سے بھی ہندوستان کی اُن چند خواتین میں سے کہی جا سکتی ہیں جن کا معصوم اور شیریں دل انسانیت کے پاکیزہ جذبات سے لبریز ہے ان کی تخمیرِ محبت، خلوص، احسان فرمائی، پرستشِ فن، اور تبسم و ترنّم کے اجزا و عناصر

سے ہوئی ہے یادگار کے سلسلے میں آپ نے جو مخلصانہ سعی فرمائی اس کو بھولنا شرافت کے مذہب میں جرم بھی ہے اور کفر بھی، میری طرح اُردو دنیائے ادب کو بھی اس محترم شخصیت کا احسانمند ہونا چاہیئے جو حقیقی طور پر ہندو مسلم اتحاد کا ایک ملیح و حسین پرچم ہے اور جو ابدالآباد تک آزادیٔ ہند کی مضبوط چٹانوں پر قائم ہو کر لہراتا رہیگا۔

مقدس سروجنی کی روح اپنے ہم فن، اور ہم مذاق افراد کے لئے بغیر فرقہ و مذہب کے خیال کے محبّت و رافت کے کیف سے یکساں طور پر سرشار ہے۔ ان کی ترکیب میں قومی یا فنّی عصبیت کا ایک شمّہ بھی نہیں، موجودہ زمانہ میں وہ محبّت اور انسانیت کی حقیقی دیوی ہیں "بادۂ مشرق" کی اشاعت میں انہوں نے اس طرح دلچسپی لی ہے گویا اُنہی کی کتاب ہے۔ اس خلوص کے ہموزن اگر مجھے شکریہ کے لئے الفاظ دستیاب ہوسکتے تو میں سروجنی دیوی کا شکریہ ادا کرنے میں ہرگز تکلّف نہ کرتا۔

ضیا، الدین احمد برنی بی۔اے (علیگ) اور سیٹھ محمد علی منیار کا شکریہ ادا کرنا گویا اپنا شکریہ ادا کرنا ہے لیکن جذبۂ اظہار و اعتراف کی رسمی ضرورتوں کو کیا کیجئے کہ وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے جس کو نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے بلند نہیں کہا جا سکتا۔ ناقدینِ کرام کی رائے میں یادہ محبّت کے راگوں اور آزادی کے نغمات کا ایک ساز ہے تو کیونکر ممکن تھا کہ محمد علی جس کا دل محبّت اور آزادی کے جذبات سے مملو ہے اس کے لئے دل سے کوشش نہ کرتا، محبّت اور عمل کے جذبے سے سرشار ہو کر جو کچھ سعی اُنھوں نے فرمائی اسکے اثر سے میری روح متاثر ہے۔

آخر میں میں اُن تمام اکابرینِ ملک کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس خالص علمی و ادبی خدمت کے سلسلے میں مخلصانہ طور پر میری امداد فرما کر اپنی ادب پرستی کا ثبوت دیا، میں یکساں طور پر سب کی طرف سے ایک نہ فراموش ہونے والی کیفیتِ اعتراف اپنے دل میں پاتا ہوں جو میرے جذبۂ تشکر کو ہمیشہ جوان رکھیگی۔

ملک کے ذمہ دار و سربرآوردہ بزرگوں نے مجھ ناچیز کے لیئے جو کچھ اظہارِ خیال فرمایا اور عزت و احترام کے جو تاج ہائے باعظمت عطا فرمائے میں اُن کا قبول نہ کرنا کفرانِ نعمت خیال کرتا ہوں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں اس درجہ عزت افزائی کا حقدار نہیں ہوں اور ہرگز اس قدر عظیم بار نہیں اُٹھا سکتا۔ کاش وہ وقت آئے کہ یہ خلعت جو بارگاہِ ادب سے مجھے عطا ہوئے ہیں میرے پیکرِ ناموزوں پر چسپت ہو جائیں۔

بادۂ مشرق جسکی نذر میں ہندوستان اور اس کے ساکنانِ غیور کی طرف سے بنی نوع انسان کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت عظمیٰ حاصل کر رہا ہوں میری رُوح کی ایک بےتابانہ چیخ ہے ان اوراق میں جو آواز انسانوں تک پہنچائی جا رہی ہے وہ شاعر کے محفوظ گیتوں میں سے ایک نامکمل گیت ہے نہ یہ کسی شاعرانہ دعوے کی دلیل ہے نہ کسی ادیبانہ زعم کی نمائش یہ ایک بےچین دل اور مضطرب روح کی بےتابانہ تڑپ اور عادیِ فکر دماغ کی ایک ناتمام فکر ہے کہ شاید اسی طرح روح و دل کو شانتی حاصل ہو جائے کہ شعر کا حاصل نہ شہرت ہے نہ دولت بلکہ ایک ایسا ارتقا

جوانسان کو سچائی، پریم، حقیقت اور پُرکیف زندگی سے قریب کردینے کے بعد قدرت کے اُس شانتی بھون کا راستہ بتادے جہاں شاعر کے لئے دوائے سکون مہیا کردی گئی ہے۔

آخر میں میں اپنے عزیزانِ گرامی محمد احد یار خاں و اسد یار خاں اعظم ناظمانِ ساغر پریس کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے بادۂ مشرق کی تکمیل میں اس محنت کا ثبوت دیا جس کا میں بطورِ خاص ان سے متمنّی تھا اور اس محبت کا بھی ثبوت دیا جو حقیقی بھائیوں کو مجھ جیسے ناکارہ شخص کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔

ایک سال میں بادۂ مشرق کی تیاری اور اس حسن و جمال کے ساتھ محض ان کے جوان ہاتھوں اور صنّاع مزاج اور ساغر پریس کے محنتی عملے کی شب و روز کی محنت کا نتیجہ ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کو اس سے زیادہ سعید و محنتی بنائے اور وہ اپنے ملک و قوم کی خدمت کرنے میں میری امداد فرماتے رہیں۔

اس سلسلے میں بڑی حق تلفی ہوگی اگر میں اپنی امریکن دوست مسز ہیگروں ہینڈلے

اور مسٹر عبدالسمیع کا شکریہ ادا نہیں کرونگا۔

مسز ہیسٹر مروِن ہینڈلے واشنگٹن (امریکہ) کی معزز شہری اور مشہور آرٹسٹ

ہیں۔ آپ کو مشرقی فنونِ لطیفہ سے بہت گہری دلچسپی ہے۔ دنیا کے دوسرے مشہور

اور تاریخی ممالک کے علاوہ محض ہندوستان کا سفر تین مرتبہ کر چکی ہیں۔

انہوں نے میراجی کا چارکول اسکیچ بنایا وہ تمام ملک سے خراجِ تحسین حاصل

کر چکا ہے۔

میرے دوست مسٹر عبدالسمیع ہندوستان کے مشہور آرٹسٹ ہیں اور آپ نے

بادۂ مشرق کے پس ہائے منظر جس توجہ اور کمالِ فن کے ساتھ بنائے اس

کی داد اہلِ فن دیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

بادۂ مشرق کا سرورق سمیع کے کمالِ مصوّری کا آئینہ ہے

آرین کلچر' اور "ترغیب" کے مفہوم کو جس حُسن و کمال کے ساتھ نقش کیا گیا ہے

وہ سمیع کی جودتِ کمال کو نمایاں کر رہا ہے۔

عجلت رقم سیّد عین الحسن جرّی نے جس "توجہ" اور دلچسپی سے بادۂ مشرق کی کتابت فرمائی اُس کے لئے اراکینِ ادبی مرکز دلی طور پر ان کے شکر گزار ہیں۔

---

# بادۂ مشرق حصّہ دوم

یہ اُس کتاب کا پہلا حصہ ہے جس کی اشاعت ایک ہزار (۱۰۰۰) صفحات پر متصور تھی، لیکن انتظامات کی بلندی و نفاست، حجم کی زیادتی اور ناموزونی کے خیال سے بادۂ مشرق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر چند کہ کتاب کی موجودہ ضخامت بھی میرے خیال سے گوارا نہیں بہر حال حصۂ اوّل کے اولین اعلیٰ ایڈیشن کو پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے۔

بادۂ مشرق کی اشاعت کے بعد ادبی مرکز کے اراکین نے دوسرے حصہ کی تیاری شروع کر دی ہے اور جلد تر اُس کو شائع کرنے کی کوشش

کی جارہی ہے۔

دوسرا حصہ تقریباً چار سو (۴۰۰) صفحات پر مشتمل ہوگا۔

ادبی مرکز

یکم اگست ۱۹۳۵ء

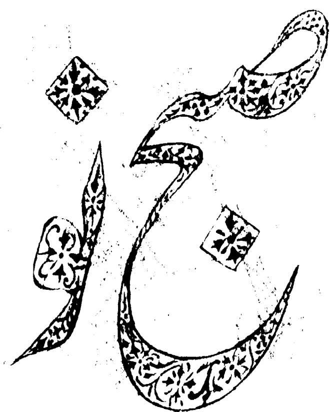
ساغر نظامی

# پیامِ مشرق

# حصّہ اوّل

## ابتدا سے ۱۹۳۳ء تک

## پہلا باب



# پہلا بابؔ



# آفتاب

عشق کو دل سے تعلق دل کو سوزِ غم سے ربط　　فطرتِ مے نوش کو آئینِ کیف و کم سے ربط

ہے ازل سے نیستی کو ہستیِ آدم سے ربط　　اور شعاعِ آفتابِ صبح کو شبنم سے ربط

آہ کیا شے ہے یہ فطرت کے "تعلق" کا نظام

سب اسی کا عکس ہیں کیا روز و شب کیا صبح و شام

مالنوں کو گلستاں میں پھول چنتے دیکھکر کوئلوں کو باغ میں سر اپنا دُھنتے دیکھکر

اور پپیہوں کو غمِ سوزاں سے بھنتے دیکھکر کوہساروں کو حدیثِ عشق سنتے دیکھکر

صبحدم سینہ فلک کا درد سے شق ہو گیا

فرطِ حیرت سے مہِ انور کا مُنھ فق ہو گیا

بربطِ نوریں پہ بھیرویں اگنی گاتا ہوا سازِ کرنوں کے روِش پر اک بہ ساتا ہوا

اپنی موسیقی سے دنیا بھر کو گرماتا ہوا زندگی کی موج ہر اک شے میں دوڑاتا ہوا

پردۂ مشرق سے ساقیِ سحر پیدا ہوا

بادۂ مشرق بدست و نغمہ گر پیدا ہوا

دیر میں ناقوس مندر میں گجر بجنے لگا میکدہ میں حلقۂ زنجیرِ در بجنے لگا

جنبشِ مضرابِ سازِ سحر بجنے لگا خود بخود سازِ خموش بحر و بر بجنے لگا

روح ہستی جاگ کر محوِ ترنم ہو گئی

زندگی بیدار ہو کر رقص میں گم ہو گئی

لالہ و سرو و سمن نخل و شجر روشن ہوئے　　سبزہ کاہیدہ پر لعل و گہر روشن ہوئے

صحنِ کعبہ مندروں کے بام و در روشن ہوئے　　کوہ و صحرا دیر و کعبہ بحر و بر روشن ہوئے

آسماں روشن ہوا اور خاکداں روشن ہوا

پر تو انوار سے سارا جہاں روشن ہوا

اے نقیبِ صبح اے سرچشمۂ امواجِ نور　　اے کلیدِ خمستانِ صبح، ساقیِ سرور

ہر شعاعِ گرم تیری لمعۂ صد برقِ طور　　تیرے دم سے ہر رگِ ہستی میں اک موجِ شعور

ذرہ ذرہ زندگی کے نور سے تابندہ ہے

زندگی تابندہ ہے تابندگی رخشندہ ہے

گوہرِ شبنم کے قطرے موتیوں کا یہ نکھار　　یہ عروسِ صبح کے سینے پہ ہیروں کی بہار

یہ سمندر یہ بیاباں یہ چمن یہ کوہسار　　یہ مرقّص ندیاں گاتے ہوئے یہ آبشار

سب کو تو نے روشنی دی جگمگانے کے لئے

قاسمِ انوار ہے تو اِک زمانے کے لئے

جادۂ افلاک کے اے مرکبِ نوریں کاب　　اے زمیں کی نوجوانی آسمانوں کے شباب

عالمِ موجود میں تیرا نہیں کوئی جواب　　خاک ہیں تیرے قدم کی کہکشان و ماہتاب

قلبِ فطرت کا جحیم افروز انگارہ ہے تو

پھوٹ کر مرکز سے میدانوں میں آوارہ ہے تو

ناظرِ عالم ہے تو اک آتشیں منظر ہے تو　　جوہرِ آئینہ ہے آئینۂ جوہر ہے تو

فطرتِ نظارۂ خاموش کا خوگر ہے تو　　دہر کی تاریخ پارینہ کا اک دفتر ہے تو

تیری کرنیں رازدارِ عظمتِ دیرینہ ہیں

تیرے جلوے یادگارِ عشرتِ دوشینہ ہیں

ہر کرن تیری ہے دنیا کو پیامِ زرنگار　　خمستانِ انجم و کوکب کا جامِ زرنگار

خود کلیمِ زرنگار و خود کلامِ زرنگار　　اک خطیبِ زرنگار اور اک امامِ زرنگار

اپنا خطبہ کیف میں جس وقت فرماتا ہے تو

دہر کو سیلابِ زرّیں میں ڈبو جاتا ہے تو

صبح کے ہلکے دھندلکے میں پری پیکر ہے تو　　یا عروسِ صبح کا اک زرفشاں جھومر ہے تو

یا برہمن کی جبیں کا قشقۂ انور ہے تو　　یا فلک کے ہاتھ میں سونے کا اک ساغر ہے تو

یا کسی شاعر کے دل کا داغ ہے دہکا ہوا

یا بہشتِ حسن کا اک پھول ہے مہکا ہوا

روشنی تیری متاعِ خانۂ آشفتہ حال　　تیری کرنوں میں کسانوں کیلئے تاروں کی شال

اور مزدوروں کو پچھلی رات سے تیرا خیال　　ثبت ہے منعم کے دل پر بھی تری مہرِ جلال

تو قریب و دور کے احساس سے آزاد ہے

خواجہ و مزدور کے احساس سے آزاد ہے

غنچگی یاسمن، گل کا تبسم رقص میں　　تیری خاطر ہے جہانِ رنگ و بو گم رقص میں

ہے سمندر اور سمندر کا تلاطم رقص میں　　خاکداں کا ذکر کیا، ہے بزمِ انجم رقص میں

اِک جہاں تیرے لئے شام و سحر آوارہ ہے

تو ہے قائم اپنے مرکز پر مگر سیارہ ہے

سوئے مغرب جارہا ہے رنگ برساتا ہوا جیسے اک مزدور دن بھر کا تھکا ہارا ہوا

سُرخ آغوشِ شفق میں شعلہ سا دہکا ہوا جس طرح کوئی سپاہی خون میں ڈوبا ہوا

نونہالانِ چمن کے خون سے رنگیں ہے تو

کیا شہیدانِ وطن کے خون سے رنگیں ہے تو؟

غنچہ و گل ہوں رہا اور آشیاں آزاد ہو بلبلیں آزاد ہوں اور گلستاں آزاد ہو

ایشیا آزاد ہو ہندوستاں آزاد ہو پنجۂ ظلم و ستم سے کُل جہاں آزاد ہو

ہم بھی ہوں آزاد تیری ہی شعاعوں کی طرح

اور دنیا میں رہیں زندہ شجاعوں کی طرح

# آزادی

مزیّن تیرے اسمِ پاک سے طغرائے آزادی
منوّر تیرے نورِ محض سے سیمائے آزادی

تخیّل ہے ترا مشاطۂ منشائے آزادی
تصوّر ہے ترا رنگِ رُخِ زیبائے آزادی

کیا تو نے مقدّر اپنے پاکیزہ ارادے سے
پئے صبحِ ازل اِک جلوۂ رعنائے آزادی

امینِ جلوہ کو پھر بخشدی اک نعمتِ عالی
بنایا رونقِ ہستی و بزم آرائے آزادی

شرف دیکر کیا مبعوث اک انسانِ اعظمؐ کو
مرتّب جس نے آخر کر دیے اجزائے آزادی

پیامِ حریّت جس نے سُنایا سارے عالم کو
بنا الہامِ یکسر وہ نوا پیرائے آزادی

دیا انسانیت کو درس اُسنے سرفرازی کا
منظّم جس نے کر دی اِک نئی دنیائے آزادی

وہ نغمہ جو ہوا دردآفریں طائف کی چوٹی سے
ابھی تک روح میں ہے کیفیت افزائے آزادی

رہیگی تا ابد جاری ازل کی کارفرمائی
کمالِ شورشِ امروز ہے فردائے آزادی

## ہے قائم حق و استحکام پر بنیاد انساں کی
## کبھی باطل نہ ہوگی فطرتِ آزاد انساں کی

وہ آزادی جو انسانوں کی عظمت کو بڑھاتی ہے
وہ آزادی غلامی جسکے آگے تھرتھراتی ہے،

وہ آزادی جو انسانوں کا اک پیدائشی حق ہے
وہ آزادی جو استبداد کے قلعوں کو ڈھاتی ہے،

وہ آزادی کہ ہے جو عزتِ اقوام کی ضامن
وہ آزادی جو بامِ کامیابی پر چڑھاتی ہے

وہ آزادی جو ہر ذرے کو خود بخشی ہے قدرت نے
وہ آزادی پرندوں کو ہوا میں جو اڑاتی ہے

وہ آزادی کہ جسکے نور سے ہیں دو جہاں روشن
وہ آزادی جو ہر ذرہ میں اک مشعل جلاتی ہے

وہ آزادی پیمبر جسکو لائے آسمانوں سے
وہ آزادی جو ہر انساں کو پیغمبر بناتی ہے

وہ آزادی حکومت جسکی ہے فطرت کی وسعت میں
ستاروں کی طرح جو بحر و بر پر جگمگاتی ہے

وہ آزادی قوی تر جسکے بازو ہیں مصیبت میں
وہ آزادی جو واماندوں کو شانوں پر اٹھاتی ہے

وہ آزادی حفاظت جس نے ناموسِ قومی کی
وہ آزادی جو ظلم و جور کی بنیاد ڈھاتی ہے

وہ آزادی الٰہی خستہ کاموں کو بھی مل جائے
وہ آزادی الٰہی ہم غلاموں کو بھی مل جائے

سروں پر ہو ہمارے سایۂ دامانِ آزادی — ہماری جان آزادی ہم ہوں جانِ آزادی

شہادت دے رہے ہیں خود ہمارے خون کے قطرے — کہ ہے یہی جہاں میں رونقِ دامانِ آزادی

وہ دن آئے وہ وقت آئے وہ لمحے جلد آئیں — کہ سینچا جائے تازہ خون سے بُستانِ آزادی

الٰہی موسمِ گل میں کچھ ایسا انقلاب آئے — یکایک باغ میں ہو ایک دن اعلانِ آزادی

ہر اک موجِ چمن بن جائے اک سیلابِ حریت — نہ اپنے روکنے سے بھی رُکے طوفانِ آزادی

زمیں سے آسماں تک حریت کا بول بالا ہو — ہمارے ہاتھ میں ہو نقشۂ امکانِ آزادی

ہر اک ذرّہ کو سجدہ گاہِ آزادی بنا دیں ہم — جبینِ شوق ہو اور منزلِ عرفانِ آزادی

مساوات اُخوت ہو محبت کی حکومت ہو — ہمارا پرچم عظمت ہو اور میدانِ آزادی

غریب آبادیاں زرخیز خطوں سے بدل جائیں
غلامی کی بلائیں "ایشیا" کے سر سے ٹل جائیں

اُٹھ اے مشرق اور اپنے حقِ فطری کی حفاظت کر  
جو آزادی ترا مقسوم ہے اُسکی حمایت کر

فضا پر غور کر ہر چیز کو حاصل ہے آزادی  
بلند اپنی نظر اپنی طبیعت اپنی فطرت کر

ہلا دے جور و استبداد کی سنگین بنیادیں  
غلامی کے بتوں کو گرزِ حریت سے غارت کر

اگر بیدار بختی کی سند لینی ہے دنیا میں  
تساہل کو مٹا اور انسداد خوابِ غفلت کر

غلامی مستقل لعنت ہے اور توہین انساں ہے  
غلامی سے رہا ہو اور آزادوں میں شرکت کر

ترا مذہب بھی دیتا ہے تجھے تعلیم آزادی  
اگر دعوائے مذہب ہے تو مذہب کی اطاعت کر

تری قربانیاں زنہار ضائع جا نہیں سکتیں  
مگر پیدا دلِ بے کیف میں کیفِ شہادت کر

جو مستقبل میں فکرِ اہتمام سرخروئی ہے  
تو اپنے خون سے رنگیں بیاضِ ملک و ملت کر

قدم ہیں چند باقی حدِ منزل تک پہنچنے میں  
ابھی کچھ اور کوشش کر ابھی کچھ اور ہمت کر

**قریبِ ایوانِ آزادی ہے کیوں مایوس ہوتا ہے**  
**تبسم کامیابی کا مجھے محسوس ہوتا ہے**

# اِستقلال

گردشِ عالم پہ قائم ہے گزرگاہِ حیات
ہر قدم پر اک نئی لغزش میں ہے پائے ثبات

لمحہ لمحہ انقلابِ تازہ کی تصویر ہے
لحظہ لحظہ اک تغیّر ہے شریکِ کائنات

رات کو دن جذب کر لیتا ہے اپنے نور میں
دن کو اپنی زلفِ مشکیں میں چھپا لیتی ہے رات

ساتھ لاتا ہے تغیّر اپنے نیرنگِ بہار
ایک دن عیبِ چمن بنتی ہیں پھولوں کی صفات

رات کی ظلمت مٹا دیتی ہے اثر رنگِ شفق
نور کے تڑکے لُٹا کرتی ہے تاروں کی برات

بنتی ہیں دریا پہاڑوں سے نکل کر ندیاں
پھر سمندر خود سکھاتا ہے انہیں توحیدِ ذات

اُڑتے ہیں پانی کے قطرے اپنے مرجع کی طرف
کھینچ لاتی ہے انہیں دنیا میں گرمیِ حیات

پھر فنا کی گود میں ذرّے چھپاتے ہیں انہیں
اک یہی دورِ تسلسل ہے محیطِ کائنات

تو نہ لے اس انقلابِ مستقل سے کچھ اثر | تو نہ ہو آئینِ فطرت کا اسیرِ التفات
جو گزرتا ہے گزرنے دے گزر جانے بھی دے | تو کھڑا رہ اپنے مرکز پر بہ آہنگِ صفات
صرف کر اِن گردشوں میں قوتّ اپنے عزم کی | کو بے سامانی سے حل کر عقدۂ ناممکنات
فکر و غم ناکامی تدبیر یاس و اضطراب | عارضی باتیں ہیں یہ سب حائلِ راہِ نجات
کس طرح ہوتا ہے انساں کامیابِ زندگی | آج میں کہتا ہوں تجھ سے از کی یہ ایک بات

مرد بن کر اہتمامِ حال و استقبال کر
ہمتِ آزاد کو پابندِ استقلال کر

# وطنیت

## (نگاہِ حقیقت سے)

ہے جہاں مسکنِ رنگیں سمن و سنبل کا | ہے جہاں مولدِ شاداب شمیم و گل کا

ہے جہاں خوابگہہِ سبزۂ حریمِ نسریں　　مجلسِ نسترن و سرو کا قصرِ تمکیں
رنگ و بو کا وہ سراپردۂ رعنا و جواں　　شام ہے جس کی گھٹا صبح شگفتہ کلیاں
جس میں قمری کی صدا صوتِ ہزار آتی ہے　　روح کرتی ہوئی تقسیم بہار آتی ہے

## اُسے آئینِ تکلّم میں چمن کہتے ہیں

اور ہوتا ہے جہاں آدمِ ذی شاں پیدا　　مظہرِ ذاتِ خدا آیۂ یزداں پیدا
صورتیں خاک سے جس ملک کی ہوتی ہیں عیاں　　مرگ و تخلیق کا موقع جنہیں ملتا ہے جہاں
جو ہے بازیچۂ طفلی و گزرگاہِ شباب　　ہے جہاں مہد و لحد مرکزِ بیداری و خواب
اور اَب و جد کے جہاں نقشِ قدم تاباں ہوں　　اپنے اسلاف کے رایات و علم تاباں ہوں

## اُسے قانونِ محبّت میں وطن کہتے ہیں

بے نیاز اپنے چمن سے ہوں اگر سرو و سمن　　اور رنگ وطنیت ہوں اگر اہلِ وطن
آدمی کو وطنیت کا اگر پاس نہ ہو　　الفتِ باغ کی پھولوں میں اگر باس نہ ہو
پھول کو پھول نہ انسان کو انساں کہیے　　اُسے حیوان اِسے مردودِ گلستاں کہیے

خلقتاً اس کا محل صحن گلستاں میں نہیں　　فطرتاً اُسکی جگہ عالمِ امکاں میں نہیں

ہم اُسے خطرۂ تہذیب و تمدن کہتے ہیں

رنگ و بو سے نہیں جب فطرتِ بستاں خالی　　وطنیّت سے ہو پھر کیوں دلِ انساں خالی

وطنیّت ہی حقیقت میں ہے وہ جذبۂ پاک　　جس سے انسان کو ہوتا ہے وفا کا ادراک

وطنیّت میں صداقت کی بھی ہے شانِ جمیل　　وطنیّت ہے مری رائے میں ایمانِ جلیل

کر تو لے پہلے مذاقِ وطنیّت پیدا　　دل میں ہو جائیگا خود نورِ حقیقت پیدا

اسے خورشیدِ محبّت کی کرن کہتے ہیں

---

# نغمۂ وطنیّت

غیرتِ انساں　　اے وطنیّت

قوّتِ ایماں　　اے وطنیّت

اے وطنیّت تیرے پُجاری　　رومی، تُرکی اور تاتاری

جذبہ تیرا سب پہ بھاری　　سب پہ حاوی سب پہ طاری

رحمتِ باری　　نعمتِ جاری

دولتِ دوراں　　اے وطنیت

( ۲ )

اے وطنیت اے وطنیت　　روحِ شرافت، جانِ محبّت

تو ہے جہاں پر سایۂ رحمت　　ردِّ غلامی تیری بدولت

نفسِ صداقت　　درسِ حقیقت

شانِ ایماں　　اے وطنیّت

( ۳ )

قوموں نے تجھکو سینوں میں پالا　　دل کے منوّر سانچوں میں ڈھالا

گرتے ہوؤں کو تو نے سنبھالا　　روحوں میں قائم تیرا شوالا

پھولوں کی مالا گھر کا اُجالا
شمعِ فروزاں اے وطنیت

---

تیری تمنّا اور یاد تیری دنیا سے بہتر دنیا سے اچھی
تجھ سے نمایاں قوموں کی ہستی تجھ سے فروزاں مہرِ ترقی
تجھ سے تجلّی شامِ وطن کی
صبحِ غریباں اے وطنیت

---

اے وطنیت اے جانِ عالم اے سازِ ہستی سامانِ عالم
اے روحِ عالم اے شانِ عالم مقصودِ چشمِ حیرانِ عالم
ارمانِ عالم ایمانِ عالم
دنیائے ایماں اے وطنیت

لذت فروشِ آزار ہیں ہم　　قربانیوں کو تیار ہیں ہم
نشہ میں تیرے سرشار ہیں ہم　　خود فوج اور خود سردار ہیں ہم
بیدار ہیں ہم　　ہُشیار ہیں ہم
تو کہہ تو دے "ہاں"　　اے وطنیت

اے وطنیت

اے وطنیت

---

# ہندوستان

ہند کی اے سرزمیں اے خطۂ پاکِ وطن　　غازۂ روئے مہ و خورشید اے خاکِ وطن
اے گلستانِ وفا اے سینۂ چاکِ وطن　　اے محبت خیز آغوشِ طربناکِ وطن

جوشِ عشرت تجھ میں ہے ہنگامۂ غم تجھ میں ہے

اے بساطِ دو جہاں ہر ایک عالم تجھ میں ہے

نغمہ زارِ روح بھی گہوارۂ الہام بھی　　جنّتِ نظّارہ تیری صبح بھی ہے شام بھی

مرکزِ احرار تو ہے مرجعِ اقوام بھی　　میکدہ بھی کعبہ بھی کاشانۂ اصنام بھی

مُسکرائی کلکِ قدرت تیرا نقشا کھینچکر

تجھکو خالق نے بسایا عطرِ دنیا کھینچکر

کرشن تیرا اک پیمبر اک نبی گوتم ترا　　ذرّہ ذرّہ ہے حقیقت کا یہاں محرم ترا

تازہ گنگا اور جمنا سے ہے کیف و کم ترا　　تو وہ جنّت ہے کہ گرویدہ ہے اِک عالم ترا

اقتدارِ آریہ میں بھی ترا آوازہ ہے

قلعۂ عظمت کا تو اک آہنی دروازہ ہے

مضطرب تھی سطوتِ یونانیاں تیرے لئے　　مستعد تھی ہمّتِ افغانیاں تیرے لئے

جوش میں تھی قوّتِ ایرانیاں تیرے لئے　　کس قدر تھیں آرزو سامانیاں تیرے لئے

پرچم اسلام لہرایا تری آغوش میں
یہ فرشتہ بھی چلا آیا تری آغوش میں

تونے دیکھے ہیں زمانے میں ہزاروں انقلاب	تو کبھی ہے محوِ بیداری کبھی مجبورِ خواب
جزر و مد ہستی کا تجھ میں پا چکا ہے انتہا	تھرتھراتا ہے تری عظمت سے اب تک آفتاب

اوج و پستی سے تری تاریخ کب بیگانہ ہے
تو مکمل اک کتابِ عبرت و افسانہ ہے

تیرا ہر ذرہ ہے جامِ انگبینِ حسن و عشق	آستاں پر تیرے نازاں ہے جبینِ حسن و عشق
تونے سمجھی ہے ادائے دلنشینِ حسن و عشق	اے طرب گاہِ وفا اے سرزمینِ حسن و عشق

تجھ میں قصے عشق کے کچھ حسن کے افسانے ہیں
ہیر و رانجھا نل دمن تیرے ہی سب دیوانے ہیں

تیرے جنگل بھی ہیں اے ہندوستاں گلشن بدوش	اور کانٹے گل فشاں و گل چکاں و گل فروش
کوہ تیرے ارجمند و سربلند و برف پوش	تیرے دریا موج خیز و کیف بار و پُرخروش

جلوۂ قدرت ہی تو فطرت کا کاشانہ ہی تو
جس میں ہر اک رنگ کی مے ہے وہ میخانہ ہی تو

ارجن و بھیشم تری اقلیم کے سہراب و سام — دیوتا مندر کے تیرے قابلِ صد احترام
خواجۂ اجمیرؒ تیری بزمِ عرفاں کے امام — شبلیؔ و آزادؔ تیرے ترجمانِ احتشام

کاروانِ رفتہ تیرا کس قدر پُر جوش تھا
تو کبھی غرناطہ و اسپین کا ہم دوش تھا

میکدے میں گو نہیں اب میگسارانِ قدیم — ہی مگر محفوظ ہر گوشہ میں سامانِ قدیم
منتظر ہے نغمۂ نو کا شبستانِ قدیم — پھر چھیڑے گا تیرا افسانہ بعنوانِ قدیم

غم کے یہ ساماں نشاطِ جاوداں بن جائینگے
ذرّے پھر انگڑائی لیکر آسماں بن جائینگے

صبح کی رونق گئی اور شام کا جلوہ گیا — دامنِ مغرب تری رنگینیوں پر چھا گیا
سب ہمیں معلوم ہے کیا رہ گیا اور کیا گیا — خیر اب تک بزم میں جو آ گیا وہ آ گیا

اب یہ قدغن ہے کہ کوئی غیر آ سکتا نہیں

رنگ اپنا تیری محفل میں جما سکتا نہیں

وقت آئیگا کہ ہم دُلہن بنا دینگے تجھے　　وقت آئیگا کہ پھولوں سے سجا دینگے تجھے

گود میں لیکر ثریّا پر بٹھا دینگے تجھے　　خون کے چھینٹوں سے رنگ ارتقا دینگے تجھے

نغمۂ ہندوستاں گونجیگا سازِ عرش تک

چوٹیاں ہوں گی ہمالہ کی فرازِ عرش تک

اب ہمارا خون ہے تیری حمایت کیلئے　　اب ہمارے ہاتھ ہیں تیری حفاظت کیلئے

اے وطن اب وقف ہیں ہم تیری خدمت کیلئے　　رُوح اب تیّار ہے احساسِ غیرت کیلئے

کر چکے ہیں عزمِ راسخ آج اپنے دل میں ہم

صدرِ محفل بنکے بیٹھیں گے تری محفل میں ہم

اے وطن ایں جوش میں سرشار تیرے لئے وطن　　تیرے حامی ہیں بہت غمخوار تیرے لئے وطن

خود بنیں گے خادم و دلدار تیرے لے وطن　　خون سے سینچینگے برگ و بار تیرے لئے وطن

لوٹ سکتا ہے بہارِ ہستیِ گلزار کون ؟
ہم ابھی زندہ ہیں ہو سکتا ہے پھر حقدار کون؟

---




اُڑ رہا ہے یہ فضا میں کون لہراتا ہوا
تو بہ نو نغمۂ عروجِ قوم کے گاتا ہوا

اپنے قدِّ برتر و بالا پہ اِتراتا ہوا
اور جھونکے نوجوانوں کی طرح کھاتا ہوا

عظمتِ اقوام کی اے داستانِ حرّیت
اے بیانِ حرّیت، اے ترجمانِ حرّیت

رائتِ رحمت ہی تو میخانۂ اقوام میں
صبح میں تیری تجلّی نور تیرا شام میں

اوجِ ہستی تیرے دم سے تجھ سے معراجِ حیات
تجھ میں آسودہ ہی حق و حرّیت کی کائنات

ہندیوں کے جذبۂ احساس کے آئینہ دار
اُن کی غیرت مندیوں کی غیر فانی یادگار

تیرے رنگوں میں اصولِ زندگی کا راز ہے زندگی کا راز ہے تابندگی کا راز ہے
ہر فضائے دل میں ہے اجلال فرمائے حیات ہر ضمیرِ پاک میں ہے بزم آرائے حیات
تیری جنبش سے ہے لرزش گردشِ ایام میں انقلابِ ہند پوشیدہ ہے تیرے نام میں

رات دن ہے فرصتِ تحریکِ بیداری تجھے
وجہ بیتابی ہے قوموں کی نگوں ساری تجھے

(۲)

اے مرے روحِ وطن، شانِ وطن، جانِ وطن تیری ہر اک موج سے راسخ ہے ایمانِ وطن
تو کہ اک حریتِ محسوس ہے اقوام کی جس کو سجدے کر رہی ہے بیخودی میں زندگی
وہ جو اک گنبد ہے جنت میں طلائی رنگ کا ق جس سے اِک نکلا ہے چشمہ نقرئی آہنگ کا
اُس کے اوجِ نور پرورد پہ لہراتا ہے تو کیف میں اُسکے کلس کو چوم چوم آتا ہے تو
رفعتِ طوبیٰ ازل ہی سے ودیعت ہے تجھے بے تکلف عرش بوسی کی اجازت ہے تجھے
عرش کے پردوں کو بھی اکثر اُٹھا آتا ہے تو لامکاں کی سرحدِ آخر سے ٹکراتا ہے تو

عرش و کرسی تیرے ہی افسانے کا اک باب ہیں　　بوسے دینے کیلئے قدسی بہت بیتاب ہیں

تیرے قدموں میں ہے زنجیرِ غلامی پاش پاش　　ظلم کے دل میں ترے منظر سے ہے گہری خراش

مستقل آواز ہے تو اک مکمل احتجاج　　ظلم سے تو ہی طلب کرتا ہے نیکی کا خراج

تیری بنیادیں وطن میں اب ہلا سکتا ہے کون؟
تجھکو اوجِ کامیابی سے گرا سکتا ہے کون؟

(۳)

خندہ زن ہے دیر سے اہلِ وطن کے دل میں تو　　جلوہ گر ہے آج شیخ و برہمن کے دل میں تو

اے کہ تو ہے ضامنِ آزادیِ ہندوستاں　　اے کہ تو ہے باعثِ آبادیٔ ہندوستاں

اے نشانِ زندگی اے گلہ بانِ زندگی　　اے حُدی خوانِ وفا اے سارباں زندگی

تجھ میں ہے خونِ شہیداں رنگ افروزِ حیات　　تجھ میں پوشیدہ ہے اک سازِ وفا سوزِ حیات

تیری خاطر خاک اور خوں تک میں اٹ جائینگے ہم　　تیری عزت کیلئے میداں میں کٹ جائینگے ہم

اپنی لاشوں پہ تجھے قائم کرینگے ایک بار　　تیرے دامن کو بنا دینگے فضائے لالہ زار

"نغمۂ غم" کے علاوہ "نغمۂ شادی" بھی ہو　　یعنی سائے میں ترے اعلانِ آزادی بھی ہو

نغمۂ قومی ہو اور سرورِ اقوامِ وطن　　بادۂ تازہ سے ہو لبریز ہر جامِ وطن

ثبت ہو جائے دلِ عالم پہ تیری برتری　　خوف سے لرزہ میں آجائے شکوہِ سروری

اعترافِ سربلندی میں سر اپنے خم کریں
جی میں آتا ہے کہ تجھ کو سجدۂ پیہم کریں

# قومی گیت

دعوےٰ ہے ہر آن ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

جنگل اور گلزار ہمارے　　دریا اور کہسار ہمارے

کوچے اور بازار ہمارے　　پھول ہمارے خار ہمارے

ہر گھر ہر میدان ہمارا

سارا ہندوستان ہمارا

گو نہیں ہم میں فوجی قوّت　　پھر بھی بہت ہے دل میں ہمّت

اور ہمارے ساتھ ہے قدرت　　اب کوئی طاقت کوئی حکومت

روک تو دے طوفان ہمارا

سارا ہندوستان ہمارا

ہم سے بھارت کی رونق ہے　　آزادی ان کا سبق ہے

اپنی دھنک ہے اپنی شفق ہے　　ہر ذرّے پر اپنا حق ہے

کھیت اپنے دہقان ہمارا

سارا ہندوستان ہمارا

مندر، مسجد اور میخانہ　　بادہ، ساغر اور پیمانہ

جنگل، بستی اور ویرانہ　　ہر محفل اور ہر کاشانہ

ہر در ہے ایوان ہمارا

سارا ہندوستان ہمارا

گو ہے پامال اپنی ہستی  ہر سو ہے پستی ہی پستی

تن آسانی عیش پرستی  دن بھر فاقہ شب بھر مستی

ہے یہ مگر ایمان ہمارا

سارا ہندوستان ہمارا

ہند کا مالک ہر ہندی ہو  صرف یہاں اک قوم بسی ہو

بار نہ پائے خواہ کوئی ہو  چاہے وہ خود اپنی ہی خودی ہو

دیکھ ذرا ارمان ہمارا

سارا ہندوستان ہمارا

# میخانۂ اقوام

## مُسلمِ ہندی

شعاعِ مہر سے ہے مطلعِ سحر خالی　　ہوا نہ ہوا نہی تاریکیوں میں گھر خالی

نہ فکرِ بیخودیِ شوق کی نہ کسل کا غم　　ہر ایک ہاتھ میں اک جام ہے مگر خالی

سوالِ کیف کی آواز ہر طرف سے ہے بلند　　مگر ہر دورِ عمل سے ہیں بے خبر خالی

بُرا ہو لعنتِ تشنہ لبی بُرا ہو ترا　　ہے ایک شک سے بھی آج یہ چشمِ تر خالی

ہر ایک گام پہ ہے ذکرِ میکشانِ قدیم　　مگر ہے جوشِ عمل سے ہر ایک سر خالی

کبھی ہزار گلستاں تھے اور ایک نگاہ　　اب ایک پھول سے ہے دامنِ نظر خالی

ہے اتفاق سے بُت خانہ صد صنم بکنار　　اور اختلاف سے کعبہ کے بام و در خالی

مے غلامیِ مغرب سے مست ہے مُسلم
خود اپنے ظرفِ خودی کی شکست ہے مُسلم

# "ہندو"

نشاطِ تازہ سے ہے چشمِ برہمن روشن
جدید نور سے ہے محفلِ کُہن روشن

عجب نکھار پہ ہے صندل و عبیر کا رنگ
ہوئی ہے قشقۂ خونیں سے انجمن روشن

بہار ایک برس آگ بن کے آئی ہے
ہے ایک "لالۂ رنگیں" سے گُل چمن روشن

جگر کے داغ چھپائے سے چھپ نہیں سکتے
وطن کی آگ سے ہیں سب کے پیرہن روشن

ستارے کیا کہ نہ بھولینگے راہ ذرّے بھی
ہیں ایک چاند کے پرتو سے بن کے بن روشن

ضیائے بزم نہیں اب رہینِ منتِ شمع
بُجھیگی شمع تو ہو جائیگی لگن روشن

تلاشِ شمع میں اہلِ حرم رہے مصروف
چراغِ دیر نے کی محفلِ وطن روشن

مہِ جدید بر اوجِ وطن ہویدا شد
"کلیدِ میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد"

# "افغان"

اُٹھی ہیں جہل و بغاوت کی آندھیاں تاریک
سیاہ تر ہے زمین اور آسماں تاریک

یہ کس کا خون درو بامِ میکدہ میں ہے جذب
ہے جوشِ رنگ سے صہبائے ارغواں تاریک

سوادِ بحرِ الم سے یہ کیسا غضب کا دھواں
اُٹھا کہ ہو گئے کشتی کے بادباں تاریک

ہوئی حجابِ ثریا سے بے حجابیِ حسن
چلا نہ کام کہ تھی "بزمِ کہکشاں" تاریک

سیاہ بختیِ افغاں کا یہ تصرف دیکھ
کہ بعدِ صبح بھی ہے راہِ کارواں تاریک

نوائے بلبلِ رنگیں چمن میں حرفِ بے معنیٰ
ہر ایک پھول ہے بے نور گلستاں تاریک

مآلِ قسمتِ گلشن کی خیر ہو یارب!
ہے آشیاں کی طرح ذہنِ باغباں تاریک

یہ رندِ بادیہ سرخوش بھی تشنہ کام بھی ہے
تضاد دیکھ کہ آزاد بھی غلام بھی ہے

# "ایرانی"

کمالِ سعی یہ ہے کائنات کی بُنیاد — اسی سے رونقِ صحرا اسی سے گھر آباد

دیارِ عشق میں لازم ہے شرطِ سعی و عمل — کہ ایک بازوئے سنگیں ہے اصل میں فرہاد

نہ اب وہ نغمۂ قاچاریاں نہ بربطِ عیش — نہ اب وہ سیرِ مصلّیٰ و آبِ رُکنا باد

ہزار قطرۂ خونِ جمیل صرف ہوئے — تو ہو سکا وطنِ حافظ و یمیں آزاد

کمالِ تیغِ رضا کی ہے دھوم عالم میں — کہ دی ہے روحِ منوچہر نے مبارکباد

بساطِ گلشنِ ایراں پہ کھیل مشکل ہے — یہ وہ جگہ ہے جہاں مات کھا گیا صیّاد

اسیرِ حُبِّ وطن کے خطاب ہیں کیا کیا — غیور و زندہ و آزاد و اشرف و دلشاد

یہ قوم میکدہ دربر ہے خود خمستاں ہے

چراغِ محفلِ فارس اسی سے تاباں ہے

# "روسی"

چمن میں آج جو ہے پا بہ گل یہ مجبوری — وہ کل بہار کو دیگا پیامِ منصوری

بغور دیکھ عجب کاریٔ حریفِ فرنگ — کہ خاکِ خشک سے پیدا ہے چشمۂ نوری

نصیبِ روس میں جاگا غریبِ دہقاں کا — بنا ہے نخلِ تمنّا ستونِ دستوری

اُٹھا وہ تیشۂ فرہاد و مسندِ خسرو — چمک اُٹھا ہے زمانے میں بختِ مزدوری

شکستِ مذہب و ایماں میں خود ہی گم ہے خدا — کمالِ جوش میں ہے بندگی کی مقہوری

اُپج سہی مگر انسان سے زیاں تو مٹیں — وطن میں پھیل گئی موجِ روحِ جمہوری

رہا نہ خطرۂ سرمایہ داریٔ افراد — رہی نہ کوئی امیر و غریب میں دوری

اِک انقلابِ مسلسل کا دور ہے جاری

قبائے نو کہ ہے جسمِ قدیم پر بھاری

# "مصری"

شکارِ مکر و دنائت فریبِ دلِ تنگ    چھپا ہے جسکے کلیجہ میں حریت کا خدنگ

فراعنہ کی وہ اک سرزمینِ حسن و جمال    بجا رہی ہے قلوپطرہ جہاں دف و چنگ

حلول کرنے لگی سعدِ زاغلول کی روح    دماغِ مصری ہے اور مستقل تخیلِ جنگ

وہ ایک حریۂ مغرب کا کشتۂ رنگیں    جو امتدادِ زمانہ سے ہو گیا بے رنگ

مجاہدینِ سلف کا وہ آئینہ بردار    ہے جسکے عزم کی رفعت کا آسمان پاسنگ

اسی کے پاس ہے مشرق کے گلستاں کی کلید    خدا کرے کہ کبھی ایک ہوں سویز اور گنگ

ہر ایک غنچۂ خاموش آگ بن جائے    بہار غیر ہو اور شعلۂ فلک آہنگ

سویز پہ ہو کبھی اختیار مشرق کا
اسے عبور کرے راہوارِ مشرق کا

# "عربی"

وہ ایک مرکزِ انوارِ روحِ انسانی — جہانِ علم میں سب سے عظیم عرفانی

خدا نے جس کو دیا ہے جلال و عظمت و جاہ — عطا ہوئی جسے قدرت سے خود جہانبانی

علوم جسکے ہیں خادم فنون جس کے غلام — تمام جوہرِ ہستی کی روحِ لافانی

پیامِ صدق دیا جس نے سارے عالم کو — جہاں میں پھیل گئی جس سے روحِ ایمانی

مزارِ سیدِ کونینؐ کی محافظ قوم — خدا کے گھر کی میسر ہے جسکو دربانی

وہ قوم جس میں رسولِ خدا ہوئے پیدا — وہ قوم سر پہ رہا جسکے ظلِّ سبحانی

وہ قوم حالِ زبوں بھی ہے جس کا نخلِ بہار — وہ قوم جس کا سکوں بھی ہے موجِ طوفانی

وہ جس کا سینہ امانت ہے دردِ ایماں کی

جو ایک آخری امید ہے مسلماں کی

# "ترک"

ہر اک زبان پہ جہاں میں ہے داستانِ کمال
یہ حرف نقرہ ہے یا کہ آسمانِ کمال

وہ جس نے قوتِ بازو سے زندگی پائی
ہے جسکا آج قدم بوس آستانِ کمال

وہ مصطفیٰ کے مقدس وجود کی حامل
وہ قصہ خوانِ ترقی وہ ترجمانِ کمال

وہ جسکے خون سے رنگیں ہے باسفورس تک
بلند جس کے جہازوں پہ ہے نشانِ کمال

وہ قوم جس نے چلائے جہاز خشکی پر
فرازِ سینۂ ہستی میں تھی سنانِ کمال

نپولین ہے ہر اک فرد جس کا دنیا میں
وہ تیغ زن وہ مدبر وہ رازدانِ کمال

وہ لازوال جمال و جلال کی مالک
جہاں میں وہ ادبیات کا جہانِ کمال

وہ ایک شمع کہ جو آندھیوں میں تاباں ہے
وہ آفتاب گھٹاؤں میں جو درخشاں ہے

# "عراقی"

کنارِ غیر میں اِک جسمِ عظمت و تمکین — کہ جیسے پنجۂ مضبوط میں ہو اِک شاہین

ذرا گرفت ہوئی دستِ باغباں کی جو برہم — تو دیکھنا یہی پہنچیگا آسماں کے قریں

جھلک رہا ہے خطِ قسمتِ عراقی سے — کہ جھک سکیگی نہ باطل کے سامنے یہ جبیں

وہ ایک سیرتِ انساں کا بہتریں حامل — جفا شعار و وطن دوست حریّت آگیں

زمانہ یاد رکھے میری پیشگوئی کو — کہ ہے عراق کی آئندہ زندگی زرّیں

اُٹھاؤ قبر سے ہاروں کو اور ماموں کو — کہ پھر ہو بزم میں اک دورِ ساغرِ زرّیں

ہوا شراب میں ڈوبی ہوئی چلے ساغر — فضا تمام مئے ارغواں سے ہو رنگیں

نئی شراب سے دامن کو لالہ زار کریں

سرورِ تازہ سے پھر مقدمِ بہار کریں

# "چینی"

وہ ایشیا کے چمن کی بہارِ گلشن زا — جسے ہے یاد ابھی تک پیام گوتم کا

ہر ایک گوشے میں جسکے قیامتیں ہیں نہاں — وہ اضطراب کا محشر وہ یاس کی دُنیا

بجھا سکے نہ جسے بادِ تُند کے جھونکے — وہ ٹمٹماتا ہوا طاق ایشیا کا دیا

بساطِ بازیٔ اغیار پر اسیرِ فریب — وہ خانہ جنگیٔ پیہم کے جال کا پھندا

نگاہِ شوق ہے جاپان و روس کی جس پر — وہ دور قلبوں کے مابین ایک محبوبا

وہ جس کو پیس دیا انقلابِ گردوں نے — وہ جس کا نقش مٹانے کے بعد بھی نہ مٹا

وہ جس پہ تنگ ہے عیش و نشاط کی دُنیا — مگر ہے دل میں وہی کیف دورِ ماضی کا

چمک ہے چین کے ارژنگ میں جواہر کی
نگاہ خیرہ ہے مغرب کے کیمیا گر کی

# "جاپانی"

کمالِ قوّتِ بازو پہ ہے مدارِ حیات — عمل ہی عزم کو کرتا ہے رستگارِ حیات

کمالِ قوت و طاقت کو زندگی کہئے — قوی ہی صرف ہے دنیا میں شہریارِ حیات

مگر خدا کے تخیّل کو ترک کرنا بھی — نہیں ہے باعثِ افزونیِ وقارِ حیات

یہ لفظ ڈالدو کانوں میں مادّیت کے — کہ نیستی کے سمندر پہ ہے مزارِ حیات

وہ ایک سلسلہ سیلابِ مادیت کا — وہ ایک مستقل آوازِ اضطرارِ حیات

وہ ایک محشرِ صنعت کا داورِ مغرور — وہ اک قیامتِ ہستی کا بیقرارِ حیات

وہ کامیاب جسے اس ہے تجارتِ عشق — وہ خوش نصیب جسے مل گیا نگارِ حیات

قمار خانۂ اقوام کا اسیرِ کبیر
نہیں ہے جس کو خیالِ شکست دامنگیر

# "غیر متمدّن قبائل"

(۱)

کمالِ علم ہے رحمت جہانِ جاں کیلئے — فسانہ گو کی ضرورت ہے داستاں کیلئے

مگر وہ علم نتیجہ ہو جس کا ظلم و جہول — ہو اک لعنتِ ناپاک کل جہاں کیلئے

غلام ساز اگر علم ہے تو اے انساں! — نہ وہ زمیں کیلئے ہے نہ آسماں کیلئے

نثار میرے دل و روح اُس جہالت پہ — جو اک نظیرِ محبت ہو انس و جاں کیلئے

دیارِ وحشیِ عریاں اُجڑ کے شہر بسیں — جوازِ قطعِ بیاباں ہو گلستاں کیلئے

زمیں کو خطۂ نوریں بنائیں جو ذرّے — وہ منتخب ہوں تجلّائے آسماں کیلئے

کہاں رُکیگا یہ سیلِ جنونِ شہریت — ہزار سر ہیں تمدّن کے آستاں کیلئے

غلام سازِ تمدّن کا صید خانہ ہے

وسیع گلشنِ عالم بھی قید خانہ ہے

(۲)

سجا ہے خون سے انساں کے خانۂ تہذیب — کہ نعشِ سرد ہے اور آستانۂ تہذیب

نیا اُصول ہے ترویجِ علم و حکمت کا — ہے زیرِ سایۂ خنجر ترانۂ تہذیب

یہ عہدِ برق یہ انوار اور یہ اندھیر! — زبانِ سیف سُنائے فسانۂ تہذیب

غلام ساز کا مقصد غلام سازی ہے — مگر کیا ہے خرد نے بہانۂ تہذیب

وہ کُرد ہو کہ کوئی آفریدی و شامی — ہر ایک آج ہے اوچھا نشانۂ تہذیب

مقدمہ نہ قیامت کا ہوں یہ تمہیدیں — کہ زلفِ جہل ہے اور سخت شانۂ تہذیب

سوادِ جہل سے ہے آہِ آتشیں پیدا — سُلگ اُٹھے نہ کہیں آشیانۂ تہذیب

ہے اِن کے خون سے پُر جامِ مشرق و مغرب
شکار گاہِ کُل اقوامِ مشرق و مغرب

# "سرِّ دلبراں"

میں ذکر اسکا کروں کیا جو ہے یہ شیرِ نہنگ
بنائے نوحۂ ماتم بہ پردۂ دف و چنگ

وہ مستبد کہ زمانہ ہے جسکا شکوہ طراز
وہ جنگجو کہ خموشی ہے جسکی صورتِ جنگ

وہ ظالموں کا خدا ظلم پروروں کا خدا
وہ جس کے ظلم و ستم سے ہے ایشیا دل تنگ

جگر ہو چین کا یا دل ہو ترک و افغاں کا
ہر ایک سینہ میں پیوست ہے اسی کا خدنگ

نئے تمدّن و تہذیب کا وہ دلدادہ
جسے محبّتِ انساں ہے باعثِ صد ننگ

قمار خانۂ اقوام کا وہ صدر نشیں
بساطِ مشرق و مغرب ہے جسکی چال سے دنگ

وہ پیرِ میکدۂ قیصری وہ میکشِ زر
کہ جسکے جام میں لبریز ہے مےِ صد رنگ

کوئی غریب سرِ رہگذر یہ کہتا تھا
کہ اس نے چوس لیا خون ہمارے مشرق کا

(۲)

وہ ایک تاجرِ صد حیلہ باز و عربدہ ساز — ہوائے حرص و شہنشاہیت کا نغمہ طراز

وہ راہزن پسِ دیوارِ عظمت و حکمت — وہ خود ہی موجدِ قانونِ خود سیاست باز

وہ علم و حلم کے پردے میں دیوِ استعمار — وہ سیم و زر کے اجالوں میں ایک بادہ نواز

وہ جسکے زیرِ اثر ہند و مصر اور عراق — وہ جسکے زیرِ نظر ارضِ روم و شام و حجاز

محیطِ بحر و بر اس کا جلالِ طوفانی — غرورِ مغرب و مشرق وہ اک خدائے مجاز

وہ جسکا سترِ سیاست کوئی سمجھ نہ سکا — وہ جسکی ظاہری شانیں ہیں ایک عالمِ راز

وہ پاسبانِ کلیسا ندیمِ دیر و حرم — کہ ظلم جسکا ہے ایمان، جبر جس کی نماز

جہاں کو آتش و خوں میں ڈھکیلنے والا
وہ بربریتِ انساں سے کھیلنے والا

یہ بادہ خوار ہیں سب انکا ایک ساقی ہے — جو اپنی قدرت و عظمت کے ساتھ باقی ہے

برابر اسکی نظر میں ہے شاہ اور گدا — سب اسکو ایک ہیں ہندی ہے یا عراقی ہے

ہے صرف اسکے اشارے پہ قائم و باقی — کوئی نظام جو شخصی ہو یا وفاقی ہو

حصولِ کیف کو سمجھا ہے جاوداں سب نے — مگر در اصل یہ اک امرِ اتفاقی ہے

کوئی یہاں ہے تردد میں اور کوئی خاموش — کسی میں جذبۂ مغرورِ طمطراقی ہے

نشاطِ زیست کی بدمستیاں معاذ اللہ — ہے صلح کوش کوئی اور کوئی نفاقی ہے

یہاں ثبات کہاں جام و ساغر و مے کو — نظامِ میکدۂ دہر افتراقی ہے

نہ بادہ خوار رہیں گے نہ یہ صدا باقی

رہیگا صرف وہ ساقیِ میکدہ باقی

اُسی کے نام پہ لبریز اپنے جام کرو — پھر ایک جشنِ محبت کا اہتمام کرو

شرابِ عشق و محبت ہو ہر پیالے میں — بقدرِ ذوق و مساوات انتظام کرو

بہیگا خون یہ توپ و تفنگ سے کب تک ؟ — خدا کے واسطے اب بند قتلِ عام کرو

سکون و امن میں تسکین ہر دو عالم ہے — بلند زندگیِ جنگ کا مقام کرو

حدیثِ میکدہ چھیڑو نئے طریقہ سے — اب افسانۂ فرسودہ کو تمام کرو

پیو پلاؤ بہاؤ شرابِ گُل افروز    تمام عالمِ انساں کو لالہ فام کرو
شرابِ کیفِ اُخوّت سے مست ہو جاؤ
وفا پسند محبت پرست ہو جاؤ

---

# آشوبِ عصر

روک لیں شدتِ ہنگامہ نے راہیں میری    زیرِ لب کے پلٹ جاتی ہیں آہیں میری
ماہِن دہر تھیں آزادنگاہیں میری    اب وہ خود ڈھونڈتی پھرتی ہیں پناہیں میری

"ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم"

کاہشِ جذبۂ ملت سے پریشانی ہے    شورشِ فتنۂ باطل کی فراوانی ہے
نفسِ سرد کی ہر موج میں طُغیانی ہے    روح ہر جسم میں اب روح نہیں پانی ہے

نقش برآب ہے تعمیرِ جہاں کچھ بھی نہیں
آج انساں بجز وہم و گماں کچھ بھی نہیں

پھول ہوتے ہیں شگفتہ ورقِ خونیں سے      بادہ ہوتا ہے مرکّب عرقِ خونیں سے
ہر سحر ہوتی ہے پیدا طبقِ خونیں سے      شام ہوتی ہے ہویدا شفقِ خونیں سے

چشمِ خونبار ہے ساغر ہے کہ پیمانہ ہے
خون ہی خون یہاں سُرخیِ افسانہ ہے

لرزشوں میں ہیں مسلسل در و بامِ عالم      ہے خرابی نظرِ منظرِ عامِ عالم
لغزشوں سے جو مرتّب ہے خرامِ عالم      ایک بہکا ہوا میکش ہے نظامِ عالم

گوشہ گوشہ سے پریشان ہوا آتی ہے
شمع ہر پردۂ فانوس میں تھراتی ہے

نہ رہیں نغمۂ بلبل کی نوائیں باقی      نہ رہیں باغ میں طوطی کی صدائیں باقی
اب کہاں ہیں وہ دل آویز فضائیں باقی      ہیں فقط حسرتِ باقی کی گھٹائیں باقی

بارشِ یاس ہے امید کے ایوانوں پر

بجلیاں گرتی ہیں اُجڑے ہوئے کاشانوں پر

جذبِ مشرق و مغرب کی شر خیز ہیں آج جذبِ عقلِ بشر کی ستم انگیز ہیں آج

نیّتیں اہلِ جہاں کی خطر آمیز ہیں آج حکمتیں امن کی اِک خنجرِ خونریز ہیں آج

قتلِ عالم ہے خود آرائی و شاہی کیلئے

سب یہ سامان ہیں دُنیا کی تباہی کیلئے

اُفقِ دہر پہ طاری ہے سیاہی کیسی ذہنِ عالم پہ یہ آئی ہے تباہی کیسی

کم نگاہی ہے یہ انساں کی الٰہی کیسی کہ فنا ہو گئی دنیا ہی تو شاہی کیسی

آج طاری ہیں نئی وحشتیں انسانوں پر

چاہتے ہیں کہ حکومت کریں ویرانوں پر

نہ سکوں ہے کہیں باقی نہ اماں باقی ہے دیدۂ یاس پہ ہر سو نگراں باقی ہے

رفعتِ فکر کا دھندلا سا نشاں باقی ہے برتری فطرتِ انساں میں کہاں باقی ہے

نفس مغلوب ہے، ڈرپوک لٹیرے کی طرح
مادّہ رُوح پہ غالب ہے اندھیرے کی طرح

آج فرسودہ و پامال ہے ہر رنگِ قدیم
نہ وہ موسیقیِ دیریں ہے، نہ وہ چنگِ قدیم

جو ہر آئینہ بن بیٹھے اُڑا رنگِ قدیم
اب کہاں محفلِ مستی میں وہ آہنگِ قدیم

کیف و مستی کا وہ پہلا سا اب انداز نہیں
نغمے خاموش ہیں اور ساز میں آواز نہیں

نہ وہ مطرب ہے، نہ وہ چنگ نہ وہ نغمہ و ساز
نہ وہ وجدان نہ وہ کیف نہ وہ سوز و گداز

نہ وہ معیارِ حقیقت نہ وہ اندازِ مجاز
نہ وہ محمود نہ وہ ذوق کی مستی نہ ایاز

نہ وہ بادہ ہے نہ گردش ہے وہ پیمانوں کی
لے گیا لوٹ کے دنیا کوئی انسانوں کی

اب نہ وہ عشق نگاریں ہے، نہ وہ حسن نگار
مشربِ قیس کی عظمت ہے، نہ لیلےٰ کا وقار

نہ محبت کا سلیقہ نہ وفا کا معیار
نہ وہ جذبات نہ احساس نہ ذوقِ بیدار

نالۂ نیم شبی کیلئے فرصت نہ رہی

اب دعائے سحری کی بھی ضرورت نہ رہی

خود پرستی کا چلن عام ہوا ہے ہر سو     خود نمائی کا اثر پھیل گیا ہے ہر سو

اب فریب اور ہوس جلوہ نما ہے ہر سو     محشرِ حرص و ہوا ہے کہ بپا ہے ہر سو

بیخودی کو ہے جنوں میرے سوا کوئی نہیں

اور خودی کو یہ یقیں ہے کہ خدا کوئی نہیں

اِک صدا یہ ہے کہ انسان مہذب ہی نہیں     فلسفہ کو کسی تحقیق سے مطلب ہی نہیں

زعمِ الحاد ہے بندوں کا کوئی رب ہی نہیں     خبط سائنس کو یہ ہے کوئی مذہب ہی نہیں

مختلف رنگ سے اوہام کی گلچینی ہے

ایک ہنگامۂ خود رائی و خود بینی ہے

کائنات آج حقیقت میں ہے محشر آباد     جسکی فطرت نے حقیقت پہ رکھی تھی بنیاد

تھا جو تخلیق کا منشا ہوا آخر برباد     آج ہر ملک میں شورش ہے ہر اک گھر میں فساد

وحشتیں ان میں نمودار ہیں حیوانوں کی
کون کہتا ہے کہ بستی ہے یہ انسانوں کی

دم بخود دیکھ رہی ہے یہ تماشا فطرت  لبِ خاموش کی تصویر ہے گویا فطرت
بسکہ رکھتی ہے ہر اک چیز پہ قبضا فطرت  غور فرما ہے نکالے گی نتیجا فطرت

اَبدی ہے یہ خموشی کوئی کہہ سکتا ہے
ایک حالت پہ زمانہ کہیں رہ سکتا ہے

یہی نیرنگِ جہاں حشر کا دیباچہ ہے  کسی آشوب کی تمہید یہ ہنگامہ ہے
ختم جو حشر میں ہو گا یہ وہی قصہ ہے  کہہ رہا ہے جسے انجام کا اندازہ ہے

کاش حالات کا یہ دور مسلسل ہو جائے
داستاں اتنی بڑھا دو کہ مکمل ہو جائے

آج ہر سعیِ سکوں کوششِ لاحاصل ہے  جس میں ہیں صبح کے آثار یہ وہ محفل ہے
شام سے صبح بدل جائے بہت مشکل ہے  ختم افسانہ ہو یہ وقت اسی قابل ہے

ہوش میں اپنے نہیں بزم کے دیوانے بھی
شمع افسردہ ہے خاموش ہیں پروانے بھی

پھر کسی محفلِ نو کی کہیں تیاری ہے    خود انہیں گرمیِ محفل سے گرانباری ہے
ہر طرف خواب کا عالم جو یہاں طاری ہے    اسی پردہ میں نہاں محشرِ بیداری ہے

"لذتِ سیرِ دگر چشمِ تماشا لیگی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لیگی"

جلوہ فرما کوئی پھر ہوگا نئی شانوں سے    غرتیں عالمِ نو پائے گا انسانوں سے
بجلیاں چمکینگی وحدت کے نہاں خانوں سے    انجمن پھر یونہی بھر جائیگی پروانوں سے

نئی تنویر، نیا چاند، نئی شب ہوگی
نئے لوگوں سے نئی بزم مرتب ہوگی

# غدّاری

جب اقوام و ملل پر بارشِ افلاس ہوتی ہے
جب انساں کی طبیعت غم سے بے احساس ہوتی ہے

ذلالت جب اثر اپنا جماتی ہے شرافت پر
ہوس جب غالب آجاتی ہے احساسِ محبت پر

غلامی ملک کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے
تباہی سے سوا آبادی رُخ اپنا پھیر لیتی ہے

علوم و جہل میں جب فرقِ نازک بھی نہیں ہوتا
دماغ و دل پہ کھنچ جاتا ہے جب تاریک پردہ سا

محاسن قوم کے افراد سے جب روٹھ جاتے ہیں
مفاسد جب کسی ملت پہ بدبو بن کے چھاتے ہیں

جب اخلاقِ حمیدہ کی تجارت ہونے لگتی ہے
جب اوصاف شریفہ میں بغاوت ہونے لگتی ہے

جب انسانوں کے دل شیطان کے دمساز ہوتے ہیں
زمانے میں جہنم کے دریچے باز ہوتے ہیں

دلِ مخلوق جب بدمستیوں میں ڈوب جاتا ہے
جب اس کی روح میں نفسانیت کا رنگ آتا ہے

نکلتے ہیں حجابِ ملک سے مکّاری و مکّاری
ہویدا معصیت کے بطن سے ہوتی ہے غدّاری

یہی ناگن پھر اپنے بطن سے غدّار جنتی ہے
وطن و قوم میں افرادِ ناہنجار جنتی ہے

# فرقہ پرست

نہ یہ بزمی نہ یہ رزمی نہ یہ آزاد و زندانی — نہ ذوقِ جاں دہی اس کو نہ شوق و فکرِ قربانی

نہ مذہب سے اسے مطلب نہ مشرب سے اسے مطلب — نہ اپنی قومیت سے اصلِ مطلب سے اسے مطلب

یہ اک وارفتۂ اعزاز و عزت کا دیوانہ — یہ اک فانوسِ شمعِ دولت و حشمت کا پروانہ

یہ ناموسِ وطن کی جنس کا سوداگرِ ارذل — یہ دنیا میں متاعِ حریت کا غاصبِ اوّل

غلامی پر یہ جو مرتا ہے غلامی جس پہ مرتی ہے — یہ جس کی روح پائے اہرمن پر سجدے کرتی ہے

غرض کا یہ پجاری یہ مریدِ نفسِ امّارہ — وطن کے آسمانوں پر یہ اک منحوس سیّارہ

یہ اک خونخوار بیٹا مادرِ گیتی کے سینہ پر — مُصر ہے جو بجائے شیر ماں کا خون پینے پر

یہ علم و قدرتِ انساں سے ایسا کام لیتا ہے — کہ فرطِ غم سے شیطاں بھی کلیجہ تھام لیتا ہے

یہ اک فردِ وطن لیکن وطن سوز و وطن دشمن — یہ اک نخلِ چمن لیکن چمن سوز و چمن دشمن

نمائندہ یہ ظلم و جور کا نیکی کی خدمت میں
یہ چشمِ اہرمن کا نور بربادی کی ظلمت میں

---

مگر کیا اسکی ہستی حُریت کو روک سکتی ہے؟
برائی نیکیوں کے قافلے کو ٹوک سکتی ہے؟

کہیں انوار پر ظلمت کا غلبہ ہو بھی سکتا ہے؟
کہیں احرار پر جعت کا حملہ ہو بھی سکتا ہے؟

کبھی خلاق پر اعمالِ بد نے فتح پائی ہے؟
کبھی یزدانیت پر شیطنت بھی غالب آئی ہے؟

کبھی ساغر صداقت کا کسی تہمت نے توڑا ہے؟
حقیقت پر کبھی باطل نے اپنا نقش چھوڑا ہے؟

بھرو نگار نگ تصویر وطن میں روح پر غم کا
تو پانی ہو کے رہجائیگا خوں اس ننگ عالم کا

# پیامِ عمل

آج ہم بھولی ہوئی اک داستاں کہنے کو ہیں
قصۂ ماضی بصد حُسنِ بیاں کہنے کو ہیں

جمع کرلیں ہم صفیرانِ چمن اپنے حواس
حالِ نیرنگِ بہارِ بوستاں کہنے کو ہیں

پھر حرم والوں کو دینا ہے پیامِ بُتکدہ
برہمن کے بتکدہ میں پھر اذاں کہنے کو ہیں

احتیاطاً اہلِ دل اپنے کلیجے تھام لیں
دل شکن رودادِ برقِ آشیاں کہنے کو ہیں

فرصتِ یک لمحہ ہے، یارانِ محفل التفات!
مختصر تاریخِ دورِ آسماں کہنے کو ہیں

خون مے بارد صدائے نالۂ مجبورِ ما
می چکد لالہ زہر داغِ دلِ مہجورِ ما

ہم وہ ہیں تھی دولتِ ہر دو جہاں جن کیلئے
سر جھکاتا تھا زمیں پر آسماں جن کیلئے

ہم وہ ہیں ممتاز تھا جنکا زمانے میں وقار
عرش سے اُترا تھا عشقِ جاوداں جن کیلئے

ہم وہ ہیں ہر بات جنکی قلزمِ الہام تھی　　نطق کے موتی اُگلتی تھی زباں جن کیلئے

ہم وہ ہیں جو رونقِ آرائشِ ہر بزم تھے　　مضطرب تھیں انجمن آرائیاں جن کیلئے

ہم وہ ہیں جو منتظر تھے منظرِ اقوام میں　　منتظر تھی شوکتِ ہندوستاں جن کیلئے

ہم وہ ہیں ہیبت سے جنکی بزم آذر سرد تھی
سلطنت جنکے حریمِ عیش کی اک گرد تھی

ہم کو وہ سطوت ملی تھی فطرتِ اسلام سے　　اہلِ عالم کانپ جاتے تھے ہمارے نام سے

ذہن میں تھی اک تجلی فکر میں تھا اک عروج　　دل ہمارا عرش تھا کیفیتِ الہام سے

ہم نے پھر ترتیب دی ملت خلیل اللہ کی　　نطق پیدا کردیا خاموشیٔ اصنام سے

صبح کے انوار راتوں کو مہیا کر دیئے　　خود پرستوں کو نکالا ظلمتِ اوہام سے

اس قدر گہری نظر ڈالی مآلِ زیست پر　　بے خبر دنیا کو واقف کر دیا انجام سے

مستعد تھے سب ہماری ہم نوائی کیلئے
ہم پیامِ امن تھے ساری خدائی کیلئے

اوّل اوّل ہمنے بطحا میں کیا رایت بلند — آخر آخر ہو گئے سارے جہاں پر فتحمند

کونسی وہ سلطنت تھی جو نہ تھی زیرِ نگیں — کونسا تھا وہ خزانہ جسکے دروازے تھے بند

ہم جب اُٹھے اپنے مرکز سے بصد جاہ و جلال — قصرِ کسریٰ خود تڑپ کر آ پڑا زیرِ کمند

فطرتِ عرش آشیاں بھی مائلِ اوجِ عروج — تھی پہاڑوں کے سروں پر ضربت پائے سمند

حائلِ عزمِ ترقی کوئی دشواری نہ تھی — حوصلے مچلے ہوئے تھے اور ہمت تھی بلند

راہِ حق میں خون کے دریا بہا دیتے تھے ہم

اپنے نعروں سے دو عالم کو ہلا دیتے تھے ہم

دفعتہً عیش و طرب کا سخت حملہ ہو گیا — منظرِ بیداریِ تقدیر دھندلا ہو گیا

دیدۂ بیدار پر غفلت کے بادل چھا گئے — مطلعِ اقبال پر طاری اندھیرا ہو گیا

دشمنوں نے دوست بنکر لے لیا رازِ حیات — سخت دھوکا کھا گئے ہم سخت دھوکا ہو گیا

عقل تو کھو ہی چکے تھے علم بھی رخصت ہوا — جسمِ قومیت کا گویا تجزیہ سا ہو گیا

جامعیت جسکے ہر ذرہ میں تھی وہ کارواں — یوسفِ بے کارواں کی طرح تنہا ہو گیا

آخر شب ساعتِ تاراجِ محفل رسید
شد شکستہ کشتیِ ما چوں بہ ساحل رسید

اب ہی ہم ہیں کہ ہر قوم ہم سے کینہ جو
اب ہی ہم ہیں کہ ہیں لب تشنۂ صد آبرو

ہو چکیں برہم وہ بزمِ دوش کی کیفیتیں
ہم ابھی تک ہیں اسیرِ گردشِ جام سبو

نذرِ پستی کر چکے ہم ساز و سامانِ نشاط
اور ابتک آسماں پر ہے دماغِ آرزو

ہے وہی آنکھوں میں خوابِ شامِ عشرت آج بھی
گو پریشاں اب نہیں شانوں میں زلفِ مشکبو

ہو چکا ہے حال ابتر ہے مگر باقی وہی
گردشِ جام و صراحی اور سیرِ آبِ جو

بے خودی ناواقفِ حالِ تباہی ہے ہنوز
بختِ خفتہ کو دماغِ بادشاہی ہے ہنوز

کاش پھر ہو محفلِ علم و عمل آراستہ
پھر جمائے رنگ اپنا خاطرِ برخاستہ

پھر کرے اقبال کا خورشیدِ رخشاں رہبری
پھر مسلماں کو ملے منزل کا سیدھا راستہ

پھر نئی اک روح پھونکے زندگی کی احتیاط
پھر ہو صحتیاب قومیّت کا جسمِ کاستہ

آبیاری خشک کھیتوں کی کرے ابرِ بہار — پھر یہ ویرانہ بنے گل خانۂ آراستہ

کاش پھر قومیتِ اسلام ہو رفعت گزیں — ذلتیں کیوں اور حاصل ہوں خدانا خواستہ

اے خوشا روزے کہ فکرِ عشرتِ فردا کنی

زندگی نو زِ اسبابِ فنا پیدا کنی

جھوم کر اُٹھ ابرِ نیساں کی طرح دُربار ہو — مطلعِ عالم پہ چھانے کے لئے تیار ہو

خود ہو تو بیزار اس دنیا کے مکر و جہل سے — اس سے کچھ پہلے کہ دُنیا تجھ سے خود بیزار ہو

تو سوارِ دوشِ حریت رہا ہے عمر بھر — تجھ سے کس نے کہدیا ہے غاشیہ بردار ہو

پھونک دے ماحول کی ساری غلط ساماںنیاں — سوزِ دل سے آتش افگن مثلِ موسیقار ہو

پھر فضا میں پرچمِ اقبالِ مسلم کو اُڑا — کاروانِ زندگی کا قافلہ سالار ہو

خاک کر دے یہ جمود افروز سامانِ حیات

پاک کر دے خرمنِ کہنہ سے میدانِ حیات

اے مسافر پائے ہمت جانبِ منزل بڑھا — حوصلے اپنے بمقدارِ بساطِ دل بڑھا

اس طلسمِ دہر میں کب تک رہیگا حیرتی — آئینہ زارِ عمل میں جوہرِ قابل بڑھا
مرکزِ موجود سے بڑھنے کی سعی و فکر کر — دل میں اپنے جذبۂ آزادیِ کامل بڑھا
پھیل کر اجرامِ ثقل انداز ہوتے ہیں لطیف — ہے جو آسانی کا جویا وسعتِ مشکل بڑھا
انقلاب انگیز پھر ہے محفلِ عالم کا رنگ — اُٹھ سحر ہونے کو ہے شمعِ سرِ محفل بڑھا

گوشہ گوشہ میں شعاعِ مہر بنکر پھیل جا
اور پھر دشت و چمن گنگ و جمن پر پھیل جا

## میں چاند دیکھوں گا

کروں اے ہمنفس نظارۂ بزمِ فلک کیونکر — کہ فرصت ہی نہیں انوہِ غم سے سر اُٹھانے کی
در دیوار جب سے مٹ گئے اُٹھتی نہیں نظریں — اِک افتادہ میں سی ہو گئی ہے عیش خانے کی
طلوعِ مہر سے تا شب مسلسل اک فسانہ ہے — بکھر کر روز ملجاتی ہیں کڑیاں اس فسانے کی

زمیں کا منظرِ تاریک بینائی بھی لے ڈوبا — تماشائے فلک کیونکر کریں آنکھیں زمانے کی

نظر پر کیا اثر ہو دلفریبیِ مناظر کا — مرے ہونٹوں میں اب ہمت کہاں ہے مسکرانے کی

زمیں میں قوتیں اپنی نظر کی جذب کرنے دے — کہ اک دن لوٹنی ہیں وسعتیں اس کارخانے کی

عقیدت کی بلندی پر نئی دنیا بناؤں گا — یہ سجدوں میں اُٹھا لایا ہوں خاک آستانے کی

وہ دنیا آسماں جس پر نہ ہوں اور چاند ہوں لاکھوں — جنہیں قسمت نہ ہو عادت نکل کر ڈوب جانے کی

چمن ہو وہ چمن جس میں خزاں آتے ہوئے لرزے — ارم بن بن کے جھومیں جس میں شاخیں آشیانے کی

جہاں وحدت ہی وحدت ہو محبت ہی محبت ہو — ضرورت ہی نہ ہو آئین خیر و شر بنانے کی

جہاں ہر سانس میں بوئے بقائے جاودانی ہو — جہاں باقی نہ ہوں یہ ہمتیں مٹنے مٹانے کی

غلامی اور پامالی کو جس دن ماند دیکھوں گا
تو پھر اے ہم نشیں میں سر اُٹھا کر چاند دیکھوں گا

# بانگِ درا

خورشیدِ عمل ضیافشاں ہے　　سارا ماحول نوجواں ہے
پھر فکرِ حصولِ آشیاں ہے　　تیار ہو رہنما کہاں ہے

ہنگامِ درائے کارواں ہے

پھر دشت و چمن کا ذرّہ ذرّہ　　پھر بزمِ کُہن کا ذرّہ ذرّہ
پھر خاکِ وطن کا ذرّہ ذرّہ　　منزل کی طلب میں سرگراں ہے

ہنگامِ درائے کارواں ہے

پھر ہند کی مجلسِ عزا میں　　احرار کی خلوتِ وفا میں
اسلام کی یثربی فضا میں　　گونجا ہوا نعرۂ اذاں ہے

ہنگامِ درائے کارواں ہے

موقوف ہے کوچ جس سحر پر　　طاری ہے ابھی سے بام و در پر
ہے صبحِ رحیل اپنے سر پر　　صرف ایک ہی رات درمیاں ہے

ہنگامِ درائے کارواں ہے

ہے صبحِ تلاشِ قصہ خواں کیا　　اندیشۂ فرصتِ بیاں کیا
اب خدشۂ طولِ داستاں کیا　　یہ لمحۂ ختمِ داستاں ہے

ہنگامِ درائے کارواں ہے

پابندیاں اب ہمیں نہیں راس　　خودداریوں کا ضرور ہے پاس
اللہ رے انقلابِ احساس　　اب سجدہ خلافِ آستاں ہے

ہنگامِ درائے کارواں ہے

ہستی اپنی خراب کر دو　　امید کو کامیاب کر دو
دنیا میں اک انقلاب کر دو　　اعلان یہی یہاں وہاں ہے

ہنگامِ درائے کارواں ہے

آج اپنی فنائیت دکھا دے  بیگانگی کے حجاب اُٹھا دے
بے خوف آگے قدم بڑھا دے  ہندی کو صلائے امتحاں ہے

ہنگامِ درائے کارواں ہے

---

# عِید

## (غلامی کے عالم میں)

جس دن تسکینِ قلب ممکن ہو گی  مشرق کی فضا خموش و ساکن ہو گی
میخانۂ حریت میں آئیگی بہار  ساغرِ مری خاص عید اُس دن ہو گی

---

تسکین و نشاط خستہ کاموں کی نہیں  گلگشتِ چمن گراں خراموں کی نہیں
آزاد ہیں جن کے ملک جو ہیں آزاد  عید اُن کی ہے دنیا میں غلاموں کی نہیں

# ایک لمحۂ فکریہ

کیا خبر تھی آئیگا دنیا میں ایسا انقلاب
ہستیٔ عالم تغیر آشنا ہو جائیگی

سلب ہو گی قوتِ پروازِ مرغانِ چمن — بادِ صرصر دفعتاً بادِ صبا ہو جائیگی

حُسن خود جُھک جائیگا پائے نیازِ عشق پر — اس قدر بے قدریٔ ناز و ادا ہو جائیگی

پھول کی آغوش سے برسیں گے زہر آلود خار — باغ کی ہر شاخ خنجر آزما ہو جائیگی

رقص میں رقاصہ ہو گی تیغ اندر آستیں — ساری محفل کشتۂ ناز و ادا ہو جائیگی

زندگانی روئیگی بے چارگی کے سامنے — اور اجل بھی ہم غلاموں سے خفا ہو جائیگی

کارروانِ غافل پڑا سوتا رہیگا راہ میں — اور سرمہ در گلو "بانگِ درا" ہو جائیگی

برہمن کے دل میں ہوگا موجزن طوفانِ درد — اور جمعیت قلبِ سیّد سے فنا ہو جائیگی

بے اثر ہو جائیگی کیفیتِ خونِ حسینؑ — خلق میں شانِ یزیدی رونما ہو جائیگی

آستانِ غیر ہوگا اور مسلمانوں کے سر — یہ مجاہد قوم بزدل بے حیا ہو جائیگی

اک مسلسل بیکسی اور مستقل اک بے حسی — قومِ ایوبیؒ کے دل کا آسرا ہو جائیگی

عالمِ انسانیت یوں شعلہ زن ہو جائیگا — ساری دنیا نذرِ ظلمِ ناروا ہو جائیگی

"آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی"

---

# کہاں ہے میرا ساقی؟

خرابِ کسل شدم از خمارِ دو رفتن ——— کجاست ساقیِ من؟

شرابِ تازہ دمد خالقِ نشاطِ کہن ——— کجاست ساقیِ من؟

ہر ایک سو ہے غلط اشتعالِ قومیّت
یہ انحطاط یہ تغئیرِ حالِ قومیّت
کہیں ہے ماتمِ اوج و کمالِ قومیّت
کہیں زوالِ جمال و جلالِ قومیّت
نہ شورِ مشربِ سرمدؔ نہ ذکرِ دار و رسن ـــــ کجاست ساقیِ من؟

---

شکیب ہے نہ سکونِ خیال باقی ہے
نہ فکرِ دوش نہ پروائے حال باقی ہے
خُمِ شراب میں دُردِ مآل باقی ہے
بجائے مے عرقِ انفعال باقی ہے
بسوخت آبِ فسانہ زِ آتشِ خرمن ـــــ کجاست ساقیِ من؟

---

یہ سارے شور حجابِ کرم سے اُٹھے ہیں
یہ فتنے نقشِ خموشِ قدم سے اُٹھے ہیں
یہ حشر اُن کی ادائے ستم سے اُٹھے ہیں
یہ جتنے جھگڑے ہیں دیر و حرم سے اُٹھے ہیں

گزر ز سجدۂ کعبہ بہ دیرِ بُت شکن ——— کجاست ساقیِ من؟

---

نسیمِ صبح کی رفتار میں وہ خم نہ رہا
وہ نکہتوں میں پُرانا مذاقِ رم نہ رہا
وہ آبشار میں جوشِ طرازِ یم نہ رہا
شگفتِ غنچہ و گُل میں وہ کیف و کم نہ رہا

خزاں چکید ز رنگینیٔ بہارِ چمن ——— کجاست ساقیِ من؟

---

نشاطِ دوش کے اب چرخ لے چکا بدلے

ہم اپنا حال بدل دیں تو پھر فضا بدلے

شرابِ رقص کرے ساز میں صدا بدلے

خطا معاف اب آئینِ میکدہ بدلے

**ربابِ مطربِ عنا بہ موجِ بادہ بزن — کجاست ساقیِ من؟**

---

پلا، پلا وہ مئے کیف انتساب پلا

جو ہو محرّکِ احساس وہ شراب پلا

خلش نصیب ہوں دارُوئے اضطراب پلا

پلا شباب ہے جب تک، چلا شباب، پلا

**کہ ہست منحصرِ کیف کامیاب شدن — کجاست ساقیِ من؟**

---

نئی شراب ہو مینائے لالہ وگُل میں

جدید کیف ہو صہبائے لالہ وگُل میں

ضیائے نَو ہو تجلّائے لالہ وگُل میں

نیا سرور ہو دنیائے لالہ وگُل میں

**شعاعِ بادہ بریزد زشاخِ سرووسمن ــــ کجاست ساقیِ من؟**

---

پلائے وہ مےِ رنگیں وہ روحِ ساغرِ جم

کہ جس پہ ناز کرے رنگِ دامنِ مریمؑ

چراغِ صحنِ کلیسا ہو شمعِ بزمِ حرم

جبینِ دیر سے جاری ہو چشمۂ زمزم

**شود زساحلِ کوثر طلوعِ صبحِ چمن ــــ کجاست ساقیِ منؔ؟**

---

یہ شور نالہ و فریاد ختم ہو جائے

فسادِ عالم ایجاد ختم ہو جائے

یہ اختلاط یہ اُفتاد ختم ہو جائے

یہ خونچکانیِ روداد ختم ہو جائے

بنا کند شفقِ نو برائے شامِ وطن —— کجاست ساقیِ من کج؟

---

# وطن میرے بعد!

لُٹ گیا وضع و محبت کا چمن میرے بعد — نجدِ بے قیس ہے صحرائے وطن میرے بعد

اب کہاں بارشِ مے اور وہ سیلِ جمال — موجِ یخ بستہ ہے دریائے جمن میرے بعد

اب کہاں کیفِ شبِ ماہ و سرِ جامِ شراب — تشنۂ بادہ ہوئے سرو و سمن میرے بعد

اب کسے جرم پرستی کا مذاقِ بیباک
اب یہ بیکار سے ہیں دار و رسن میرے بعد

اب کسے حفظِ فراوانیٔ پرواز کی فکر
ہر کوئی اُڑنے لگا سوئے چمن میرے بعد

اب کسے ہمتِ تسلیمِ فریبِ رنگیں
سخت مایوس ہے وہ عہد شکن میرے بعد

اب کسے قوّتِ تاراجیٔ گُل گلشن میں
کون آباد کرے صحنِ چمن میرے بعد

اب کسے جرأتِ رندانہ بہ اندازِ بہار
شوخ و آوارہ نہیں بوئے چمن میرے بعد

اب کسے حسرتِ احیائے روایاتِ جنوں
کیوں بنے گا کوئی مردودِ چمن میرے بعد

اب کسے حوصلۂ حکمِ زباں بندیٔ شوق
لبِ خاموش ہے ہر غنچہ دہن میرے بعد

اب کسے ولولۂ نغمہ سرائی و سرود
سب نے پہنا ہے خموشی کا کفن میرے بعد

غیر سے غیر بھی ہے عزِّ وطن فخرِ وطن
کوئی کیوں ہونے لگا ننگِ وطن میرے بعد

غم اسیری کا نہیں مجھکو تو افسوس یہ ہے
شبِ بے نالہ بنی صبحِ چمن میرے بعد

شررِ آہ سے غربت میں چراغاں ہے تو کیا
تیرہ و تار رہی شامِ وطن میرے بعد

سر پرستِ غم و اندوہ اُٹھا دُنیا سے
مستقل سو گئیں ہیں رنج و محن میرے بعد

گریۂ پیہم خونیں کا نتیجہ نکلا — مسکرائی شفقِ شامِ وطن میرے بعد

میرے ہی دم سے تھی تجدید کی عظمت باقی — اب کوئی زندہ کرے رسمِ کہن میرے بعد

نہیں آہوں کا دھواں گرمیٔ ہنگامہ نہ ہو — خیر نکھری تو سہی شامِ وطن میرے بعد

سرِ محفل وہ ترا قتل کی دھمکی دینا — کس کو مارے گا یہ بیباختہ پن میرے بعد

مرگِ غربت مجھے راس آئی منادی کردو — سرخ تر ہے افقِ صبحِ وطن میرے بعد

ساقی و ابر و صبوحی کو نویدِ فرصت — ختم ہے سلسلۂ سیرِ چمن میرے بعد

اب کسے ذوقِ بلانوشیٔ پیہم ساغر

کون ڈھالیگا سرِ نہرِ چمن میرے بعد

---

# ۳ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء

## "گاندھی ارون معاہدہ"

پھر بنا غیرتِ فردوس ہر ایوانِ چمن
ہوئی آراستہ پھر زلفِ پریشانِ چمن

ساغرِ شوق میں بھر دے مئے امن و تسکیں
ساقیا تجھکو ہے سوگندِ جوانانِ چمن

آج بھی ہے پلانی ہی لنڈھانی ہی مجھے
تا یہ کے عبرتِ لبِ خشکیِ دامانِ چمن

اے زہے کیف و زہے زورِ نوائے بلبل
جمع ہیں مرکزِ تسکیں پہ جوانانِ چمن

پھر وہی موسمِ گُل ہے وہی جوشِ پرواز
پھر ہیں نغمات مرے باعثِ طوفانِ چمن

ٹکڑے ٹکڑے ہی قفس دام ہے پارہ پارہ
آگئی جوش میں پھر قوتِ ارکانِ چمن

بارشِ امن ہے ہنستی ہوئی آئی ہے بہار
ہے مُبدّل بہ سکوں شورشِ بارانِ چمن

چشمِ صیاد نے کیا خوب تلافی کر دی
نگہہ لُطف ہوئی باعثِ تاوانِ چمن

ہر نظر عشرتِ جذبات سے گرماتی ہے
آج کانٹوں سے بھی ہنسنے کی صدا آتی ہے

---

بزمِ بیداد میں پھر جمع ہے سامانِ وفا
در و دیوار پہ پھر ثبت ہے عنوانِ وفا

پھر بہار آئی شبابِ گُل و لالہ بن کر
رنگ افروز ہوا خونِ شہیدانِ وفا

اُن سے دیکھی نہ گئی میری تباہی کی ادا
آہ خونریزیٔ جذباتِ پریشانِ وفا

سر کیا معرکۂ شوق کو بے تیغ و تفنگ
کوئی دیکھے تو سہی قوّتِ مردانِ وفا

اُن کو شرم آ ہی گئی اپنی جفا خوئی پہ
اب سرِ حسن ہے اور سایۂ دامانِ وفا

خلوتِ "بلبل و صیّاد" کے اسرار نہ پوچھ
شق نہ ہو جائے کہیں سینۂ عرفانِ وفا

ہاں پشیمانیٔ بیداد پہ بھی ایک نظر
کب تک آخر یہ تماشائے پریشانِ وفا

چمنِ ظلم سے پیغام یہ کیسا آیا!
ہوئے اک لمحے میں آزاد اسیرانِ وفا

پرچمِ صلح کے سایہ میں ہے دوشیزۂ امن
جگمگاتا ہے ستاروں سے گریبانِ وفا

ساعتِ صلح نگاریں بصد انداز رسید
مژدہ اے اہلِ چمن موسمِ گُل باز رسید

---

# ساقی نامۂ اقوام

## ۱۹۳۲ء

ساقیا نوروزِ میخانہ ہے آج — گردشِ ایام افسانہ ہے آج
جمع اک مرکز پہ ہیں اجزا تمام — فرق اس محفل سے بیگانہ ہے آج
ایک پیمانے میں سب کو ڈھال دے — ایک ہی ہم سب کا پیمانہ ہے آج
حوصلوں میں ہے بلندی جلوہ گر — ہمتوں کا رنگ مردانہ ہے آج
اب کہاں وہ آتشِ بیگانگی — اتحادِ شمع و پروانہ ہے آج

مٹ گیا دیر و حرم کا امتیاز — عظمتِ کعبہ صنم خانہ ہے آج

نغرۂ ہیکش ہے صوتِ عندلیب — ساز کی آواز مستانہ ہے آج

"ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایّام را"

متحد بیٹھے ہوئے ہیں بادہ نوش — کوئی ہے افسانہ خواں کوئی خموش

سب کے ساغر میں مے یکرنگ ہے — ایک سا ہے سب کے پیمانوں میں جوش

بزم میں پھیلا ہوا تھا اختلاف — کس قدر تھا خون آگیں خواب دوش

تھی گل و لالہ میں جنگِ زرگری — اور گلچیں تھا خلافِ گل فروش

ہم نے سب کو دعوتِ توحید دی — ہم نے بھر دی کیف سے آغوشِ گوش

اب کہاں وہ غفلتِ خوابِ نفاق — آگیا اِک رجزِ مستانہ سے ہوش

رنگِ ابر و گلستاں آج ایک ہے — سبزہ خیز و سبزہ بیز و سبزہ پوش

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

اور کچھ ہے آج شانِ میکدہ — ہے خدائی میہمانِ میکدہ

ایک ساقی اِک سبو اِک جام پر — متفق ہیں میکشانِ میکدہ

محتسب تک آج بیگانہ نہیں — ہے یہی اخلاص جانِ میکدہ

سب ہیں سرخوش سب ہیں سرمایہ دار — سر بہ خاکِ آستانِ میکدہ

شاد ہیں آباد ہیں آزاد ہیں — ہے نئی دنیا جہانِ میکدہ

"برہمن" خود ہے سبو بردار آج — "شیخ" خود ہے پاسبانِ میکدہ

عشرتِ امروز کی تکمیل کر — روح تشنہ ہے بجانِ میکدہ

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

کیف و کم میں اب ہے مشکل امتیاز — چھیڑ دے چاہے جہاں سے اپنا ساز

زندگی ہے نام صلح و امن کا	منکشف یہ ہو چکا ہے ہم پہ راز
مختصر افسانۂ غم کر دیا	عمر بادہ باد در عالم دراز
معجزہ نکلی شرابِ اتحاد	ہے لبِ محمود پر جامِ ایاز
اے خزاک اللہ موجِ بیخودی	رقص میں ہے آسمانِ حقہ باز
ہر کلی ہر پھول ہے گلشن میں آج	نو بہارِ زندگی سے سرفراز
عیدِ میخانۂ اقوام میں،	فکرِ فردا سے ہے خاطر بے نیاز

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کُن غمِ ایام را

گلشنِ ہندوستاں آزاد ہو	جنتِ برباد پھر آباد ہو
ہو مرتب اک نیا قانونِ گُل	اک نئی رسمِ چمن ایجاد ہو
کاش یوں بھی انقلاب آئے کبھی	خود مری ہر اک نظر صیاد ہو
باغباں پیدا ہو خاکِ باغ سے	اور جو گلچیں ہو گلشن زاد ہو ۔

باغ میں کوئی نہ ہو اب پابہ گل　　سرو ہو لالہ ہو یا شمشاد ہو

اے مغنیّ تجھکو بربط کی قسم　　سب سُنا دے آج جو کچھ یاد ہو

خشتِ میخانہ ہے سنگِ اتحاد　　قصرِ آزادی کی یہ بنیاد ہو

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایّام را

---

# اعلانِ آزادی

ہم آج سے ہیں آزاد —— آزاد —— آباد
لے اپنا قفس صیّاد —— صیّاد —— برباد

ہے مقتل سبزہ زار

ہر پتہ ہے خوں بار

ہر قطرہ ہے گُلنار

ہر ذرّہ ہے کیّاد ——— کیّاد ——— شدّاد

ہم آج سے ہیں آزاد ——— آزاد ——— آباد

(۲)

انگارہ ہے ہر گُل

وہ گُل ہو یا بلبل

ہے باغی جزو و کُل

وہ سرو ہو یا شمشاد ——— شمشاد ——— گُل زاد

ہم آج سے ہیں آزاد ——— آزاد ——— آباد

(۳)

گلزار میں ہے اِک جنگ

بجنے کو ہے خونیں چنگ

پھوٹے گا گلوں سے رنگ

ہولی ہے مرے صیّاد ـــــ صیّاد ـــــ برباد
ہم آج سے ہیں آزاد ـــــ آزاد ـــــ آباد

(۴)

ہے خون میں گلشن چور
ہر گُل کا ہے دامن چور
زخموں سے ہے تن من چور

یہ تاریخی بیداد! ـــــ بیداد!! ـــــ صیّاد؟
لے اپنا قفس صیّاد ـــــ صیّاد ـــــ برباد

(۵)

اورنگِ چمن کو چھوڑ
اُٹھ تاجِ سمن کو چھوڑ

ہٹ گنگ و جمن کو چھوڑ

اب خود ہیں ہم شہزاد ——— شہزاد ——— مہ زاد

ہم آج سے ہیں آزاد ——— آزاد ——— آباد

(۶)

پندارِ نفس کو بھول

کاشانۂ خس کو بھول

اب دام و قفس کو بھول

اب سرو بھی ہے آزاد ——— آزاد ——— آباد

لے اپنا قفس صیّاد ——— صیّاد ——— برباد

(۷)

ہاتھوں پہ ہے سر اور جان

آنکھوں میں ہیں سو طوفان

انسان ہیں ہم انسان

اب ہوش میں آ صیّاد ——— صیّاد ——— برباد
ہم آج سے ہیں آزاد ——— آزاد ——— آباد

(۸)

زنجیر کے ٹکڑے تھام
شمشیر کے ٹکڑے تھام
لے تیر کے ٹکڑے تھام

یوں ہوتے ہیں آزاد ——— آزاد ——— صیّاد!
لے اپنا قفس صیّاد ——— صیّاد ——— برباد

(۹)

اے ساقیِ لالہ فام
اُٹھ اور اُچھال اِک جام

ہے جام ہی میں انجام

میخانہ رہے آباد ——— آباد ——— آزاد!

ہم آج سے ہیں آزاد ——— آزاد ——— آباد!

(۱۰)

آزادی کی ہے دھوم

مستوں میں مل کر جھوم

آکاش کے رتھ کو چوم

ہو اک رقصِ آزاد ——— آزاد ——— دلشاد

ہم آج سے ہیں آزاد ——— آزاد ——— آباد

# کوہِ تلوشان کے شہید
# اُن ۳۰۰ رضا کارانِ چین کے نام

"جو ۱۹۳۲ء میں چین پر جاپان کے حملوں کی مدافعت کرتے ہوئے مشرق بعید میں سرحدِ کوریا کوہ تلوشان پر شمالی ایشیا کی منجمد کردینے والی سردی کی شدت سے جم کر رہ گئے جن کے منجمد اجسام پر گرم وردیاں اور ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور جو مر کر بھی بہادر سنتریوں کی طرح کھڑے ہوئے دادِ وفا دے رہے تھے۔"

---

تخیل عازمِ پرواز ہو کوہِ تلوشاں پہ
حدودِ کوریا پر سرزمینِ خوں بداماں پر

جو اک بازیچۂ خوں ریز ہے آثارِ مشرق میں
جو اک مشہد ہے تاریخی شہادت زارِ مشرق میں

جو اک جاویدِ گلشن اک بہارِ غیر فانی ہے
جو استقلال کی اک یادگارِ غیر فانی ہے

جہاں اک کارواں سویا ہوا ہے آدمیت کا　　جہاں مدفن بنا ہے چین کی روحِ صداقت کا

جہاں خود مضطربِ فطرت رباب غم بجاتا ہے　　جہاں وقت اپنی لحنِ زار میں نوحہ سناتا ہے

جو استعمار کی قربان گاہِ حشر ساماں ہے　　جو ارضِ چین کے سینہ پہ اک گنجِ شہیداں ہے

جہاں اک شمع روشن کی وطن پر مٹنے والوں نے　　چراغاں کر دیا دنیا میں چینی نونہالوں نے

زمانے کی کوئی آندھی بجھا سکتی نہیں جسکو　　کبھی تاریخ بھولے سے بھلا سکتی نہیں جسکو

پرستارانِ حریت کا جو اونچا شوالہ ہے　　بہادر اور مقدس چینیوں کا جو ہمالہ ہے

زمانے میں بہت اونچا جو اک چرخِ بسالت ہے　　جو اک گردونِ عظمت ہے جو اک عرشِ شجاعت ہے

جہاں بیرہ وطن پر مٹنے والے مر کے دیتے ہیں

زمانے سے شجاعت اور وفا کی داد لیتے ہیں

خدا کی رحمتیں ہوں نونہالانِ چمن تم پر　　فلک سے پھول برسیں اے شہیدانِ وطن تم پر

قیامت تک تمہارا نام مردا ہو نہیں سکتا　　وفا و فرض کا یہ نقش دھندلا ہو نہیں سکتا

کبھی جب یاد آؤ گے وطن پر مٹنے والو تم　　نئی اک زندگی ہو جائیگی پیدا خیالوں میں

بدن میں خون کی ہر بوند اُن سے تھرتھرائیگی — رگوں میں آدمی کے روحِ ایماں دوڑ جائیگی
قدم فرض و وفا کی راہ میں جب ڈگمگائیں گے — تمہارے منجمد اجسام اُس دن کام آئینگے
تمہاری یاد اُکھڑے پاؤں میں پاؤں جما دیگی — محبت اور استقلال کا امرت پلا دیگی

رنگا ہے جس کو خونِ گرم نے عبرت کے داماں پر
وہ پرچم حشر تک لہرائیگا کوہِ تلوشاں پر

---

# نیا پُجاری

کوئی ہے بہارِ چمن کا پُجاری — کوئی ہے گُل و یاسمن کا پُجاری
بُتِ مولوی کو کوئی پوجتا ہے — کوئی قشقۂ برہمن کا پُجاری
غلامِ غلامانِ زمزم ہے کوئی — کوئی موجِ گنگ و جمن کا پُجاری

مگر میرا ذوقِ پرستش جدا ہے
میں ساغرؔ ہوں اپنے وطن کا پجاری

کوئی ہے پرستارِ گیسوئے ہندو — کوئی ہے بُتِ سیم تن کا پجاری
کوئی سرخ ٹیکے پہ سر دھن رہا ہے — کوئی شعلۂ انجمن کا پجاری
کوئی ہے مریدِ کنیزانِ کعبہ — کوئی دخترِ برہمن کا پجاری

مگر میرا ذوقِ پرستش جدا ہے
میں ساغرؔ ہوں اپنے وطن کا پجاری

رشی کیش میں کوئی بیٹھا ہوا ہے — کوئی ہر کی پیڑی کے گن گا رہا ہے
بنارس کی گلیوں میں پھرتا ہے کوئی — مزاروں پہ جا کر کوئی ناچتا ہے
کلیسا میں ہے محوِ تثلیث کوئی — کوئی دیر میں مورتی پوجتا ہے

مگر میرا ذوقِ پرستش جدا ہے
میں ساغرؔ ہوں اپنے وطن کا پجاری

وطن وہ وطن وہ مہکتا شوالا ‌ وہ راحت کا مندر، محبّت کا کعبا

خطیبِ ہمالہ کا زرکار منبر ‌ وہ جمنا کی گودی، وہ گنگا کا جھولا

وہ مندر رہے میرا وطن جسکے اندر ‌ ہزاروں خدا ہیں تو لاکھوں کلیسا

مگر میرا ذوقِ پرستش جدا ہے

میں ساغر ہوں اپنے وطن کا پجاری

وہابی ہے کوئی، کوئی سوشناتی ‌ معابد کسی نے بنائے ہیں ذاتی

ہر اِک سے محبت، ہر اک سے اخوّت ‌ میں ہندی ہوں مذہب مرا کائناتی

محبّت سے اونچا نہیں کوئی مذہب ‌ محبّت سے اونچی نہیں کوئی جاتی

مگر میرا ذوقِ پرستش جدا ہے

میں ساغر ہوں اپنے وطن کا پجاری

ہر اِک قیدِ فرضی سے آزاد ہوں میں ‌ ترقی وہ بزمِ ایجاد ہوں میں

عقیدے مرے سامنے کانپتے ہیں ‌ اُصولِ محبت کی بنیاد ہوں میں

نہ زُنّار کا غم نہ تسبیح کا غم  دماغی غلامی سے آزاد ہوں میں
مگر میرا ذوقِ پرستش جدا ہے
میں ساغرؔ ہوں اپنے وطن کا پُجاری

---

# جمہُوریّت

## (مغرب کے دستورِ جمہوری کا خاکہ)

سُناؤں حال کیا اے ہمدمِ دیرینہ زمانے کا  کہاں ہے فرطِ غم سے حوصلہ اب سر اُٹھانے کا
عجب اہلِ چمن کا انتظامِ گُل فشانی ہے  کہاں اب خستہ جانوں کو مجالِ نغمہ خوانی ہے
کبھی اِک لالۂ رنگیں چمن کا خون کرتا تھا  مگر اب اِک قیامت اجتماعِ گل سے ہے پیدا
اُصولِ نو غلاموں کیلئے اُستادِ مغرب کا  وہ اِک دامِ فریبِ رنگ و بوصیّادِ مغرب کا

سرِ جمعیتِ جمہور پہ حملہ کُناں ہونا
مساوات و محبت کے بہانے حکمراں ہونا

مسلسل ردِّ شخصیت کا اِک بیکار سا حاصل
میانِ خواجہ و مزدور اک مسودۂ باطل

دماغ و عقل کا حملہ دیارِ جہل و نکبت پر
جہاں میں آدمی کا جورِ بیجا آدمیت پر

توازن ساز ہو کر اِک نمایاں سوزِ شخصیت
شہنشاہیتِ مطلق کی اِک صیقل شدہ صورت

کبھی شانِ شہنشاہی کبھی جانِ شہنشاہی
جہاں میں سب سے بڑھکر مرثیہ خوانِ شہنشاہی

نئے قالب میں کہنہ رازِ دُنیا کی تباہی کا
لباسِ نو میں اِک جلال استبدادِ شاہی کا

---

# مذہب

اے علم بردارِ مذہب اے دماغِ منتشر
تو نے مذہب پر کبھی ڈالی بھی ہے گہری نظر

کیا تجھے معلوم ہے مذہب کا منشائے صحیح؟
کیا تو کر سکتا ہے اسکی کوئی تفسیرِ صریح؟

نفسِ مذہب پر کبھی کی ہے کوئی تنقید بھی ‏— تیرے ذہنِ کور میں ہے قوتِ تجدید بھی

تو سمجھتا ہے کہ مذہب اور تعصب ایک ہے ‏— علم میں اور جہل میں ربط و تناسب ایک ہے

تو سمجھتا ہے کہ مذہب صرف پردے کا ہے نام ‏— ظلمتوں میں آدمیت پروری کا اہتمام

تو سمجھتا ہے کہ مذہب جبّہ و عمّامہ ہے ‏— امتیازِ ملّتِ بیضا لباس و جامہ ہے

---

مذہب اک جذبہ ہے خالی شورشِ اوہام سے ‏— مذہب اک رشتہ ہے وابستہ خدا کے نام سے

مذہب اک رحمت ہے شورش گاہِ عالم کیلئے ‏— اک ذریعہ ہے نجاتِ ابنِ آدم کیلئے

مذہب اک آئین ہے اخلاق اور تہذیب کا ‏— مذہب اک آئینہ ہے تعلیم اور تادیب کا

مذہب اک پیغام ہے امن و سکونِ عام کا ‏— مذہب اک بُطلان ہے عصبیت و اوہام کا

مذہب اک تلوار ہے جہلِ مرکّب کیلئے ‏— مذہب اک تسکین ہے کونین میں سب کیلئے

مذہب اک آسودگی ہے ہستیٔ مغموم کی ‏— مذہب اک روحانیت ہے عالمِ معلوم کی

مذہب اک قاتل ہے ظلم و جور و استبداد کا ‏— مذہب اک صورِ عمل ہے فطرتِ آزاد کا

اِک وسیلہ ہے خدا کی یاد کرنے کیلئے　　روح کو انوار سے آباد کرنے کیلئے

باد و آتش سے اُس کا ربط آب و گل سے ہے　　اے غلط اندیش مذہب کا تعلق دل سے ہے

صرف کیوں مذہب کو کرتا ہے جہالت کیلئے　　روح کو کرتا ہے ضائع مادّیت کیلئے ؟

مولوی ہے یا ولی یا صاحبِ منصب ہے تو

جہل کو مذہب سمجھتا ہے تو لا مذہب ہے تو

---

# ترانۂ شباب

اے جوانو ، نوجوانو ــــــــــ توڑ دو بند زارِ غلامی

خوش جمالو ، نونہالو ــــــــــ پھینک دو سر سے بارِ غلامی

اے حسینؑ و علیؑ کے سپوتو　　اے محمدؐ کے شنہ دریتو

نسل سے بادشاہوں کی تم ہو

پھر بھی ہو یادگارِ غلامی!

اے جوانو نوجوانو

---

اِن بھیمنوں کی اولاد تھے تم　　عہدِ ماضی کی روداد تھے تم

یاد ہے پہلے آزاد تھے تم

اب ہو اک یادگارِ غلامی

اے جوانو، نوجوانو

---

یہ تمہاری چھلکتی جوانی　　اور یہ لعنتِ جاودانی

یہ سراسیمگی، سرگرانی

یہ دلِ داغدارِ غلامی!

اے جوانو، نوجوانو

اس غلام آسماں کو اُلٹ دو    ارضِ ہندوستاں کو اُلٹ دو

ہو سکے تو جہاں کو اُلٹ دو

کیوں ہے، باقی دیارِ غلامی

اے جوانو، نوجوانو

---

ختم ہو دورِ بربادیوں کا    وقت ہے عالم ایجادیوں کا

کر دو اعلان آزادیوں کا

ہو چکا اشتہارِ غلامی

اے جوانو، نوجوانو

---

اپنی عزت کی ہنسی بجاؤ    اپنی عظمت کی بھیری بجاؤ

آتش افشاں نفیری بجاؤ

پھونک دو نغمہ زارِ غلامی

اے جوانو، نوجوانو

---

یہ وطن ساری قوموں کا ملجا یہ وطن مسکنِ اہلِ وفا کا

یہ وطن ساری دنیا کا کعبا

اور یوں شرمسارِ غلامی!

اے جوانو، نوجوانو

---

آن ظاہر ہو اہلِ وغا کی شان ظاہر ہو دستِ خدا کی

ہے جہاں قہر اہلِ وفا کی

اب یہاں ہو مزارِ غلامی

اے جوانو، نوجوانو

نغمے نغمے سے بیراگ برسے　　ہر طرف آتشیں راگ برسے

ہر طرف سے نئی آگ برسے

جل اُٹھے کاروبارِ غلامی

اے جوانو، نوجوانو

---

# عہد

جب طلائی زنگ سکّوں کو نچایا جائیگا　　جب مری غیرت کو دولت سے لڑایا جائیگا

جب گلِ افلاس کو میری دبایا جائے گا

اے وطن اُس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤنگا

اور اپنے پاؤں سے انبارِ زر ٹھکراؤنگا

---

جب مجھے پیروں سے عُریاں کرکے باندھا جائیگا　　گرم آہن سے مرے ہونٹوں کو داغا جائیگا

جب دہکتی آگ پہ مجھکو لٹایا جائے گا
اے وطن اُس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤنگا
تیرے نغمے گاؤنگا اور آگ پر سو جاؤں گا

---

اے وطن جب تجھ پہ دشمن گولیاں برسائینگے	سُرخ بادل جب فصیلوں پہ تری چھا جائینگے
جب سمندر آگ کے بُرجوں سے ٹکر کھائینگے
اے وطن اُس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
تیغ کی جھنکار بن کر مثل طوفاں آؤں گا

---

گولیاں چاروں طرف سے گھیر لینگی جب مجھے	اور تنہا چھوڑ جائیگا مرا مرکب مجھے
اور سنگینوں پہ چاہیں گے اُٹھانا سب مجھے
اے وطن اُس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

## مرتے مرتے اِک تماشائے وفا بن جاؤنگا

خون سے رنگین ہو جائیگی جب تیری بہار      سامنے ہونگی مرے جب سرد نعشیں بے شمار

جب مرے بازو پہ سر آ کر گریں گے بار بار

اے وطن اُس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤنگا

اور دشمن کی صفوں پر بجلیاں برساؤں گا

---

جب درِ زنداں کھلے گا برملا میرے لئے      انتہائی جب سزا ہوگی روا میرے لئے

ہر نفس جب ہوگا پیغامِ قضا میرے لئے

اے وطن اُس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

بادہ کش ہوں زہر کی تلخی سے کیوں گھبراؤں گا

جب درِ زنداں کھلیگا برملا میرے لئے　　انتہائی جب سزا ہوگی روا میرے لئے

ہر نفس جب ہوگا پیغامِ قضا میرے لئے

اے وطن اُس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤنگا

بادہ کش ہوں زہر کی تلخی سے کیوں گھبراؤنگا

---

حکمِ آخر قتل گہہ میں جب سنایا جائیگا　　جب مجھے پھانسی کے تختے پر چڑھایا جائیگا

جب یکایک تختۂ خونی ہٹایا جائیگا

اے وطن اُس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤنگا

عہد کرتا ہوں کہ میں تجھپر فدا ہو جاؤنگا

---

# ہدیۂ روح

# دوسرا باب

# آ

وہم و خیال سے بُرون وہم و خیال میں بھی آ
عالمِ حال سے بلند عالمِ حال میں بھی آ

طورِ جلال ہو چکا کوئی نڈھال ہو چکا
زورِ جلال ہو چکا بزمِ جمال میں بھی آ

تیرے بغیر ناتمام تکملۂ حیات ہے
حدِ کمال سے فزوں حدِ کمال میں بھی آ

اوّل کار میں نہاں تھیں تری مہربانیاں
دینے مجھے تسلیاں فکرِ مآل میں بھی آ

اوّل و آخر ظہور تیری ضیا سے پائے نور
پیکرِ بدر میں چمک شانِ ہلال میں بھی آ

نشو و نمائے زندگی تیرے ہی دم قدم سے تھی
بعدِ فنا مرقع بے پر و بال میں بھی آ

پھونک دے آتشِ جمال میرے شعارِ حال میں
رنگِ شعور میں جھلک طرزِ خصال میں بھی آ

راحتِ روح و جسم ہو تجھ سے سرورِ آشنا
نیشِ فراق کی دوا عیشِ وصال میں بھی آ

شعلۂ برق کی طرح دور سے شوخیاں نہ کر
صورتِ دامنِ مراد دستِ سوال میں بھی آ

زینت دورِ سادگی آبروئے شباب بن
رونقِ عہدِ کمسنی اب خط و خال میں بھی آ

تو ہے خوشی کی ابتدا تو ہے الم کی انتہا — صبحِ سرور کے خدا شامِ ملال میں بھی آ

ڈال دے جلوۂ شہود سطحِ دل و دماغ پر — تو مرے خواب میں بھی آ میرے خیال میں بھی آ

دل کو مرے شہید کر آنکھ کو محوِ دید کر — رزمِ جلال بھی دکھا بزمِ جمال میں بھی آ

ہمتیں حلِ عقد کی مجھ میں نہیں نہیں سہی — تو ہے خدائے ممکنات قیدِ محال میں بھی آ

تجھ سے ہوا تھا متجلی آئینۂ سکندری
کُند ہے قلبِ ساغری جامِ سفال میں بھی آ

---

# رام

ہند کے مرکز سے نکلی شاہراہِ زندگی — سب سے پہلی ہے یہی تفسیر گاہِ زندگی

ہندیوں کو فیض قدرت سے ہوا عرفانِ نفس — جامِ ہندی میں چھلک اُٹھی مئے ایقانِ نفس

ساحلِ سرجو یہاں، گنگا یہاں، جمنا یہاں — کرشن اور رادھا یہاں، راما یہاں، سیتا یہاں

رازہائے زندگی سلجھائے جاتے تھے یہاں ‏ ‏ ‏ اہلِ عرفاں ہر قدم پر پائے جاتے تھے یہاں

شمعِ ہندی تجھ کے بھی پیہم درخشاں ہے ہنوز ‏ ‏ ‏ رام کے نورِ ہدایت سے فروزاں ہے ہنوز

جس کا دل تھا ایک شمعِ طاقِ ایوانِ حیات ‏ ‏ ‏ روح جسکی آفتابِ صبحِ عرفانِ حیات

زندگی کی رفعتوں سے منزلوں اونچا تھا وہ ‏ ‏ ‏ آسمانِ معرفت کا ایک سیّارہ تھا وہ

سامنے جس کے لرز اُٹھا شکوہِ سروری ‏ ‏ ‏ وہ بہادر جس نے باطل کو شکستِ فاش دی

جس کا ہر جلوہ شعاعِ حق کا مظہر ہو گیا ‏ ‏ ‏ ذرّہ ذرّہ جس کے پرتو سے منوّر ہو گیا

ہندیوں کے دل میں باقی ہے محبت رام کی ‏ ‏ ‏ مٹ نہیں سکتی قیامت تک حکومت رام کی

زندگی کی روح تھا روحانیت کی شان تھا

وہ مجسّم روپ میں انسان کے عرفان تھا

# سِری کِرشن

بندرا کے گھاٹ ہیں پھر تمہارے منتظر
موجِ آب منتظر ہیں ستارے منتظر

درد سے بھری ہوئی ہیں فضائیں منتظر
مندروں کے سائے میں ہیں گھٹائیں منتظر

گوپیوں کی خاک میں عزّ انتظار ہے
ہر کنول کے جام میں خونِ صد بہار ہے

کوئلوں کی کوک میں گیت کا مزار ہے
موسمِ بہار اک دکھ بھری پکار ہے

ہر قدم پہ بادۂ زندگی بہاؤ پھر

اے گوپال جھوم کر بنسری بجاؤ پھر

بنسری کی تان سے صبح و شام مست ہوں
ارض و چرخ مست ہوں سب نظام مست ہوں

وجد میں ہوں عقل و دیں بیخودی ہو رقص میں
بنسری کی تان پر زندگی ہو رقص میں

بنسری کے کیف سے اک جہاں ہو رقص میں
اک جہاں کا ذکر کیا لامکاں ہو رقص میں

ہاں اُٹھاؤ بنسری بنسری اُٹھاؤ پھر
اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

نند کی کٹی میں تم مثلِ ماہتاب تھے
مثلِ ماہتاب کیا اصل آفتاب تھے
حسن کی شراب تھے عشق کا شباب تھے
اپنی خود نظیر تھے اپنا خود جواب تھے
سِرِّ ہر جمال تھے، رازِ ہر جلال تھے
حسن کا کمال تھے عشق کا مآل تھے
اپنے رُخ سے پردۂ ظاہری اُٹھاؤ پھر
اک جہاں کو حُسن کا حیرتی بناؤ پھر

برج کی فضاؤں کو نشئے میں رچاؤ پھر
اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

فطرتِ یقیں میں اب سوزِ تشنگی نہیں
چشمِ شوق ہر طرف تم کو دیکھتی نہیں
آنکھ ہے نہ حوصلے، جلوہ ہے نہ طور ہے
کور باطنی ہے ایک اور دور دور ہے
موت غمزدہ سی ہے، زندگی نزار ہے
حُسن ہے برہنہ سر عشق سوگوار ہے

صبح و شام گونج اُٹھے اور رات گونج اُٹھے  کائنات گونج اُٹھے اور حیات گونج اُٹھے

مُسکرا کے گاؤ پھر، گا کے مُسکراؤ پھر
اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

بانسری کے کیف سے دل کو گُدگُداؤ پھر  پریم اور پریت کی ریت کو جگاؤ پھر
زمزموں کی گود سے نکہتیں برس پڑیں  بانسری کی لے سے پھر جنتیں برس پڑیں
نجم و کوکب و قمر حدِّ راہ ہیں تو کیا  آسمان و لامکاں سدِّ راہ ہیں تو کیا
خود ہی تم کنول بنو، خود ہی مسکراؤ پھر  بوئے گُل کے رُوپ میں سب کے پاس آؤ پھر

بانسری بجاؤ پھر دو جہاں پہ چھاؤ پھر
اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

موج کا ستار ہو، بانسری کے زمزمے  ساحلِ چمن ہو اور زندگی کے زمزمے
مستِ گفتگو ہوں پھر یاسمن کی جھاڑیاں  طورِ عاشقی بنیں برج کی پہاڑیاں

کیسری کے رنگ میں ڈوب جائے زندگی عاشقی کے رنگ میں ڈوب جائے زندگی
روحِ بانقاب کا ہر نقاب پھونکدو موت و زندگی ہی کیا سب حجاب پھونکدو

جس طرح بھی ہو سکے ایکبار آؤ پھر
اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

ماہ و آفتاب کو حکمِ انصرام دو پھر شبِ حیات کو اذنِ صبح و شام دو
روحِ منفعل کو پھر عشرتِ دوام دو عشق کی شراب کا تند و تیز جام دو
کُل فضا خموش ہے عزّتِ کلام دو حرّیت کا درس دو جنگ کا پیام دو
ایشیا غلام ہے اِس غلام کی سنو ہند ڈوبنے کو ہے ڈوبتے کو تھام لو

ساحلِ مراد تک ہندیوں کو لاؤ پھر
اے گوپال جھُوم کر بانسری بجاؤ پھر

---

# نورِ ایشیا

## گوتم بدھ

ذرّے ذرّے پر کپل وستو[1] کے چھائی تھی بہار
عیش کی تجدید کے پیغام لائی تھی بہار

جامِ مے رنگینیوں سے تھا شراب اندر شراب
پھول تھے لالہ بہ لالہ اور گلاب اندر گلاب

حسنِ کافر رقص میں تھا خم بہ سر مینا بدوش
عشقِ مسکیں تھا گریباں چاک مستِ ناؤنوش

زندگی رقصاں تھی پیہم پردہ ہائے ساز پر
بج رہا تھا سازِ ہستی حسن کی آواز پر

عشرتیں تھیں بیخودی تھی ٹھمکیاں تھیں رقص تھا
چاک کر ڈالا تھا ہستی نے گریباں ہوش کا

روح پر چھائی ہوئی تھی مادیت عیش کی
غرق تھی طوفانِ بیہوشی میں غم کی زندگی

---

[1] مولد گوتم۔

گرمیِ عشرت سے ٹھنڈا تھا چراغِ احساس کا   پیکرِ انساں میں یخ تھا روح کا آتش کدا

دب گئی تھی عیش سے روحانیت انسان کی

پڑ چکی تھیں سرد سی چنگاریاں ایمان کی

یک بیک تیری نظر سے ہٹ گئے پردے تمام   اب نہ ساقی تھا نہ پیمانہ نہ ساغر تھا نہ جام

رنگ محلوں سے "جسودھرا"[۵۱] کا کنہیا چل دیا   چاندنی میں منزلِ عرفاں کا جویا چل دیا

خشک لب حیراں نگاہیں خاک آلودہ جبیں   تشنۂ عین الیقیں دیوانۂ حق الیقیں

زندگی تیری نظر میں صفحۂ سادہ ہوئی   روح تیری خانقاہِ غم کا سجادہ ہوئی

عشق کا ساغر بنا الفت کا پیمانہ بنا   دل ترا کیفِ تلاشِ حق کا میخانہ بنا

ساغرستانِ حقیقت، خمستانِ عشق کی   اولیں تعمیر انوما[۵۲] کے کناروں پر ہوئی

طالبِ حق آم کے باغوں میں ٹھہرا سات دن   ہفتخوانِ زندگانی تھے یہ گویا سات دن

---

[۵۱] گوتم کی بیوی   [۵۲] ندی

اور وبلوا[۵۱] کی فضائیں حق کا گہوارہ بنیں

بندھیا کی چوٹیاں طورِ حقیقت ہو گئیں

اے صداقت کے چمن پروردۂ موجِ شمیم — یاد ہے اب تک زمانے کو ترا "زہدِ عظیم"[۵۲]

سرد وگرم شاہراہِ حق کا لذت چش ہی تو — جو بھڑکتا ہی رہا وہ شعلۂ آتش ہے تو

کامیابِ امتحانِ زندگی کرتا ہوا — کامرانِ زندگی دعا شقی کرتا ہوا

عشق لے آیا نرنجارا[۵۳] کے ساحل پر تجھے — قدرتیں حاصل ہوئیں پھر روح اور دل پر تجھے

چھڑ گیا رگ رگ میں تیری اک نیا سازِ حیات — سائے میں پیپل[۵۴] کے تجھکو مل گیا رازِ حیات

حق نہیں ملتا کہ حق کا راستا ملتا نہیں

"ڈھونڈنے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں"

اے محبت کے پیامی، رحم کے پیغامبر! — تو نے پہنچائی زمانے کو حقیقت کی خبر

زندگی کا رازِ اصلی تجھ پہ عریاں ہو گیا — شانتی اور حق کا حاصل تجھکو عرفاں ہو گیا

---

[۵۱] بندھیا چل کا شمالی صحرا [۵۲] مہابن شکرمان [۵۳] ندی [۵۴] شجرۃ العقل

راج گڈھ[51] روشن ہوا تیری تجلیات سے
نیستان ویلوانا[52] گونج اُٹھا نغمات سے

دیوتاؤں کے بُتوں کو پارہ پارہ کر دیا
تو نے حلِ تخلیقِ آدم کا معمّا کر دیا

تیری طاقت سے ہوا کم اقتدارِ برہمن
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا حسنِ وقارِ برہمن

سلطنت تیرے لئے اِک تودۂ خاشاک تھی
مادیت تیرے نورانی قدم کی خاک تھی

جزوِ اعلیٰ تیرے دینِ عاشقی افروز کا
اعتقادِ نیک و فعلِ نیک و قولِ نیک تھا

نیتِ نیک و خیالِ نیک و اقدس بیخودی
زندگیِ نیک و سعیِ نیک تیرا دین تھی

تیرے ساغر میں شرابِ عشق عالمگیر تھی
تیرے میخانہ کی ادنیٰ خاک بھی اکسیر تھی

سر بہ سجدہ ہو گئی دنیا حضورِ ایشیا
چھا گیا تاریکیِ عالم پہ نورِ ایشیا

اے مرے پیارے وطن کے راہبِ عالی مقام
آج بھی کلمہ ترا پڑھتی ہے دنیا صبح و شام

---

[51] بسار کا دار السلطنت
[52] بانس کا باغ

تیرا اِک اِک لفظ ہے اِک کلیہ اخلاق کا      کر دیا تو نے مدوّن فلسفہ اخلاق کا

امن سرنامہ ترے قانونِ اخلاقی کا ہے      رحم اِک عنواں تری تعلیمِ روحانی کا ہے

تیری تعلیمات پر ہندوستاں کو ناز ہے      ہند کو کیا ناز ہے سارے جہاں کو ناز ہے

طفلِ مغرب جہل و بے ہوشی میں جب آلودہ تھا      سارا مشرق تیری تعلیمات سے آسودہ تھا

جاگ خوابِ ناز سے اور امن کا اک گیت گا      پھر ترا مسکن نشانہ ہے ستم اور ظلم کا

فتنۂ تہذیبِ نو نے اک قیامت ڈھائی ہے      تیرے ہندوستان پر تازہ مصیبت آئی ہے

جس زمیں سے تو نے آوازِ ولا کی تھی بلند      جس زمیں سے تو نے اِک بانگِ درا کی تھی بلند

وہ زمیں اغیار کے ہاتھوں سے پھر برباد ہے      ظلم و باطل اور نفاق و کذب سے آباد ہے

کونا کونا، گوشہ گوشہ، ذرّہ ذرّہ ہے غلام      اے مرے گوتم! تری آزاد دنیا ہے غلام

کر غلامی سے رہا ہم کو پھر ارماں ہے یہی

آج ہندوستان میں مفہوم "نرواں" ہے یہی

# پیغام

دل بن کر سینے میں کھو جا، پھر آنکھوں سے پیدا ہو جا
او قطرہ کہلانے والے! دریا بن جا، دریا ہو جا
جنگل جنگل پھر دیوانے، مٹ کر ذرہ ذرّا ہو جا
گردِ صحرا ڈھونڈنے نکلے اتنا تو آوارا ہو جا
دل میں سو آنکھیں پیدا کر، تاروں کی اک دنیا ہو جا
ذوقِ نظر کو وسعت دے لے اور محوِ نظّارا ہو جا
حُسن کو صرفِ سیرِ جہاں کر برقِ نظر کو شعلہ چکاں کر
چھپ کر اپنا راز عیاں کر پردہ میں بے پردا ہو جا
بدنامی میں نام نہاں ہے رسوائی میں کام نہاں ہے
رسوائی کے کیا کہنے ہیں رسوا ہو جا رسوا ہو جا

قاتل بن کر داد جفا لے یا دل بن کر لطفِ وفا لے
یہ بھی ممکن وہ بھی ممکن اب تو چاہے جیسا ہو جا

عجز و نیاز ظاہر میں ہے اوج و فرازِ باطن پنہاں
سورج ہے تو ذرّہ ہو جا دریا ہے تو قطرا ہو جا

خلوت میں ہو مشقِ تصوّر نقصِ کمالِ عشق یہی ہے
تنہائی کے معنی یہ ہیں سب میں رہ کر تنہا ہو جا

سجدے میں ہوں کیف و مستی پوجنے آئے ہوش کی بستی
ہے یہی حسنِ دیر پرستی دیر میں رہ کر کعبا ہو جا

یہ موسم یہ سرد ہوائیں ، یہ کالی پُر شور گھٹائیں
پیرِ کلیسا سے کہتا ہوں ، ایسے میں دل والا ہو جا

کچھ بھی نہ ہو کر خود ہی میں نے ہونے کے سو رنگ نکالے
کہتی رہ گئی دنیا مجھ سے ایسا ہو جا ویسا ہو جا

کثرتِ رنگ و بو کا شاعر راز سمجھ میں آجائیگا
یا صبحِ بُت خانہ بن جا یا شامِ مے خانا ہو جا

---

# پیغامِ عشق

## (نظارۂ سومنات کے بعد بحر الہند کے کنارے)

کوئی شیخ و برہمن کو میرا پہنچا دے پیام
ترک میں فرقِ مِلل کے ہے ثباتِ عاشقی

بتکدہ کیسا کہاں کا دیر اور کس کا حرم؟
ہر تعین سے مبرا ہے حیاتِ عاشقی

کب تک آخر فتنۂ دیر و حرم اور آدمی
ہو چکی توہین و تذلیلِ صفاتِ عاشقی

برہمن ساحل پہ سنگِ ناتراشیدہ کو دیکھ
اِس میں بھی جولاں ہے اک موجِ حیاتِ عاشقی

گیسوئے بُت ہو گیا زنجیر پائے بُت شکن
قید و بندِ حُسن ہے عینِ نجاتِ عاشقی

جوشِ تقوائے بُت شکن تقویٰ شکن حُسنِ ایاز
کیا نہ تھا محمود کا دل سومناتِ عاشقی

غسل کرنا خون سے پھر خاک پر پڑھنا نماز
اے اسیرِ شرع یہ ہیں واجباتِ عاشقی

اصلِ مذہب عشق ہے روحِ مذاہب عشق ہے
عشق ہی خود ہے خدائے کائناتِ عاشقی

عشق اوّل عشق آخر ظاہر و باطن ہے عشق
عشق کو مذہب بنا مشکل نہیں ممکن ہے عشق

---

# اعانۂ شوق

موجِ صہبائے حقیقت دل کے پیمانے میں آ
تیرا میخانہ ہے ویراں اپنے میخانے میں آ

ذرہ ذرہ مضطرب ہے گوشہ گوشہ منتظر
آسماں کے نور دُنیا کے سیہ خانے میں آ

تہ ابر انداز ہے روحِ چمن جانِ چمن
نکہتِ مستانہ بن اور سیرِ گُل خانے میں آ

آ اُلٹ دُوں زندگی کے بُت سے ہر رنگیں نقاب
اے مری عُریاں تجلّی غم کے کاشانے میں آ

وائے سب بے جان ہیں الفاظ بے مفہوم ہیں
اے عروسِ معنویّت میرے افسانے میں آ

---

گوشہ گوشہ میں ہیں سو محمود اور لاکھوں ایاز
اے ریا کے سومناتی دل کے بُت خانے میں آ

اشکِ خوں سے جبینِ شوق پر مشعل جلا
اے بتوں کے ماتمی اصلی صنم خانے میں آ

آ بتا دوں راستہ انسانیت کے باغ کا
ٹھوکریں کھاتا ہوا الفت کے ویرانے میں آ

زندگی بدمست ہو کر خود تجھے سجدے کرے
بیخودی کے ساتھ اک دن میرے ویرانے میں آ

فلسفہ مذہب کا سمجھا دوں تجھے اک جام میں
لے کے اوراقِ عقائد میرے میخانے میں آ

رازِ زہد و پارسائی میں بتا دوں گا تجھے
اک نقابِ کیف منہ پر ڈال میخانے میں آ

لغزشیں تو خود سمجھ لیگا نگاہِ شوق کی
روح جس میں ہے مرقص اُس پری خانے میں آ

آ اور استبدادِ عالم کی حقیقت مجھ سے سُن
درج ہے سب میری بربادی کے افسانے میں آ

مدت بھی زخمی پڑی ہے زندگی کا ذکر کیا
شمعِ ماتم خانہ لیکر میرے غم خانے میں آ

غم بھی محوِ رقص ہے، عیش و محبت در کنار　　چند لمحوں کیلئے میرے طرب خانے میں آ
ہیں ہوا کے سرد جھونکے چاندنی ہے رات ہے　　ساغرِ رنگیں لئے اس وقت ویرانے میں آ
سبزہ پہ اُترا ہے نورانی شرابی عرش سے　　آج اُڑے گی خوب ہی فطرت کے میخانے میں آ

ہے یہاں ہر ذرہ پیغامِ حیاتِ جاوداں
اے ثنا مقسوم شاعر کے بقا خانے میں آ

---

# دل اور بتکدہ

(پربھاس پٹن میں)

مستِ پندارِ خودی اے زاہدِ کافر مذاق　　برہمن کی طرح تو بھی بت پرستی میں ہے طاق
صرف اتنا فرق تعیینِ حق و باطل میں ہے　　اُسکا بُت ہے بتکدے میں اور تیرا دل میں ہے

# پیام سروش

# تیسرا بابُ

# سرورِ عالم

آدمی مہمل تھا فردِ زندگی اہمال تھی ‏ تھا نہ جب تاریکی و انوار کا احساس بھی

نور تیرا گرمیٔ ایوانِ ہستی جب بھی تھا ‏ تو بہار و رونقِ سامانِ ہستی جب بھی تھا

سام کے نغموں سے پھوٹا نغمۂ مولودِ حُسن ‏ اور سلیماںؑ نے سنایا نغمۂ مولودِ حُسن

راگنی کب سے چھڑی تھی سازِ ناموجود کی ‏ دی خبر گوپال نے آخر ترے مولود کی

جلوۂ رنگین اوِستا میں ترا موجود تھا ‏ سازِ گوتم میں بھی تیرا نغمۂ مولود تھا

مرسلینِ حق نے جن نغمات کی تمہید کی ‏ تو نے اُن نغماتِ کی تائید کی تجدید کی

کرشن کی بنسی میں تیرے زمزمے گونجا کئے
کیف سے کون و مکاں تڑپا کئے جھوما کئے

زندگی گلبار تھی جب دہنِ تخلیق میں ‏ جب بہاریں نغمہ زا تھیں گلشنِ تخلیق میں

صبح کی آغوش میں گلدستۂ صد رنگ تھا ‏ وقت کے ہاتھوں میں عشرت آفریں اک چنگ تھا

لالہ تھا بے داغ سوسن تھی طلاقت آفریں
پھول گلشن آفریں تھے باغ جنت آفریں

اک جلالت صبح میں تھی اک تجمل رات میں
روح نو دوڑی ہوئی تھی بزم موجودات میں

اک نئے جذبے سے تھا معمور قلب کائنات
ضو فگن ہونے کو تھا آئینۂ ذات و صفات

وجد میں قدرت تھی فطرت رقص میں سرشار تھی
خود مشیت ہمرکاب احمدِ مختار تھی

یوں چھڑا محفل میں اک دن سازِ آہنگِ وجود
بول اٹھا خود بخود ہر شعبۂ چنگِ وجود

نقطۂ تخلیق ابھرا اور بنا طورِ ازل
پیکرِ خاکی میں داخل ہو گیا نورِ ازل

صبح کی آغوش میں طلعت جبیں پیدا ہوا
مرحبا وہ رحمۃ للعالمیں پیدا ہوا

آمدِ ساقی سے سارا میکدہ بے ہوش تھا
عالمِ انسانیت اک حلقۂ آغوش تھا

حاملِ کرسی و عرش و لامکاں پیدا ہوا
حاملِ پیغامِ ربِ دو جہاں پیدا ہوا

خوف سے کانپی غلامی اور لرزی زندگی
تھرتھرایا قصرِ باطل چونک اٹھی سرکشی

رہبرِ اقوام و ہادیٔ جہاں پیدا ہوا
فخرِ عالم امتوں کا گلہ باں پیدا ہوا

نا شرِ حق حامیِ انسانیت پیدا ہوا پیکرِ عدل و صفا و حریت پیدا ہوا

ہو گیا انوار سے پُر نور فانوسِ حیات جگمگا اُٹھی جمالِ نورِ حق سے کائنات

سوزِ نو سے ذرّہ ذرّہ دہر کا گرما گیا

سازسے اک نغمہ پھوٹا اور فضا پر چھا گیا

اے کہ تھی تخلیق تیری دفترِ سرِ وجود تیرے پردے میں ہوئی تکمیلِ احساسِ نمود

اے کہ نازاں تجھ پہ حسنِ بندگی و سروری دوشِ کملی پر نظر میں جلوۂ پیغمبری

اے کہ تو سرنامۂ تخلیق و عنوانِ جمال اے سراپا عشق لے پیکرِ گلستانِ جمال

"سازِ نورِ روز" "ازل" "آہنگِ عشاق" وجود رُوحِ تخلیقِ چمن گلدستۂ طاقِ وجود

اے مکینِ کعبہ لے غارِ حرا کے خلوتی نازشِ کنجِ حلیمہ عظمتِ بابِ وحی

تشنۂ مفہوم تھا دیباچۂ بابِ حیات تو نے کی تفسیرِ معنائے حدیثِ کائنات

تیری بعثت سے ہوئی تکمیلِ ذوقِ سروری

نا مکمل تھی خدائی تشنہ تھی پیغمبری

اے امینِ عدل پرور صاحبِ کشف و وحی　　تو وہ صادق تھا کہ خود صدیقیت قربان تھی

اے سراپا نورِ حق اے روحِ وجدان و عمل　　ہے ترا پیغام اَمِٹ فلسفہ تیرا اٹل

اے کہ تو سر منشیِ صدِ دفترِ اخلاق تھا　　تیرا ہر حملہ کمالِ خُلق کا خلّاق تھا

اے تعالی اللہ وہ اعرابیِ صحرا نشیں　　خشک ہوتی تھی کبھی خوں سے نہ جن کی آستیں

تو نے ان کو درسِ تہذیبِ جہانبانی دیا　　دردِ انسانی دیا، اِک کیفِ روحانی دیا

تو نے انساں کو دیا روحِ اخوت کا پیام　　حق و آزادی و عدل و عفو و الفت کا پیام

وادی و صحرا نوائے جانفزا سے گونج اُٹھے　　مشرق و مغرب تری رنگیں نوا سے گونج اُٹھے

لمحے میں سیراب اک دنیائے بحر و بر ہوئی

موج اُٹھی دجلہ سے اور آغوشِ گنگا تر ہوئی

نغمے خوابیدہ ہیں اور ہے سرد آوازِ حجاز　　اے "شعاعی" چھیڑ دے پھر بزم میں سازِ "حجاز"

آج بھی صد انجمن آرا ہے تو مردہ ہے کب　　عشق کے لفظوں میں "روح اللہ" ہے تیرا لقب

اے کہ تو ہے ہادیِ انجام، ختم المرسلیں　　دہر میں "جاری ہدایت" ہے ترا دینِ مبیں

پردۂ ہر ساز میں اِک نغمۂ اسلام ہے
نسخۂ بیماریِ عالم ترا پیغام ہے

اے مرے مولا! مرے سرکار، سردارِ جہاں!
اے نشاطِ رُوح، تسکینِ قلوبِ دو جہاں

پھر وہی اجلال و عظمت ہو وہی جوش و خروش
پھر ظہورِ سیدِ کونین ہو گیسو بدوش

چاہے جس صورت میں آ اور چاہے جس پیکر میں آ
آ خدا کے واسطے اس ظلم کے محشر میں آ

سرد ہے خونِ مسلماں، بیج ہیں اعضائے جہاں
علم ہے لقوہ زدہ مفلوج رُوحِ اجتہاد

ان کے ہاتھوں پارہ پارہ ہے عبا اسلام کی
دہر میں توہین کرتے ہیں یہ تیرے نام کی

بندگانِ مادیت اور دُنیا کے غلام
نام لیوا آج ہیں تیرے نصاریٰ کے غلام

جو ہوئے تھے خنجروں کے سائے میں پل کر جواں
لرزہ بر ہستی ہیں وہ زائیدۂ تیغ و سناں

ہے نہ کچھ حبِّ وطن ان میں نہ کچھ احساسِ دیں
آستانِ غیر ہے اور ان غلاموں کی جبیں!

طالبِ جنّت ہیں یہ اپنے چمن کو بیچ کر
چاہتے ہیں جنسِ آزادیِ وطن کو بیچ کر

تیری اُمت اور یوں اسلام کو رُسوا کرے
کارواں منزل پہ ہو یہ راہ میں سویا کرے

پھُونک دے پھر پیکرِ مردہ میں رُوحِ زندگی
زندہ کر دے پھر دلِ مسلم میں احساسِ خودی

# حسینؑ ابنِ علیؑ

وہ مردِ حرّیت آموز مہرِ کائنات آرا
حیاتِ جاوداں کے آسماں کا سُرخ سیارہ

نگاہیں جسکی خنجر بن کے سینوں میں اُترتی ہوں
اور آہیں جسکی تیرِ آتشیں کا کام کرتی ہوں

جو پنجہ کش ہو بڑھکر دہر میں عفریتِ باطل سے
جو طاقت معصیت کی چھین لے شیطان کے دل سے

جو باطل کی حکومت کو اُلٹ دے اپنے نعروں سے
جو احساسِ شرافت کو جگا دے اپنے نغموں سے

وہ بلبل جسکے نغموں سے ہو ایوانِ چمن رنگیں
کرے جو اپنے خونِ دل سے دامانِ وطن رنگیں

دھوئیں اور آگ کی ندی میں دراتا ہوا کودے
سمندر میں جو خاک و خون کے گاتا ہوا کودے

جو اپنے خون کے دریا میں خود بہتا ہوا آئے
جو اپنے زخمہائے خونچکاں کو چومتا آئے

صداقت اور آزادی پہ جو قربان ہو جائے
جو استبداد کے شعلوں پہ کروٹ لے کے سو جائے

خدا کی راہ میں سر دیکے جو پھر زندہ ہو جائے
چراغوں کی طرح بجھ بجھ کے جو تابندہ ہو جائے

رضائے حق پہ مر کر زندۂ جاوید ہو جائے
شہادت جسکے قدموں پر ارم کے پھول برسائے

بقا کو کھیل جانے اور فنا کو زندگی اپنی
جو سمجھے اپنے مرنے کی ادا کو زندگی اپنی

جو حق کے جوش میں سو وار روکے برہنہ سر پہ
جو ہنس کر سر چڑھائے اپنا قربانی کے مندر پہ

وہ خضرِ حریّت وہ بے نیازِ منزل و جادہ
فقط اک خون کی موجِ رواں ہو جسکا سجادہ

جو آزادی کی خاطر اپنا سارا گھر لُٹا بیٹھے
جو آغوشِ فنا میں کھیلتا ہنستا ہوا بیٹھے

صدا پر جسکی سازِ عالمِ روحانیت بولے
کہیں آواز دے اور ہر جگہ حقانیت بولے

عطا ہوتا ہے عرشِ زندگی کا راستا اسکو
خدا کے ہاتھ سے ملتی ہے معراجِ بقا اسکو

حریمِ قدس کی محراب میں قندیلِ روشن تر
فضائے عرش پر رنگین اک ابرِ گہر پرور

زمانہ جس کے مرجانے پہ سو سو ناز کرتا ہے
وہ مرتا ہے تو اسکے ساتھ اک نیوہ مرتا ہے

زمیں اسکے قدومِ خونچکاں کو بوسہ دیتی ہے
جبینِ آسماں جُھک جُھک کے سر کو چوم لیتی ہے

لبادہ خون میں ڈوبا ہوا جب جگمگاتا ہے
ندامت سے قمر دامانِ شب میں مُنھ چھپاتا ہے

پریشاں جس دم اجزائے شہیدِ زار ہوتے ہیں
تو ہر اک ذرّے سے لاکھوں جہاں تیار ہوتے ہیں

ہر اک قطرے سے خونِ گرم کے ہستی ٹپکتی ہے
شکستہ زندگی کے جام سے مستی ٹپکتی ہے

رواں ہوتی ہیں موجیں زندگی کی اسکے سینے سے
چھلکتی ہے مئے اسرارِ دل کے آبگینے سے

زمیں کی وسعتوں میں اسکا فرشِ خواب ہوتا ہے
وہ ہو کر بے نیازِ آب و گل آزاد سوتا ہے

مثالِ روح ہوتا ہے دو عالم میں گزر اسکا
زمیں پر جسم اسکا عرش پر ہوتا ہے سر اسکا

نیا عبرت کا فطرت اُس سے آئینہ بناتی ہے
جہاں روتا ہے اس پر روح اُسکی مسکراتی ہے

نوا اسکا نئے برزخ میں آکر کام کرتا ہے
لہو اس کا فسانے میں شفق کے رنگ بھرتا ہے

نقوشِ پا پر اسکے سر جھکاتا ہے جہاں اپنا
وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے لے کر کارواں اپنا

حقیقی زندگی کا عالمِ باطل میں حامی ہے
شہید انسان کی فطرت کا اِک زندہ پیامی ہے

سلام اس پر کہ جسکی زندگی پروانۂ حق تھی
سلام اس پر کہ جسکی ہر نظر پیمانۂ حق تھی

سلام اس ابر پر جو کربلا پر گھر کے آیا تھا
بدی کے خرمنوں پر برقِ خاطف بن کے چمکا تھا

سلام اسیر کہ جس نے سر کٹایا راہِ مذہب میں
سلام اسیر کہ جس نے گھر لٹایا راہِ مذہب میں

سلام اسیر کہ جس نے دی شکستِ فاش باطل کو
کلیجہ سے لگایا مسکرا کر اپنے قاتل کو

سلام اسیر کہ جو اسلام کا سچا محافظ تھا
نواسا تھا نبی کا دینِ احمدؐ کا محافظ تھا

سلام اسیر کہ جس نے زندگی اسلام کو بخشی
حیاتِ نو زمانے میں نبیؐ کے کام کو بخشی

وہ مسجودِ ملائک سرورِ کونین کا پیارا
علیؑ کے دل کی ٹھنڈک فاطمہؑ کی آنکھ کا تارا

نشاطِ قلبِ پیغمبرؐ وہ دست و بازوئے حیدرؑ
وہ ایمان و ولا کی روح، وہ اسلام کا جوہر

شہادت منتظر تھی مدتوں سے جس مشاہد کی
جہادِ عشق کو خود آرزو تھی جس مجاہد کی

جو قربانی کا اک پیغام لے کر دہر میں آیا
حیاتِ جاوداں کی مہر اک سند لایا

وہ جس کی ذات ایثار و وفا کا اک نمونہ تھی
شہادت کو ازل کے دن سے خود جس کی تمنا تھی

وفا کی راہ میں جس نے لٹا دی دولتِ اکبرؑ
قیامت تک سلام اس پر ہو اے آغا سلام اس پر

زمینیں نت نئی پیدا ہوں لاکھوں آسماں پیدا
ہر اک ذرّے سے کروٹ لیکے ہوں لاکھوں جہاں پیدا

ہر اک ٹہنی سے کلیاں پھوٹ کر فردوس بن جائیں
ہر آغوشِ گل سے ہو نیا اک گلستاں پیدا

ظہورِ زندگی ہو ہر جگہ اپنے تعلق سے
مکیں سے ہو مکاں پیدا امکاں سے لاامکاں پیدا

ازل سے تا ابد ہونگے ہزاروں آدمی پیدا
نہیں ممکن جہاں میں ہو حسینؑ بن علیؑ پیدا

---

# لمن یقتل کی تفسیر

خوشا وقتے کہ تھیں جاگی ہوئی مسلم کی تقدیریں
عرب سے چین تک پھیلی ہوئی تھیں اپنی جاگیریں

بہارِ خونِ مسلم رنگِ ارژنگِ ترقی تھی
نظر اپنی تھی اپنے آئینے تھے اپنی تصویریں

جنوں کا نام لیوا اب کوئی باقی نہیں شاید
نظر آتی ہیں زندانوں میں زنجیریں ہی زنجیریں

اُٹھ اے قومِ فسردہ پھر دکھا زورِ یدُاللّٰہی
نیامِ کہنہ میں بیکار کیوں ہیں تیری شمشیریں

خدا کے راستے میں بڑھ کے سر دینا شہادت ہے
انھیں نقطوں سے بنتی ہیں "لمن یقتل" کی تفسیریں

ترا مشرب ہے حرّیت ترا قانون ایماں ہے
زمانے پر یہ ثابت کر کہ تو سچا مسلماں ہے

---

# بارگاہِ محبوبِ الٰہیؒ میں

(مُرشدی و مولائی معتوفطرت حضرت خواجہ حسن نظامی مدظلہ العالی کے نام)

یہ کہاں پہنچا ہوں میں یہ کیا نظر آیا مجھے
آفتابِ حُسن ہر ذرّہ نظر آیا مجھے

کس جگہ لے آئیں چشمِ آرزو کی رفعتیں
ہر مکاں سے لامکاں پیدا نظر آیا مجھے

جسکو دیکھا اُسکو پایا سوزا فروزِ کلیم
آتشِ صد طور ہر جلوہ نظر آیا مجھے

ہر گُلِ خاموش میں اک گلستانِ شوق ہے
ہر کلی میں دل کا گہوارہ نظر آیا مجھے

یہ نیازِ عشق میں پڑھنی پڑی کیسی نماز
جس جگہ سجدہ کیا کعبہ نظر آیا مجھے

ہر روش پر دیکھتا ہوں اک نشیمن رُوح کا
ہر کلی میں ایک دل خانہ نظر آیا مجھے

ذرّہ ذرّہ میں ہے اک طوفانِ نظّارہ نہاں
بحر در آغوش ہر قطرہ نظر آیا مجھے

جرعہ نوشانِ محبت کا ٹھکانا خوب ہے
کیف کہتا ہے یہی میخانۂ محبوبؒ ہے

زندگی بدمست ہے مخمور ہے بے ہوش ہے
بارشِ صہبائے عرفاں کس قدر پُرجوش ہے

اللہ اللہ جوشِ اُلفت کی یہ پردہ داریاں!
ہر قدم پر ایک ہنگامہ ہے اور خاموش ہے

کثرتِ نظّارہ سے پھرتا ہوں گھبرایا ہوا
جس طرف جاتا ہوں سامانِ وداعِ ہوش ہے

پردۂ مرقد سے آتی ہے یہ نغماتی صدا
جو عیاں ہے ذرّہ ذرّہ میں یہاں روپوش ہے

ہے یہاں وہ جانِ عالم انجمن آرائے حسن
آسماں جس کے حرم میں غاشیہ بردوش ہے

طالب و مطلوب دونوں میں ہی اک راز و نیاز
کوئی صورت پوش ہے کوئی تجلّی کوش ہے

اے تصوّر دلکو دیدے کامیابی کی نوید
زینتِ آغوش اک بیگانۂ آغوش ہے

ساقیٔ گُلفام گل ریزِ طرب ہے آجکل
مجھکو مرگ و زندگی کا ہوش کب ہے آجکل

پھر بھی اے دل جھوم کر اُٹھ اور اپنا کام کر
وجدِ مستانہ دکھا ساقی کا دامن تھام کر

اے دفورِ شوق اب خاموش رہنا کفر ہے
ابتدائے کیف ہی دل کو سرورِ انجام کر

طلعتِ محبوب تجھکو حسنِ خسرو کی قسم
میری شمعِ آرزو کو جلوہ ریزِ شام کر

پیکرِ خواجہ حسن میں بے محابا آنظر جلوۂ مستور کو مانوس بزمِ عام کر

تنگنائے دل میں لیتی ہے تمنا کروٹیں رازِ حسن و عاشقی کو آج طشت از بام کر

کب تک آخر کشمکش ہائے مقدّر و ہم غم نصیبوں کو سبکدوشِ غمِ ایّام کر

تو بڑا داتا ہے تجھ پر ہے سخاوت بھی تمام بھیگ جائے رات اتنی بارشِ انعام کر

ساغرِ بدمست ہوں آیا ہوں پیمانہ بدست

بارگاہِ کیف سے جاؤں گا میخانہ بدست

---

# بہادر شاہ ظفر

یاد آیا میکہ تقدیرِ مغل تابندہ تھی
مٹتے مٹتے شوکتِ بابر جہاں میں زندہ تھی

یاد آیا میکہ تھا ہر ہر نفس موجِ شراب
رقص میں تھی زندگانی وجد کرتا تھا شباب

یاد آیا میکہ ہر ذرہ تھا جنت آشکار
صبحدم جمنا کے گھاٹوں پر نہاتی تھی بہار

ہر قدم پر تھی نظارہ سوز لالہ کی دہک
ہر روش پر تھی مشامِ جاں پہ چنبیلی کی مہک

لالہ و گل تھے چمن میں ماہ و انجم کا جواب
مست فوّاروں سے رہ رہ کر برستا تھا شباب

بام و در تھے جھلملاتی دھوپ کی قربانگاہ
جلوۂ عشرت سے ہر دم خیرہ رہتی تھی نگاہ

جگمگاتی تھی مہ و انجم سے ذرّوں کی جبیں
ہمسرِ ہفت آسماں تھی عیش منزل کی زمیں

چاندنی قدموں میں آکر لوٹتی تھی رات کو
کھیلتی تھی ماہ و انجم سے جوانی رات کو

نغمۂ غالب فضا میں گونجتا تھا رات دن
ذوق کا ہر زمزمہ تھا شوق افزا رات دن

پتہ پتہ اس چمن کا دفترِ تاریخ ہے

یعنی ہر ذرہ وطن کا مختصر تاریخ ہے

پھول باغِ دہر کے کُمھلا چکے مرجھا چکے
شمعِ سوزانِ چمن کو بھی پسینے آ چکے

رونے والے سسلی و بغداد کو بھی رو چکے
آٹھ آٹھ آنسو جہان آباد کو بھی رو چکے

اے ظفر کیا قابلِ اشکِ محبت تو نہ تھا
تیری قسمت کا کسی کی آنکھ میں آنسو نہ تھا

جی میں آتا ہے کہ تجھکو حشر تک رویا کروں
اور تصوّر میں تری تصویر کو دیکھا کروں

جشن تیرا فاتحہ تھی شوکتِ اسلاف کی
شان تیری ماتمِ ماضی کی اک تصویر تھی

باغباں کی آنکھ کا کانٹا ہدف صیاد کا
آئینہ مظلومیت کا نقش تھا بیداد کا

نکہتِ سوزانِ گل تھا بوئے کشتہ تھا ظفر
جل رہا تھا باغِ ہستی اور تنکا تھا ظفر

محفلِ بابر کی تو وہ شمعِ آخر تھا ظفر
جس کے پرتو میں نظر آتی تھی ماضی کی سحر

ہر گھڑی تابوت تھی زندہ جنازا ہر نفس
نوحہ خوانِ عظمتِ تیمور تیرا ہر نفس

سر جواں بیٹے کا دیکھے اور شکرِ حق کرے
ایک دنیا سامنے تیری نگاہوں کے مرے

اے ظفر تیرا کلیجہ تھا کہ تو زندہ رہا
بجھ گئی ہر شمع اور تو پھر بھی تابندہ رہا

بے زباں روتے تھے تجھ پر آدمی کا ذکر کیا
موت بھی باغی تھی تجھ سے زندگی کا ذکر کیا

عبرت اے اہلِ جہاں دیکھا جلالِ انقلاب
ذرہ میں تبدیل ہو کر رہ گیا وہ آفتاب

جس کی کرنیں نور پاشِ عظمتِ دیرینہ تھیں
زندگی بخشِ جلال و شوکتِ پارینہ تھیں

دن دہاڑے لوٹ لی جائے متاعِ اکبری
یہ سماں چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھا تھا کبھی

پھر نئی انگڑائی لینے کو ہے دورِ انقلاب
صبح آتش ریز ہے خونبار نورِ آفتاب

کپکپا دیگی کسی دن خونِ ناحق کی پکار
ظلم خود ظالم کا ہو جائیگا خونیں اشتہار

ایک دن کھل جائیگا رازِ مکافاتِ عمل
انتقامِ قدرتِ حق ہے زمانے میں اٹل

تیرے "منصف" بھی بڑے مجرم بنینگے ایکدن
حاملِ الزام بھی ملزم بنینگے ایکدن

جس نے تجھکو جیتے جی بے در کیا بے گھر کیا
گوشۂ خاموشِ مولد سے تجھے باہر کیا

کاش اک دن ہم اسے سمتِ چمن رخصت کریں
ہند کے پردیس سے سوئے وطن رخصت کریں

# حیدر علی

ابھی تک ہے سری رنگا پٹم کی خاک میں گرمی
ہے باقی کیا فضا میں مجمرِ حیدر کی چنگاری

وہ چنگاری جو تھی خالد کے آتش زار کا حاصل
وہ چنگاری جو تھی طارق کے نور و نار کا حاصل

وہ قندیلِ حمیّت وہ سراجِ بابِ آزادی
سکھائی جس نے بابر کو کبھی آفاق ایجادی

امانت وہ عمر کی وہ عطا بابِ امامت کی
ضمانت وہ وغا کی وہ سندِ ذوقِ شہادت کی

سرِ جمنا مغل کے جانشیں نے کھو دیا جس کو
لبِ کاویری[1] اک آتش صفت نے پا لیا جس کو

نوائے مست پھوٹی پردہ ہائے سازِ امکاں سے
کوئی جا کر یہ کہدے روحِ عباس قلی خاں سے

کہ جس آہنگ کو تو نے اسیرِ ساز[2] رکھا تھا
زمیں سے تا فلک ہے آج اُس آہنگ کا چرچا

---

[1] سری رنگا پٹم کی ندی [2] عباس قلی خاں نے حیدر علی اور اُس کے بھائی شہباز کو بچپن میں نقاروں کے اندر بند کر کے چمڑا منڈھوا دیا تھا۔ ۱۲

وہ نافہ جس کو گوشوں میں چھپا یا تھا خباثت نے ۔ معطر ہو گیا سارا جہاں اس کے تعطّر سے

اِدھر دہلی میں شب کو ٹمٹمائی شمعِ تیموری ۔ اُدھر دیون ہلی میں جگمگایا مہرِ بہلولی

کمالِ اوج و عظمت دیکھ کر کون و مکاں کانپے

زمیں لرزی ستارے جھلملائے آسماں کانپے

وہ سیلابِ شجاعت اور وہ طوفانِ جواں مردی ۔ وہ جس سے لرزہ براندام تھی دنیائے افرنگی

وہ داعیِ وطن وہ عاشقِ آزارِ آزادی ۔ وہ منادِ حمیت وہ علم بردار آزادی

جوانی کا مرقع آئینہ روحِ شجاعت کا ۔ وہ اک معیار سرتاپا کمالِ عزم و ہمت کا

وہ پیغامِ تغیر وہ جہانِ مرگ کی آندھی ۔ وہ اک ابرِ فنا طاری ساری و جاری

تصور اس کا رعشہ آفرینِ خلوتِ تیلی ۔ تخیل اس کا لرزہ کوشِ روحِ عزمِ افرنگی

وطن کا سنتری تھا پاسبانِ ہند تھا حیدر ۔ ندیمِ حریت تھا رازدانِ ہند تھا حیدر

سمندر کی طرح بیم داں تھا اور دواں تھا وہ ۔ یقیناً ضامنِ آزادیٔ ہندوستاں تھا وہ

تصیدہ پڑھ رہی تھی زندگی میں زندگی جسکا ۔ بقا جسکے لئے بازیٔ فنا اک کھیل تھی جسکا

نگہدارِ چتاگیری و کاویری و ماہی تھا — برائے غاصبانِ ہند اک قہرِ الٰہی تھا

ابھی شاہد ہے پولی پور کا ہر ذرّہ باقی — کہ دست و بازوئے حیدر میں تھا زورِ یداللّٰہی

ہوائے تُند تھا طوفانِ برق و باد تھا حیدر

نشانِ قہرِ یزداں، سلطنت ایجاد تھا حیدر

اگر یہ سچ ہے موت آتی نہیں تجھ سے مُجاہد کو — عدم کی زندگی بھاتی نہیں تجھ سے مُجاہد کو

تو اُٹھ اور اُٹھ کے زندہ قصّۂ تیر و تبر کر دے — دلِ طوطی کو بوسہ دے کے شاہیں کا جگر کر دے

اسیر سرنگوں تھی اور غُلامی منہ چھپاتی تھی — تری طاقت کے آگے عسکریّت کانپ جاتی تھی

تدبُّر نے ترے ٹکڑے کیا دامانِ غداری — ہلا ڈالا ترے اقبال نے میدانِ غداری

کبھی شیرِ نیستاں تھا کبھی شاہینِ کوہی تھا — زمین و آسمان زخمی تھے جس کے وہ شکاری تھا

ترے شانوں میں جرأت نے لگائے تھے عجب شہپر — کہ مرکز سے اُڑا اور سانس لی بدر آس کے در پر

تری پرواز پر غدار و غاصب سب ہی حیراں تھے — بہت دگر گریباں "مو پریشاں" "خستہ ساماں" تھے

تعالیٰ اللہ کیا شہکارِ قدرت تھے ترے بازو — جو شعلہ تھا کمیدانی تو بجلی نوجواں ٹیپو

وفا کے چرخ پر دو بجلیاں تھیں مضطرو رقصاں — کبھی مضطر کبھی رقصاں کبھی عریاں کبھی پنہاں

ترا جبروت گویا کتبۂ نگارِ کامیابی تھا — دلِ اغیار پر اپنی جلالت کر گیا کندا

ترے مرنے کی اک مُہر قرطاسِ غلامی پر — کہ تیری زندگی تھی ضربِ احساسِ غلامی پر

ترے اُٹھتے ہی ماحولِ دکن پر چھا گئے غاصب — دکن پر چھا گئے گنگ و جمن پر چھا گئے غاصب

نہ ہے وہ سازِ ہندی اور نہ وہ آہنگِ شامی ہے — متاعِ زندگانی اک فقط اپنی غلامی ہے

الٰہی پیکرِ مُردہ میں کر دے زندگی پیدا
ضرورت ہے کہ پھر ہو آج اک حیدر علی پیدا

---

# ابوالفتح ٹیپو سُلطان

دکن کا ذرّہ ذرہ دہر میں افلاک پیدا ہے — سری رنگا پٹم کی خاک ہم دوشِ ثریا ہے

شہیدانِ وطن کا میکدہ ہے خُم کدہ ہے یہ — جو بھنکتی ہے جگر کے سوز سے وہ کیمیا ہے یہ

قیامت تک بہیگا ماتمی انداز میں ہر سُو　　یہ کاویری یہ چشمِ نوعروسِ وقت کا آنسو

شہیدِ کربلا کی رُوح میں جو سوز تھا ساغو　　اُسی نے خاکِ ٹیپو کو بنایا کیمیا ساغو

نگہ میں روشنی، دل میں جنونِ عاشقی پیدا　　نظر مجذوب کی جذبِ دو عالم کر گئی پیدا

وہ سورج جسکی ضو سے قسمتِ دیوان ہی چمکی　　وہ قسمت جو امینِ عظمتِ انسانیت نکلی

وہ اک سیلابِ شوق اک حملۂ طوفانِ خودداری　　وہ تصویرِ جہادِ عشق، شہکارِ جواںمردی

تجمل جس کا دنیا میں نظر سوزِ فرنگی تھا　　بہادر کانپتے تھے ذکر سے جسکے وہ جنگی تھا

امیرِ غازیاں، میرِ شہیدانِ محبت تھا　　غرورِ حریت صد نازشِ سرِّ شہادت تھا

وہ تنہا اک شہیدِ ملک و ملت تھا زمانے میں　　کہ جس کا خون گہرے رنگ بھرتا ہے فسانے میں

وہ نیزہ جو گڑا تھا سنگِ زارِ قلبِ گیتی میں　　وہ خنجر جذب تھا جو سینۂ رنگینِ ہستی میں

سمندر آدمی کے رُوپ میں سرگوشِ ہستی تھا　　کہ طوفاں صورتِ آدم میں شور افزائے ہستی تھا

وہ مسلم جس نے شمعِ دین کو تابندگی بخشی　　وہ ہندی جس نے احساسِ وطن کو زندگی بخشی

بُت و محراب منبر سب کے سب بھرتے ہیں دم جسکا　　ابھی تک دیکھتے ہیں راستہ دیر و حرم جسکا

نہ ہے شانِ خودی شانِ وفا و آنِ خودداری — نہ توڑا جان دیتے وقت بھی پیمانِ خودداری

اگر اپنے ارادوں میں وہ غازی کامراں ہوتا

جہاں غاصب ہی اُس منزل پہ اپنا کارواں ہوتا

مجاہد اے مجاہد اے مرے سلطانِ آزادی — کلیدِ بابِ عظمت وارثِ ایوانِ آزادی

جلالت تیری ثابت روحِ اقوامِ کلیسا پر — حکومت تیری قائم انجم و ماہ و ثریا پر

اشاروں سے ترے پایاب ہو جاتے تھے دریا بھی — یدِ قدرت میں تیرے دین بھی تھا اور دنیا بھی

ہزاروں شیر تیری روح میں بیدار رہتے تھے — جھپٹنے کیلئے اغیار پر تیار رہتے تھے

ترا جلوہ نشاطِ آرزوئے شوقِ ملّی تھا — ترا پائے حسین و پاک مسجودِ فرنگی تھا

بلند از قیدِ رنگ و نسل دین و نیکی و شر تھا — محبت کا پیامی اور اُخوت کا پیمبر تھا

ندیمِ زندگیِ نو پیامیِ شجاعت تھا — وہ غداروں میں تنہا اک شہیدِ ملک و ملت تھا

شرابِ عشق کا ہاتھوں میں اُس کے جام تھا ساغر — کہ سلطانِ ساقیِ میخانۂ اقوام تھا ساغر

جو اُس کا نغمۂ رنگیں کسی نے سن لیا ہوتا

تو اپنے ہاتھ ہوتے اور سازِ ایشیا ہوتا

سرورِ مرگ اک ادنیٰ سی مستی ساغرِ دل کی
حیاتِ جاوداں اک موج تیرے جذبِ کامل کی

کہیں دنیا ہلا سکتی ہے انکو سعیِ باطل سے
گڑے ہیں سینۂ تاریخ میں خونیں علَم تیرے

انہیں قائم کرینگے ہم کبھی اوجِ ہمالہ پر
ترا اجلال زندہ ہو کے چھا جائیگا دنیا پر

تری روحِ مقدس رہبرِ احرار ہے سلطاں
فضا بیدار ہے "آتش فشاں" تیار ہے سلطاں

وطن میں ایک عصرِ آتشیں پھر آنے والا ہے
زمانہ آتش و خوں میں بدل ہی جانے والا ہے

دلوں میں پھر جنونِ شوق کی اک موج پیدا ہے
ترا ہر قطرۂ خوں اِک سمندر بننے والا ہے

الٰہی جلد دنیا میں زمانِ انتقام آئے
جنوں کی راہ میں اکدن مری وحشت بھی کام آئے

# حریم فطرت

# چوتھا باب

# سکوت

وداع ہوتی ہے ظلمتِ شب سحر کھڑی جھلملا رہی ہے
اندھیریاں ہو رہی ہیں رخصت سواریِ نور آ رہی ہے
ستارے انگڑائی لے رہے ہیں قمر ہے آسودۂ منازل
ردائے انجم بہ سر ثریّا وداع کے گیت گا رہی ہے
گداز کے کیف سے کواکب ٹپکنے والے ہیں بن کے شبنم
صبا بہ اندازۂ تراوش گلوں کے دامن بڑھا رہی ہے

کنارِ حسرت میں سونے والی نہ دفعتہً کوئی چونک اُٹھے
جہان پر صبح کی تجلّی سکوت بن بن کے چھا رہی ہے

زمیں بھی ساکت سما بھی چُپ ہے
شجر بھی چُپ ہیں ہوا بھی چُپ ہے
ندی بھی خاموش ندا بھی چُپ ہے
ہے ساز ساکن نوا بھی چُپ ہے

خموش ہے نہر کی روانی ٹھہر گیا ہے سمٹ کے پانی
سحر کی معصوم ضوفشانی سکوت میں مُسکرا رہی ہے

نکل چُکے آشیاں سے طائر چلے درختوں پہ چہچہانے
دلوں میں ذوقِ شجر نشینی لبوں میں بھیگے ہوئے ترانے
تبسّمِ زیرِ لب سے کلیاں نہ کیوں گلستاں میں منفعل ہوں
نسیم کی اِک خموش جنبش سُنا گئی رات کے فسانے

شمیم و نکہت کی صبح خیزی کہیں نہ ہو مبتلائے لغزش
جو پھول مستی میں گر چکے ہیں اُنہیں صبا آ گئی اُٹھانے
سیاہ چادر سی بام و در سے اُٹھائی غمّازۂ سحر نے
ہوئی ہر اک چیز آشکارا بدل گئے راز کے زمانے

خموش جنگل چمن بھی خامُش
طیور ساکن ہرن بھی خامُش
سکون میں گُل سمن بھی خامُش
سخن سرا چپ سخن بھی خامُش

لطیف پردوں پہ ہے کرن کے خرام شب اس قدر سبک تر
کہ جیسے لیلیٰ کسی سے مل کر خموش محمل میں جا رہی ہے
سکوت کی چاندنی کھلی ہے زمین سے لیکے آسماں تک
نہیں فضا میں کوئی تحرُّک پہنچ رہی ہے نظر جہاں تک

ہر ایک وادی ہر ایک دامن پہاڑ کا بے صدا پڑا ہے
ہے خواب میں گرد زارِ منزل نہیں ہے بیدار کارواں تک
تراوشِ بادۂ شبی سے خمار ہے چشمِ گیرِ سبزہ
فسردہ ہے جوشِ نغمۂ نے جمود آگیں ہے نیستاں تک
مویشیوں کے گلے کی گھنٹی ابھی کہاں مائلِ سماعت
کسان کے جھونپڑے سے نکلا نہیں ابھی صبح کا دھواں تک

زباں بھی ساکت بیاں بھی ساکن
عیاں بھی بے خود نہاں بھی ساکن
یہاں خموشی وہاں بھی ساکن
خیال بے حس گماں بھی ساکن

چمن میں صحرا میں بستیوں میں کسی کو اذنِ صدا نہیں ہے
غرضکہ ہنگامہ خیز دنیا خموشیوں میں سما رہی ہے

پڑی نہیں ہے ابھی کسی جسمِ نیم مُردہ میں جان گویا
ابھی تک اِس آسماں کے نیچے بنا نہیں ہے جہان گویا
نہ کوئی نغمہ نہ زمزمہ ہے نہ کوئی نطق آفریں نوا ہے
کسی دہن کو پئے تکلّم ملی نہیں ہے زبان گویا
نہ کوئی ہُشیار انجمن میں نہ شمع روشن کوئی لگن میں
مکین گویا ابھی ہے مہمل ہے نقشِ باطل مکان گویا
یہ خامُشی اور یہ اُداسی کہ جیسے کل صور پُھنک چکا ہے
پڑے ہیں خالی بہ پِ قیامت زمین اور آسمان گویا

دلِ صدف میں گہر ہے ساکت
ہے شمع بھی گُل شرر ہے ساکت
خموش منظر نظر ہے ساکت
اثر سے اپنے سحر ہے ساکت

ہے بے صدا جنبشِ نفس بھی مگر فقط اک پری سحر کی
سکوت زا بانسری میں ساغرِ پیامِ فطرت سنا رہی ہے

---

# مکالمہ سرو و لالہ

ایک دن باغ میں یوں سرو سے لالے نے کہا
سربلندی تجھے کی خالقِ گلشن نے عطا

بزمِ گلشن میں سہی قامت و بالا تو ہے
اک تماشائی حشرِ گل و لالا تو ہے

حسرتیں ہیں تری تسکین پسندی پہ مجھے
رشک آتا ہے بہت تیری بلندی پہ مجھے

عشق آموزِ دلِ قمری ناشاد ہے تو
پا بہ گل ہو کے بھی اک پیکرِ آزاد ہے تو

اور مجھے دیکھ ہیں سو داغ مرے سینے پر
جوہرِ سوز نمودار ہے آئینے پر

پھر بھی میں تیری طرح باغ میں آزاد نہیں
کبھی دل میرا شگفتہ تھا مجھے یاد نہیں

خونچکاں داغ بدل پیکرِ بربادی ہوں
کب ہے اِس باغ میں فریادیِ آزادی ہوں

سُن کے لالے کی یہ فریادو نوائے بیتاب
سرو نے شانِ متانت سے دیا اُسکو جواب

آتشِ عشق سے دہکے ہوئے اے لالۂ باغ
میرے دل میں ہیں شرارے ترے سینہ میں ہیں داغ

گو سرافرازِ حریمِ چمنستاں ہوں میں
سوزِ پنہاں ہے مگر سروِ چراغاں ہوں میں

اذنِ رفتار نہ گفتار کی آزادی ہے
کیا مری پا بہ گلی واقعی آزادی ہے؟

آج کہتا ہوں چمن میں جو میں ہوتا آزاد
نوجوانانِ چمن پر یہ نہ ہوتی بیداد

حائلِ راہ نہ صیّاد نہ گلچیں ہوتا
مالکِ باغ ہر اک طائرِ رنگیں ہوتا

قہر آئینِ چمن کی ستم ایجادی ہے
وہ بھی پابند ہیں حاصل جنہیں آزادی ہے

---

# رادھا کی صبح

وہ عروسِ صبح آئی گاؤں میں گاتی ہوئی
دل غریبوں کے نشاطِ نو سے گرماتی ہوئی

وہ جھلنگے سے اُٹھی رادھا بچشمِ نیم باز
ناز سے بھی بے نیاز انداز سے بھی بے نیاز

اوڑھنی میں اُسکی کچھ سوراخ ہیں کچھ سلوٹیں
منتشر ہیں گیسوؤں کی نیم آسودہ لٹیں

اوڑھنی کے دامنوں کی چلمنیں ڈالے ہوئے
اپنے ہاتھوں سے دلِ مجروح کو دابے ہوئے

ناج کا برتن اندھیرے میں کہیں ملتا نہیں
مفلسی کا حاصلِ دنیا و دیں ملتا نہیں

روشنی کچھ کچھ کواڑوں کی درازوں میں ہوئی
زندگی خود لیکے آپہنچی سپیدی صبح کی

سازِ چکی کا چھڑا رادھا کا نغمہ بھی چھڑا
حُسن کو فرطِ مشقّت سے پسینہ آگیا

آہ وہ ہر کول پر جھکوں کا رُک کے جھومنا
چوڑیوں کے مستقل بجنے کی وہ نازک صدا

لونگ کے انوار پر مکّہ کے آٹے کا غبار
کُہر میں جیسے ستارہ صبح کا ہو نور بار

محشرِ نغمات پیدا صبح کے سازوں سے ہے

زندگی رقصاں انہی چکّی کی آوازوں سے ہے

یہ وہی لمحات ہیں لُٹتا ہے جب شب کا سنگھار ‏ اور مٹ چکتی ہے دنیا میں گناہوں کی بہار

یہ وہی لمحات ہیں جب اک عروسِ مست ناز ‏ اپنی پہلی نیند لیتی ہے بآغوشِ نیاز

یہ وہی لمحات ہیں جب صحنِ گلشن میں نسیم ‏ چھیڑ کرتی ہے گلوں سے مسکراتی ہے شمیم

یہ وہی لمحات ہیں جب عاشقِ حرماں نصیب ‏ انتظارِ دوست میں ہوتا ہے سونے کے قریب

یہ وہی لمحات ہیں جب منعم اپنی سیج پر ‏ لمبے لمبے سانس لیکر سو رہا ہے بے خبر

یہ وہی لمحات ہیں جب زاہدِ شب زندہ دار ‏ حسنِ ظن سے اپنے کرتا ہے خدا کا انتظار

یہ وہی لمحات ہیں جب شاہدانِ خود فروش ‏ کرتے ہیں اپنی سیہ کاری کی شمعوں کو خموش

یہ وہی لمحات ہیں جب کسل سے رندِ خراب ‏ اپنے فرشِ خواب پہ ہوتا ہے محوِ اضطراب

یہ وہی لمحات ہیں جب نازشِ سرمایہ دار ‏ بسترِ کمخواب پر سوتا ہے با عیش و قرار

ساری دنیا ایک خوابِ جاں فزا میں مست ہے

اور رادھا اپنی چکّی کی صدا میں مست ہے

# تتلی کی درسگاہ

آئی وہ تتلی چمن میں رنگ برساتی ہوئی
دامنِ موجِ ہوا پر لغزشیں کھاتی ہوئی

اِک غبارِ رنگ و بو کی طرح لہراتی ہوئی
ذرّۂ رقّاص کی مانند تھرّاتی ہوئی

لغزشِ ذی روح وہ اِک مختصر نقشِ رواں
قوتِ پرواز میں ذوقِ عمل کی بجلیاں

تیز رو اِک نازنیں سیّارۂ سطحِ فضا
وہ شگفتِ گل کی اِک خاموش با معنی صدا

وہ شگوفوں کی چٹک سے مثلِ بو چھوٹی ہوئی
آئی اِک جانب سے تارے کی طرح ٹوٹی ہوئی

کُنجِ گل کا دفعتاً آ کر کیا اُس نے طواف
اور کیا گل کی چمن آرائیوں کا اعتراف

پھول کی رنگیں کشش نے لے لیا آغوش میں
آ گئی تتلی نمو کے مکتبِ خاموش میں

پھر نظر کے سامنے کھلنے لگے اوراقِ گل
ہر رگِ گل بن گئی آئینہ دارِ جزو و کل

نقطۂ تاریک تر روشن نظر آیا اُسے
پھول کی ہر نس میں اک گلشن نظر آیا اُسے

جمع ترکیبِ رگِ گل میں دُرِ نایاب تھے
جلوہ گر شبنم کے ہر قطرہ میں مہتاب تھے

درس اُسکو دے رہی تھی فطرتِ صبحِ بہار
منکشف اسرار اُس پر ہو رہے تھے بے شمار

اُس نے دیکھا ایک صحرا ہر اَنی خار کی
ذرے ذرے میں نظر آئیں صفیں کہسار کی

پھول کے پتّوں پہ جب کی اپنے سایہ میں نظر
اُسنے دیکھا اِک جہانِ رنگ و بو ہے مستتر

کچھ کُھلے ہیں اور لاکھوں راز کے در بند ہیں
بند کلیوں میں ہزاروں میکدے سربند ہیں

اُس نے سوچا اس طلسمِ رنگ کا دار و مدار
اُسنے دیکھا پردۂ گل میں کسی کو جلوہ بار

ایک بجلی سی نگاہوں میں چمک کر رہ گئی
اور وہ کانپی، ہلی، جھجکی، جھجک کر رہ گئی

---

# بادل کا نغمہ

خلا کی رنگیں بلندیوں پر میں اک ہیولیٰ بنا رہا ہوں
بلند دور از نظر فضا پر حسین محفل سجا رہا ہوں

فلک کی نیلی ردا چھپا کر فروشِ سیمیں بچھا رہا ہوں
جوانیوں کو اُمنگ دینے جوان بن بن کے آرہا ہوں
گرج کے نغمے سُنا رہا ہوں بہار کے گیت گا رہا ہوں

قیام ہے میرے قافلے کا کبھی سمن خانۂ نمو پر
کبھی لگاتا ہوں اپنے خیمے بساطِ شاداب رنگ و بو پر
کبھی گرجتا ہوں کوہ پر میں کبھی برستا ہوں آبجو پر
یہ میری فطری لطافتیں ہیں کہ ساری دنیا پہ چھا رہا ہوں
گرج کے نغمے سُنا رہا ہوں بہار کے گیت گا رہا ہوں

ہے برق میری اک تبسم یہ رعد میرا ہی قہقہا ہے
صبیح بوندیں ہیں میرے آنسو ہوا مری آہ برزا ہے
اِدھر کوئی دیکھ کر ہے نالاں اُدھر کوئی مسکرا رہا ہے
کہیں میں بجلی گرا رہا ہوں کہیں میں بجلی بنا رہا ہوں

گرج کے نغمے سُنا رہا ہوں بہار کے گیت گا رہا ہوں

کلیدِ ابوابِ میکدہ ہے جھلک مری شوخ بجلیوں کی
مجھے جو پُرشور دیکھتے ہیں تو روح بڑھتی ہے میکشوں کی
مرے ہر اک رنگِ سایہ گوں میں چمک ہے شب فام گیسوؤں کی
وہ ساقیٔ ساغر آفریں ہوں کہ جوشِ مستی بڑھا رہا ہوں

گرج کے نغمے سُنا رہا ہوں بہار کے گیت گا رہا ہوں

اگرچہ قطروں کی ہر ہیئے میرا ایک صورت ہوں کارواں کی
مگر روانی میں ہیں ادائیں عظیم اور رنگِ خودرواں کی
مری طرح کوئی کیا کریگا بہاریں سیرِ آسماں کی
عیان و پنہاں کرہے ہیں جتنے زمیں سے آنکھیں لڑا رہا ہوں

گرج کے نغمے سُنا رہا ہوں بہار کے گیت گا رہا ہوں

ادھر جوانوں کی خلوتوں میں پیامِ راحت ہے میری آمد

اُدھر کسانوں کی کھیتیوں میں نظامِ راحت ہے میری آمد

نکھر کے سبزہ اُگا رہا ہوں برس کے غنچے کھلا رہا ہوں

گرج کے نغمے سُنا رہا ہوں بہار کے گیت گا رہا ہوں

سرود سے مست ہے پپیہا سرور سے نغمہ گر ہے کوئل

دیا ہے وہ نطق میں نے انکو کہ بول اُٹھے ہیں منہ سے جنگل

ہوئے ہیں سیلاب پر چشمے جبال میں ڈالدی ہے ہلچل

خموشیوں کیلئے چمن کی خوشی کے پیغام لا رہا ہوں

گرج کے نغمے سُنا رہا ہوں بہار کے گیت گا رہا ہوں

میں صبح گلشن کی تازگی ہوں میں شام صحرا کی ہوں ملاحت

مجھی سے ہے معتقد سمندر مجھی سے کی ہے صدف نے بیعت

میں وجہ ہیجانِ حُسن بھی ہوں وفورِ رنگینیٔ محبت

شراب میں تھرتھرا رہا ہوں شباب میں مُسکرا رہا ہوں

گرج کے نغمے سُنا رہا ہوں بہار کے گیت گا رہا ہوں

---

# نہر نے مجھ سے کہا

(سرزمینِ "لالہ رخ" میں)

نشانِ شانِ بے نشاں    زبانِ آب و بے زباں
سرورِ دل نشاطِ جاں    مثالِ کارواں، رواں
میں جزوِ موجِ آب ہوں    حقیقتِ سراب ہوں
روانیِ شباب ہوں    جہانِ پیچ و تاب ہوں
طلسمِ صد حباب ہوں    اسیرِ انقلاب ہوں
بہی ہوئی شراب ہوں    خراب ہوں خراب ہوں
نشانِ شانِ بے نشاں    زبانِ آب و بے زباں

سرورِ دل نشاطِ جاں   مثال کاروانِ رواں

میں بے نیازِ رنگ ہوں   اگرچہ شوخ و شنگ ہوں

درائے بے درنگ ہوں   خود اپنی رو سے تنگ ہوں

روایتوں سے دنگ ہوں   نوائے سازِ جنگ ہوں

میں جوش ہوں اُمنگ ہوں   معِ سرود و چنگ ہوں

نشانِ شانِ بے نشاں   زبانِ آب و بے زباں

سرورِ دل نشاطِ جاں   مثال کاروانِ رواں

میں کوثرِ مجاز ہوں   فتادۂ نیاز ہوں

نمو سے سرفراز ہوں   اسیرِ تُرک و تاز ہوں

خود اک خرامِ ناز ہوں   کھُلا ہوا سا راز ہوں

میں زمزمہ نواز ہوں   جو چپ نہو وہ ساز ہوں

نشانِ شانِ بے نشاں   زبانِ آب و بے زباں

**سرورِ دل نشاطِ جاں — مثالِ کارواں رواں**

اگر میں نغمہ کوش ہوں — تو داستاں فروش ہوں

میں آبروئے جوش ہوں — صد آئینہ بدوش ہوں

مقامِ نائو نوش ہوں — پیامِ سُکر و ہوش ہوں

نہ دن کو بے خروش ہوں — نہ رات کو خموش ہوں

**نشانِ شانِ بے نشاں — زبانِ آب و بے زباں**

**سرورِ دل نشاطِ جاں — مثالِ کارواں رواں**

کریں جو عوزِ اہلِ دل — ہوں اِک مزاجِ مشتعل

نہ طولِ سعی سے خجل — نہ کاہشوں سے منفعل

کہیں ہوں آرزو بدل — کہیں وصالِ آب و گل

برائے قلبِ مضمحل — ہوں اک سروشِ مستقل

**نشانِ شانِ بے نشاں — زبانِ آب و بے زباں**

**سرورِ دل نشاطِ جاں　　مثالِ کارواں رواں**

تو میرے پاس آئے جا　　نشاطِ دل بڑھائے جا

سرورِ سیر اُٹھائے جا　　مثالِ کیف چھائے جا

غبارِ غم مٹائے جا　　خوشی یونہی منائے جا

جو یاد ہو وہ گائے جا　　پلائے جا پلائے جا

**نشانِ شانِ بے نشاں　　زبانِ آب و بے زباں**

**سرورِ دل نشاطِ جاں　　مثالِ کارواں رواں**

حدودِ کسل سے نکل　　شراب و شیشہ در بغل

کہ غفلتوں کا ماحصل　　نہ آج پائے گا نہ کل

یہ لغزشیں ہیں بے محل　　بہت بہک چکا سنبھل

جو ہے تلاشِ بالعمل　　تو میرے ساتھ ساتھ چل

**نشانِ شانِ بے نشاں　　زبانِ آب و بے زباں**

سرورِ دل نشاطِ جاں — مثالِ کارواں رواں

میں جب بھی مسکراؤنگی — اک آئینہ بناؤنگی

لطافتیں بڑھاؤنگی — کثافتیں بہاؤنگی

صبوحیاں پلاؤنگی — فضاؤں کو جگاؤنگی

میں بانسری اُٹھاؤنگی — اور اُس میں گائے جاؤنگی

نشانِ شانِ بے نشاں — زبانِ آب دیے زباں

سرورِ دل نشاطِ جاں — مثالِ کارواں رواں

---

# قطرہ کا سفر

بیزار ہو کے جزرِ دیم بیکراں چلا — اُٹھا فضا میں شور یہ قطرہ کہاں چلا

اک بوند ایک گوہرِ سیّال و آبدار — موجِ ہوا بہ صورتِ سیلِ رواں چلا

جھولا شعاعِ مہر نے ڈالا لطیف تر گہوارۂ صبیح میں ہو کر نہاں چلا

کچھ دیر تک فضاؤں میں شبنم بنا رہا کچھ دور تک خلاؤں میں بکھر دھواں چلا

## قطرہ سفر میں ہے

پہنچا جو آسماں پہ تو بادل سے مل گیا قوس و قزح کی قرمزی بوتل سے مل گیا

آگے بڑھا تو برق نے ہنس کر بلا لیا امین کی اک بجھی ہوئی مشعل سے مل گیا

پھر رعد کی مہیب صداؤں میں کھو گیا ابر سیہ کی چشم مکحل سے مل گیا

رنگینیٔ فضا کا اثر دیکھتا ہوا قطروں کے اِک نظامِ مکمّل سے مل گیا

## قطرہ سفر میں ہے

قطروں کا اجتماع محیطِ فلک ہوا قطرہ نمود پا کے گھٹا یک بیک ہوا

چھایا کچھ اس طرح کہ سمندر سمٹ گئے سایہ کناں فضا میں بہت دور تک ہوا

اِس طرح بن کے نقطۂ حدِ تعینات پھر شغلِ انحطاط میں خود منہمک ہوا

آنکھوں میں نقش مرکزِ اصلی کا جم گیا مضطر بجائے خود صفتِ مردمک ہوا

## قطرہ سفر میں ہے

یاد ایک بار مرجعِ اوّل جو آ گیا  قطرہ کی چشمِ شوق میں اندھیر چھا گیا

گرجا کہ اے گرہ خیتہ پایانِ بزمِ دہر  نازاں تھے جس پہ ہم وہ زمانہ چلا گیا

اِک بار جست کیجئے بامِ بلند سے  وہ جزو لافنا ہے جو کُل میں سما گیا

سب قطرے آب ہو گئے احساسِ ذوق سے  ذکرِ وطن حجاب کا پردہ اُٹھا گیا

## قطرہ سفر میں ہے

سب ملکے پھر نزول کو تیار ہو گئے  برسے کچھ اس طرح کہ گہر بار ہو گئے

قطرے پھر اپنے مرجع اوّل پر آ گئے  بارِ غمِ وطن سے سبکسار ہو گئے

صحرا نہائے باغ کو شادابیاں ملیں  چشمے سرورِ تازہ سے سرشار ہو گئے

بچھڑے ہوؤں سے ملگئے خود رفتگان بحر  امواج در کنار سب اِک بار ہو گئے

## قطرہ سفر میں ہے

لیکن سکوں نصیب نہ قطرہ ہوا کبھی  لرزا کبھی کنول پہ صدف میں رہا کبھی

سمٹا، بہا، خراب ہوا، منتشر ہوا
بحرِ فنا میں چین نہ اس کو ملا کبھی

بنکر بخارِ قلب زمیں بارہا اُڑا
لیکن فلک نے بھی نہ ٹھہرنے دیا کبھی

آوارگی سے رہ نہ سکا اِک جگہ قیام
راہی کبھی، رحیل کبھی، رہنما کبھی

قطرہ سفر میں ہے

---

# موجوں کے ساز پر ملّاح کا گیت

آئینۂ آب پر، موجۂ شاداب پر، چادرِ سیماب پر
سائۂ مہتاب پر، منظرِ شب تاب پر، جیسے مئے ناب پر

ہے مری کشتی رواں
اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بار پردۂ ہر ساز سے
وجد میں ہے جوئبارِ ہستیٔ آواز سے

جذبۂ بیہوش میں، راہِ سکوں کوش میں، سیلِ نوا پوش میں
کیف میں اور جوش میں، موج کی آغوش میں، رہ گزرِ نوش میں

ہے مری کشتی رواں

اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بار جذبۂ بیباک سے
رخصتِ غم ہے مرے سینۂ غمناک سے

نیند میں ہے جوئبار، کیف میں ہے لالہ زار، مست سرِ کوہسار
اینڈ رہی ہے بہار، سونے کو ہے آبشار، مجھکو نہیں ہے قرار

ہے مری کشتی رواں

اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بارِ عشرتِ بیدار سے
بھیگی ہوئی ہے صدا بارشِ انوار سے

بادہ میں جیسے سبو، جیسے چمن میں نمو، جیسے خلا میں علو
جیسے فضاؤں میں ہو، جیسے ہواؤں میں بو، جیسے رگوں میں لہو

ہے مری کشتی رواں

اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بارِ کیفیتِ جوش سے
حشرِ ترنم بپا ہے لبِ خاموش سے

ایسے ہی سارا جہاں، سوئے عدم ہے رواں، بحرِ فنا میں دواں
حاملِ صد داستاں، نغمہ زن و نوحہ خواں، جھیل میں جیسے یہاں

ہے مری کشتی رواں

اور ہوں میں نغمہ بار

اور ہوں میں نغمہ بار کثرتِ جذبات سے
صبح سے بھی بے نیاز لیکے سکونِ ذات سے

---

# برکھا رُت

حکومت ہے اچھوتے بادلوں کی آسمانوں پر
ہوائیں اُڑتی پھرتی ہیں لطیف و نازنین پریاں    چمکتی ہیں گرجتی ہیں طرب ریز و سرور افشاں
یہ مطلب ہے کہ چھڑکا جائیگا کوثر کسانوں پر

---

اُٹھی برکھا کی دیوی چوم کر بھیگا ہوا آنچل
نگاہیں اُٹھ گئیں ذرّوں کی سوئے آسماں بن میں    پھریری آگئی سبزہ کو صحنِ صاف گلشن میں
یہ سب کیفیتیں یکجا ہوئیں اور بن گئیں بادل

کلیسا، دیر، مسجد، کوہ، بستی اور ویرانے

سب آئے غسل کرنے سایۂ نور و لطافت میں ہوئے بچھڑے ہوئے سب متحد نوروزِ فطرت میں

مرتب ہو گئے پھر منتشر تھے جتنے افسانے

---

زمانہ مستقل وجہِ قرارِ زندگی رہتا

یہی معصوم بادل میرے سر پر آسماں ہوتے یہی چھینٹے مجھے آبِ حیاتِ جاوداں ہوتے

ازل سے تا ابد اے کاش اک موسم یہی رہتا

---

# شفق کی پیشین گوئی

اے بستی کے رہنے والو! اٹھو میری آواز سنو

جو میرے رنگیں پردوں میں پوشیدہ ہیں وہ راز سنو

جب سورج منزل پہ جا کر اہلِ منزل سے ملتا ہے
میرے ہی نازک دامن پہ الہام کا گلشن کھلتا ہے
مغرب میں بحثیں ہوتی ہیں انسانوں کے مستقبل پر
ان بحثوں کا عکسِ ناطق پڑتا ہے میرے محمل پر
بادل کے صفحوں پر میں سب وہ باتیں لکھتی جاتی ہوں
اور پھر فردوسی لہجے میں رنگین ترانے گاتی ہوں
میرے جوشیلے نغموں سے اک آگ نمایاں ہوتی ہے
دُنیا کی دھندلی محفل میں جو وجہ چراغاں ہوتی ہے
ایوانِ زنگار رنگ مرا الہاموں سے بھر جاتا ہے
پھر میرا سازِ خاموشی تاروں کو راگ سُناتا ہے
تارے پھولوں کی طرح فضائے عالم پر کھل جاتے ہیں
ماضی و مستقبل کے دونوں وقت گلے مل جاتے ہیں

تم ایک ہی اپنے عالم میں گرویدہ ہو رنجیدہ ہو
ہر وقت اسیرِ حال ہو لیکن مستقبل نا دیدہ ہو
تا حدِ نظر تاریکی سی محسوس کیا کرتے ہو تم
اس تاریکی میں نظروں کو مایوس کیا کرتے ہو تم
اپنے ماحولِ اعظم کا کچھ حال تمہیں معلوم نہیں
کس وادی میں ہے خورشیدِ اقبال تمہیں معلوم نہیں
وسعت نظروں میں ہو تو نظر آئے اپنا انجام تمہیں
تم حال پرستِ ماضی ہو مستقبل سے کیا کام تمہیں
گردابِ دور و تسلسل میں جو چیزیں گردش کھاتی ہیں
نظروں میں پھرتی ہیں پیہم پھر پوشیدہ ہو جاتی ہیں

فانوسِ خیالی ہے دنیا انساں تصویرِ گرداں ہے
اِک چکر ہے تصویروں کو یہ رسمِ بزمِ دوراں ہے

رنج اور خوشی مال اور غنا سب چلتے پھرتے سائے ہیں
کل نظروں سے چھپ جائینگے جو آج نظر میں آئے ہیں

ہے نام "فنا" اِس چھپنے کا لیکن باقی سب چیزیں ہیں
انسان سمجھ سکتا ہی نہیں کتنی ناقص تمیزیں ہیں

دانہ بویا کلّہ پھوٹا، شاخیں نکلیں، پھل پھول لگے
پودا بڑھ بڑھ کر پیڑ بنا پھر نکلی کوپل پھول لگے

پھل میں وہ دانہ کثرت سے پوشیدہ اور پنہاں نکلا
سب جس کو دانہ سمجھے تھے وہ ایک جہانِ جاں نکلا

پھر پھل ٹوٹا دانے بکھرے پھر خاک نے اُنکو گھیر لیا
صورت نے گویا معنی کی جانب رُخ اپنا پھیر لیا

پھر ہر دانے سے پیڑ اُگا پتّے پھوٹے اور پھل نکلے
پھر پھولوں میں رنگت دوڑی پھر ریشوں میں رس چل نکلے
القصّہ جتنے عالم ہیں سب فانی ہو کر باقی ہیں
یہ ساغر، صہبا، پیمانے سب اگلے دَور کے ساقی ہیں

---

اِس سے میرا مطلب یہ نہیں چولے انسان بدلتا ہے
انسان رہِ معراج کا اک رہگیر ہے اوپر چلتا ہے
ذرّوں سے مٹّی، مٹّی سے پتھر، پتھر سے پھول بنا
پھولوں سے دانہ، دانے سے اِک پیڑ بہت معقول بنا
پھر پیڑ کے عنصر جو ہر بنکر جزوِ غذائے عام ہوئے
تکمیل پھر ان اجزا کی ہوئی وہ اجزا سے اجسام ہوئے
اجسام نے انسانیت کا اِک بیش بہا خلعت پایا

جو پیکرِ خاک اور پانی تھا وہ پیکرِ انساں کہلایا
انسانیّت کے جامے میں انسان کو اِک ادراک ملا
اک عرفانِ دل تاب ملا اک فہمِ وسعت ناک ملا
انساں کے عنصر چھو کر آخر روح فلک پرواز ہوئی
پھر روح ملک بنکر جھومی پھر قربت سے ممتاز ہوئی
یہ روح کہ تھی اک جزو محیطِ انوارِ ربّانی کا
جس طرح سمندر سے چھُٹ کر بہہ جائے قطرہ پانی کا
پھر کُل نے اُس کو جذب کیا قطرہ قلزم آغوش ہوا
ہنگامہ دورِ ہستی کا ساکن ہو کر خاموش ہوا

---

ہر دور نظامِ عالم کا ہے ساتھ نظامِ عالم کے
جو بجلی آج چمکتی ہے وہ کل چمکے اور پھر چمکے

جو محفل آج اُجڑتی ہے آباد وہ کل ہو جائیگی

جو بستی آج سنورتی ہے برباد وہ کل ہو جائیگی

جو کلیاں اب پژمردہ ہیں وہ پھول بنینگی کھل کھل کر

مہجور جو آج افسردہ ہیں وہ خوب ہنسیں گے مل مل کر

ہے رات تو اس کے بعد سحر انوار بھی لیکر آئیگی

ہے صبح تو شب تاروں کے چمکتے ہار بھی لیکر آئیگی

عُسرت عشرت سے بدلیگی زحمت رحمت سے بدلیگی

فاقہ سیری سے بدلے گا آفت راحت سے بدلیگی

جو ذرّے آج تپیدہ ہیں اِن ریتیلے میدانوں میں

یہ سورج بن کر چمکیں گے آزادی کے بُستانوں میں

جو قطرے آج اُفتادہ ہیں گمنامی کی آلائش میں

وہ دریا بن کر اُمڈیں گے دُنیا کی ہر گنجائش میں

جو قوم ہے پستی میں گر کر محرومِ بلندی آج یہاں

پھر اُس کو عروجِ قومی کی حاصل ہو گی معراج یہاں

پھر ظلمت گاہِ عالم پر انوار کا پرچم چمکے گا

پھر دھوپ چڑھے گی کوٹھوں پر پھر نیرِ اعظم چمکے گا

ان نیّت کے پیکر میں کچھ روحیں ڈھالی جائینگی

پھر اِس بوسیدہ سانچے میں دنیائیں ڈھالی جائینگی

پھر ہر افسردہ ذرّے میں تاروں کی محفل چمکیگی

پھر ہر افتادہ پیکر کے قدموں میں منزل چمکیگی

پھر عشرت کے ساغر لیکر محفل میں ساقی آئیگا

قسمت کے بھرے میخانے سے جو کچھ ہے باقی آئیگا

جو آج نہیں وہ کل ہو گا مایوسی سے کیا حاصل ہے

ہر ماضی حال کا آئینہ ہر حال میں اِک مستقبل ہے

# جب بادل مجھ سے نیچے تھے

## (کوہ منصوری کی ایک فلک بوس چوٹی پر)

---

معیارِ سیر و تماشا سے اب ہر دلچسپی کھوٹی ہے
عشرت میں ہے ہر عضوِ تن فرحت میں بوٹی بوٹی ہے
جن چند بلند چٹانوں پر بجلی راتوں کو لوٹی ہے
وہ سب پابوسِ ساغر ہیں دنیا نظروں میں چھوٹی ہے

**میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے**

---

احساس بھی تر ہو جاتا ہے جب سرد ہوائیں آتی ہیں

لرزش بالوں کو ہوتی ہے سانسیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں
تا دور عمیق خلاؤں میں ہر سمت فضائیں خالی ہیں
مستور نشیبِ رنگیں میں کچھ چیزیں کالی کالی ہیں
**میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے**

---

پستی کچھ دُھندلی دُھندلی ہے عالم کچھ میلا میلا ہے
دنیا پر کہر سا طاری ہے ہر سمت دھواں سا پھیلا ہے
شاداب درختوں کی شاخیں جُھک کر سجدے میں گرتی ہیں
آزاد بلند فضاؤں میں کچھ چڑیاں اُڑتی پھرتی ہیں
**میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے**

---

نظروں سے دور خلاؤں میں ہیبت آگیں اک بستی ہے

جس کی وسعت میں فطرت کی خاموش اک بستی ہے
سب گلشن مجھ سے نیچے ہیں سب جنگل مجھ سے نیچے ہیں
میں ہر بادل سے اونچا ہوں اور بادل مجھ سے نیچے ہیں
**میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے**

---

کچھ ناہموار چٹانیں ہیں اُن پر سنگیں کاشانے ہیں
آبادی میں ہر جا روشن بجلی سے خلوت خانے ہیں
ٹیڑھی، سیدھی اونچی نیچی سڑکیں کوسوں پھیلا دی ہیں
کہسار میں بھی انسانوں نے کیا زندگیاں دوڑا دی ہیں
**میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے**

---

آنکھوں میں کرنیں بھرنے کو کچھ "کافر صبحیں" پھرتی ہیں

کُہرے کی ردا میں چھپ چھپ کر جنت کی حوریں پھرتی ہیں
کچھ رنگ ہوائیں لاتی ہیں اِن تیلوں پر بھر دینے کو
گلزارِ مجسّم نکلے ہیں انگڑائی فضا میں لینے کو
میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے

---

یہ سیدھے سادے قامت میں محجوب جھلک عریانی کی
یہ خاورِ رنگ عذاروں میں محبوب چمک تابانی کی
یہ حُسن کا عام اک نظارہ یہ منظر دل لینے والے
دل دینے والے کمتر ہیں اور اکثر دل لینے والے
میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے

---

بادل کے سایے وادی کی گودی میں مچلے پھرتے ہیں

میں پردوں میں چھپ جاتا ہوں اکثر جب بادل گھرتے ہیں

ہر ابر کی آغوشِ تر میں اِک موجِ تبسّم پاتا ہوں،

سب جس کو بجلی کہتے ہیں میں ہنس ہنس کر چمکاتا ہوں

**میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے**

---

ہیں زیرِ نظر وہ سب دریا جو صحرا میں لہراتے ہیں

گلشن غنچہ بنکر نظروں میں آتے ہیں کھو جاتے ہیں

سرکش مجھ سے مغلوب ہیں اور مغرور بھی مجھ سے نیچے ہیں

اس وقت سلاطیں کے قصرِ بلّور بھی مجھ سے نیچے ہیں

**میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے**

---

لیکن یہ علو یہ اوجِ نظر میری ہی نظر کی پستی ہے

یعنی عالی تر اِک دنیا اِس سے اوپر بھی بستی ہے
سورج، تارے، چاند اور فلک اور پھر ان سب کا دور بھی ہے
جب غور کیا محسوس ہوا مجھ سے اوپر کچھ اور بھی ہے
گو اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے

---

# چاند کا تبصرہ ماضیات عالم پر

---

روشنی ہوئی پیدا
چاند ابر سے نکلا
چاند کی شعاعوں نے

## صفحۂ بصارت پر

رات کو بخطِ زر تبصرہ سا اک لکھا

"اے مفسرِ اعظم ترجمانِ شب شاعر!
چاہتا ہے تو لکھنا داستانِ شب شاعر

تیرے ذہن کو حاصل ہے سکونِ بیداری
ہے مگر طبیعت میں کاوشِ گرانباری

تیرا علم ناقص ہے ہر خیال ناقص ہے
جو کمال ہے تجھ میں وہ کمال ناقص ہے

تیرا علم اکثر ہے منحصر روایت پر
تو نے کب نظر ڈالی نکتہ زارِ فطرت پر

کہکشاں کی سطروں سے اخذ کب کیے معنی
تو نقاطِ انجم کو جانتا ہے لایعنی

صفحۂ فلک کو تو لوحِ سادہ سمجھا ہے
ہالۂ منوّر کو نقشِ جادہ سمجھا ہے

قوس کا خطِ رنگیں ایک سطرِ مہمل ہے
ہر کشش ثریّا کی لفظِ نامکمل ہے

تو نے کتبۂ پرویں آج تک نہیں سمجھا
تو یہ طغرۂ زرّیں آج تک نہیں سمجھا

دیکھ میرے دامن میں واردات کی مشعل
واقعاتِ ماضی کا ہوں مورخِ اوّل

دیکھ میری کرنوں میں آئینے حوادث کے
پوچھ مجھ سے افسانے اِس جہانِ حادث کے"

ایک ابر کا ٹکڑا
چاند کا بنا پردا
چاند ہو گیا پنہاں منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا
چاند ابر سے نکلا
چاند کی شعاعوں نے
رات کو بخطِ زر تبصرہ سا اک لکھا

"ابتدائے عالم کا میں ہوں اک تماشائی یاد ہے ہر اک منظر گلبنی و صحرائی
پیر زالِ دنیا کو حور میں نے دیکھا ہے شبستانِ عالم کا نور میں نے دیکھا ہے
تشنۂ تمدن تھی فطرتِ بنی آدم تھا نگاہِ ہستی میں انتظار کا عالم
پھول ناشگفتہ تھے غنچے نو دمیدہ تھے فرشِ خاک پہ ذرے عصمت آرمیدہ تھے

قد میں تھا وقارِ کوہ اور جسم بالیدہ مرتفع تھی سطحِ ارض راستے تھے پیچیدہ"

ابر کا پھر اک ٹکڑا

چاند کا بنا پردا

چاند ہو گیا پنہاں منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا

چاند ابر سے نکلا

چاند کی شعاعوں نے

رات کو بخطِّ زر تبصرہ سا اک لکھا

"رفتہ رفتہ دنیا میں اضطراب سا پھیلا بن گیا ہر اک گوشہ ایک حشرِ ہنگاما

تھا خدائی پر طاری ایک عالمِ وحشت بربرّیت کامل انتہائے بدویّت

نظم و نسقِ ہستی پر کیف کی حکومت تھی ہمکناری و مستی شانِ آدمیّت تھی

مجلس کے وجہ تھی مرکزِ مے و نغما　　آتشِ تنعّم سے شعلہ زار تھی دنیا

فارس اور یوناں پہ حکمتیں برستی تھیں　　نفسِ قلبِ انساں پہ عظمتیں برستی تھیں

اپنی پردہ داری پر آدمی کو نازش تھی　　پردہ دارِ فطرت کو حسرتِ نمائش تھی"

ابر کا بھرا اک ٹکڑا

چاند کا بنا پردا

چاند ہو گیا پنہاں　　منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا

چاند ابر سے نکلا

چاند کی شعاعوں نے

رات کو بخطِّ زر　　تبصرہ سا اک لکھا

"یہ ہوا ہے دنیا میں اور میں نے دیکھا ہے　　ابتدا سے اب تک کا دور میں نے دیکھا ہے

میں نے خوب دیکھا ہے زورِ کبرِ شاہانہ — یاد ہے مجھے اب تک اس جہاں کا افسانہ

کارزارِ عالم میں آ گیا تھا اِک طوفاں — جس کی تُند موجوں میں میرا عکس تھا غلطاں

صولتِ براہیمی ہے مشاہدہ کل کا — وہ تمرُّدِ نمرود آذری و بت خانا

برقِ طورِ ایمن کا سوز میں نے دیکھا ہے — میرے سامنے تارا مصریوں کا چمکا ہے

میں نے طور پر دیکھا تجلیوں کے شبخوں کو — لقمۂ زمیں دیکھا میں نے گنجِ قاروں کو"

ابر کا بھرا اک ٹکڑا

چاند کا بنا پردا

چاند ہو گیا پنہاں — منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا

چاند ابر سے نکلا

چاند کی شعاعوں نے

## صفحۂ بصارت پر

رات کو بخطِ زر    تبصرہ سا اک لکھا

"نے نوازِ فطرت نے لی جو ایک انگڑائی    برج کی فضاؤں سے اک نئی صدا آئی
شانِ بُت گری چمکی فرِّ کافری جاگا    آنکھ میں گوالے کی سحرِ آذری جاگا
حسنِ خوش نوا نکلا رنگِ سادگی لیکر    گلہ بان اُٹھ بیٹھا اپنی بانسری لیکر
آدمی کے عشووں میں شان تھی بشارت کی    بانسری کے نغموں سے زندگی نے بیعت کی
اِک نوائے دیرآرا برگ و سازِ صحرا تھی    ہر اُٹھان نغمے کی موج خیزِ جمنا تھی
جُوئبار پر حوریں غسل کرنے آتی تھیں    ہر طرف نگاہوں سے جنتیں بناتی تھیں
مستیوں کی گودوں میں ساحل آبشاروں کے    بن رہے تھے گہوارے حسن کی بہاروں کے
حُسن مسکراتا تھا آب و رنگِ مے بنکر    عشق دل چُراتا تھا بانسری کی لے بنکر"

ایک ابر کا ٹکڑا

چاند کا بنا پردا

چاند ہو گیا پنہاں      منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا

چاند ابر سے نکلا

چاند کی شعاعوں نے

رات کو بخطِ زر      تبصرہ سا اک لکھا

"میں نے خوب دیکھا ہے جوشِ جنگ و خونریزی      قتل اور وہ سفاکی ظلم اور جفا خیزی

رستم و تہمتن کو سام اور نریماں کو      سربدست دیکھا ہے زالِ مرد میداں کو

کل کی بات ہے دارا تھا حریف اسکندر      زور پر تھے کلدانی زور پر تھے دنیا گر

خون کے سمندر بھی میں نے بہتے دیکھے ہیں      گرز پھیرنے والے کھیت رہتے دیکھے ہیں

وہ محل فریدوں کے وہ جلالتِ کسریٰ      وہ نظامِ زرتشتی وہ نظامتِ کبریٰ

وہ تغیرِ عالم وہ تفاخرِ فطرت      وہ ترقیِ ظلمت وہ ترقیِ وحشت

وہ تبسمِ طائف، وہ ترنّمِ وحدت　　وہ تکلم کعبہ، وہ تلاطمِ کثرت
دفعتًہ وہ انگڑائی واقعات کا لینا　　مُطلقًا نئی کروٹ کائنات کا لینا
وہ فضائے یثرب میں انقلاب کا ہونا　　ضوفگن مدینہ میں آفتاب کا ہونا
ڈالدی حقیقت نے اک نگاہِ مستانہ　　گوشہ گوشہ عالم کا بن گیا پری خانہ
میں نے لرزشیں دیکھیں بارگاہِ کسریٰ میں　　میں نے جنبشیں دیکھیں پائے لات و عزّیٰ میں
نور کے دھندلکے میں تا بہ آسماں میں نے　　گونجتے سنے اکثر نعرۂ اذاں میں نے
مُنھ سے بول اُٹھے پتھّر نطقِ سر بسر بنکر　　شامِ بتکدہ نکھری کعبہ کی سحر بن کر"

ابر کا بھرا اک ٹکڑا

چاند کا بنا پردا

چاند ہو گیا پنہاں　　منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا

چاند ابر سے نکلا

چاند کی شعاعوں نے

صفحۂ بصارت پر

رات کو بخطِّ زر تبصرہ سا اک لکھا

"میں نے سینکڑوں قومیں کامیاب دیکھی ہیں پھر اسیرِ گردابِ انقلاب دیکھی ہیں

مٹ گیا نشاں جس کا وہ جلال دیکھا ہے اب نہیں گماں جسکا وہ کمال دیکھا ہے

جس جگہ مزین تھے لاکھ قصر اور ایواں میں نے اس جگہ پایا اک خرابۂ ویراں

حسن کو محبت میں خون روتے دیکھا ہے اک دا میں مجنوں کو جذب ہوتے دیکھا ہے

حسن جب چمکتا تھا شوکتِ جمالی سے نور چھین لاتا تھا عالمِ ہلالی سے

عشق جب تڑپتا تھا اپنی بدحواسی میں بھیگ بھیگ جاتی تھی چاندنی اداسی میں

میں نے حیرتِ وحشت دشت میں لٹائی ہے میں نے قسمتِ خلوت صبح تک جگائی ہے"

ابر کا پھر اک ٹکڑا

چاند کا بنا پردا

چاند ہوگیا پنہاں    منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا

چاند ابر سے نکلا

چاند کی شعاعوں نے

صفحۂ بصارت پر

رات کو بخطِ زر    تبصرہ سا اک لکھا

"میں نے بربریّت کے ظلم و جور دیکھے ہیں    میں نے آدمیّت کے سخت دور دیکھے ہیں

میں نے دشتِ کوفہ میں قتل کارواں دیکھا    خونچکاں زمینوں کو زیر آسماں دیکھا

مینے عالمِ خونیں کربلا کا دیکھا ہے    خون ذرّے ذرّے پر آگ بنکے چمکا ہے

ظلم کی کمانوں کو تیر جوڑتے دیکھا    تشنہ لب جوانوں کو جان توڑتے دیکھا

اُف وہ منظرِ ویراں اور غبار آسودہ — بے کفن وہ کچھ لاشیں خون و خاک آلودہ

اپنی جلوہ گاہوں سے پھینک کر ضیا میں نے — پائمال جسموں پر ڈال دی ردا میں نے

جب خیام سے نالہ شعلہ ریز آتا تھا — حالتِ زمیں معلوم میں تو کانپ جاتا تھا

ہاں میں بدر بن کے چمکا میں حنین پر گزرا — ہے نظر میں وہ عالم جو حسینؑ پر گزرا

شام کی فضاؤں کو تازگی نہیں ملتی — اس زمین پر اب تک چاندنی نہیں کھلتی"

ابر کا پھر اک ٹکڑا

چاند کا بنا پردا

چاند ہو گیا پنہاں — منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا

چاند ابر سے نکلا

چاند کی شعاعوں نے

## صفحۂ بصارت پر

رات کو بخطِ زر تبصرہ سا اک لکھا

جب بچھی بساطِ علم بزمِ ہندوایراں میں
ہوگئے اضافے کچھ عظمتوں کے ساماں میں

اکبر و ہمایوں کی میں نے ریتیں دیکھیں
غزنوی و خسرو کی میں نے صحبتیں دیکھیں

میں نے جاکے چھیڑے ہیں خلوتوں میں سازِ اکثر
میں نے خود سنوارے ہیں گیسوئے ایازِ اکثر

میں نے خوب دیکھی ہے عشرتِ جہانگیری
ذہنِ حکمرانی کی فکرِ آسماں گیری

غنچوں کے ہاتھوں میں میں نے جام دیکھے ہیں
صبح آفریں جلسے بعدِ شام دیکھے ہیں

جو خودی کے خوگر تھے اُن کو مست دیکھا ہے
میں نے خود پرستوں کو مے پرست دیکھا ہے

ہے نگاہ میں اب تک رقصِ تختِ طاؤسی
اور پھر وہ محفل کی دردناک مایوسی

منقلب گھڑی بھر میں کائنات دیکھی ہے
بزمِ عیش و عشرت کی پچھلی رات دیکھی ہے

ابر کا پھر اک ٹکڑا

چاند کا بنا پردا

چاند ہو گیا پنہاں      منتظر میں بیٹھا تھا

---

روشنی ہوئی پیدا

چاند ابر سے نکلا

چاند کی شعاعوں نے

رات کو بخطِّ زر      تبصرہ سا اِک لکھا

عالمِ ادب میں نے بے تکان چھانا ہے      اس جہاں کا "دار الشعر" میرا درس خانہ ہے

انوریؔ، قاآنیؔ، سعدیؔ و فردوسیؔ      ہیں یہ سب مرے شاگرد جامیؔ و نظامیؔ بھی

میرے سرد منظر میں شاعروں کی دنیا ہے      میری چاندنی گویا ذہن کا اُجالا ہے

تابشیں مری ان کو بولنا سکھاتی ہیں      قلب تک مری کرنیں نطق لیکے جاتی ہیں

لفظ بنکے اُڑتے ہیں پھر دماغ تک جوہر      روح انکو لاتی ہے ذہن سے نئے بانوں پر

ہر کشش کو کاغذ پر رنگ و آب دیتا ہوں      دائروں کو تشکیلِ آفتاب دیتا ہوں

سعدی و عراقی کو عرفی و غنیمت کو — میر و درد و سودا کو مصحفی و جرأت کو

سب کو میں نے لے دی ہے دل میں بولنے والی — اک ادا سکھا دی ہے راز کھولنے والی

آتش اور ناسخ نے پائی میری تشبیہیں — غالب اور مومن پر چھائیں میری تنزیہیں

میں نے چشمِ غالب کو بادہ بار دیکھا ہے — میں نے نبضِ مومن کا انتشار دیکھا ہے

میری ہی شعاعوں سے میر نے لکھا تھا — "دل کہاں کہ گم کیجے دل کا مدعا پایا"

دفعتاً سماں بدلا

رنگِ آسماں بدلا

یعنی صبح کا تارا

آسمان پر نکلا

چاند ہو گیا پھیکا

نور خود بخود سمٹا

چونک کر کہا اچھا

لو سلام رخصت کا

تھا یہ نامکمل سا ۔ ناتمام افسانا

حسیں کل پھر آؤں گا ۔ اب ٹھہر نہیں سکتا

صبح آئی نور افشاں

چاند ہو گیا پنہاں

"منتظر میں بیٹھا تھا"

---

## جامعِ فطرت

کبھی نظارہ تیرا درس گیرِ صنع آذر ہے ۔ کبھی تیری نظر ہم مکتبِ خاقان و سنجر ہے

حسینوں میں کبھی ہے منتشر حسنِ نظر تیرا ۔ کبھی ہے آستانِ دولتِ دنیا پہ سر تیرا

علومِ ظاہری سے رونقیں ہیں تیری محفل کی ۔ کبھی منطق کبھی ہے فلسفہ خواہش ترے دل کی

رباب و نغمہ و نے جام و مے ہیں ستیاں تیری
صدا و رنگ پر موقوف ہیں رعنائیاں تیری

یہ اسبابِ تنعّم اور یہ سامان عشرت کے
شراب و شاہد و ساقی مصاحب شامِ خلوت کے

در و دیوار پر چسپاں نظر کش چند تصویریں
یہ بے معنی کتابیں اور یہ بیکار تحریریں

یہ علمِ ہندسہ یہ فنِّ ہیئت اور نقاشی
یہ ہذیانِ دماغ و ذہن کی ناقص گہر پاشی

غرض اُلجھا ہوا ہے تو فریبِ خود پرستی میں
ترقی ہے ترے حالات کی اقصائے پستی میں

بلند اپنی نظر کر دیکھ عالم بزمِ فطرت کا
تجلی ریز ہے رفعت میں آئینہ حقیقت کا

حدودِ عقل سے باہر نکل اور بے خبر ہو جا
نظر کے ساتھ آزادِ قیودِ بام و در ہو جا

مذاقِ حُسنِ ظاہر چھوڑ دے تکلیف معنیٰ کر
عجب اللہ راز پرور ہے محفلِ باطن تماشا کر

طلوعِ صبح دیتا ہے تجھے اک درسِ بیداری
سوادِ شام کے لب پر ہے الہامِ بقا جاری

یہ کہسار اور چشمے یہ بیاباں یہ چمن خانے
یہ سورج کی صبوحی اور یہ تاروں کے پیمانے

نکلنا چاند کا اور چاندنی راتوں کی نقاشی
یہ پیپل کے درختوں سے شعاعوں کی ضیا پاشی

یہ پھولوں کا مہکنا اور چٹکنا بند کلیوں کا　　کہیں نکہت کا بہنا اور کہیں نغموں کا ہنگاما

کواکب کے ترنم سے ٹپکنا اشکِ شبنم کا　　ثوابت کے تبسم سے لچکنا موجۂ یم کا

"بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم"

---

## سحرِ فطرت

---

یہ فضا دشت کی یہ چاندنی رات

یہ ہوا یہ خموشیِ ذرّات

آسماں سے نزولِ نورِ حیات

سطحِ سیمیں پہ بارشِ لمعات

## یہ بھی اک شعر ہے: ——— جمالِ حیات

---

دشت میں بہہ رہا ہے اک چشما

جس میں مخزن ہے صاف پانی کا

اس کی موجوں میں ہے اک آئینا

ہے تماشائی وسعتِ صحرا

## یہ بھی اک شعر ہے: ——— چھلکتا سا

---

اِک حسیں مطربہ ہے زمزمہ بار

جس کی ہر تان ہے وداعِ قرار

جس کے نغموں میں ہے شکستِ خمار

جس کے عشووں سے مستیاں بیدار

## یہ بھی اِک شعر ہے :— صدا بکنار

---

اِک گدا دل شکستۂ دوراں
اپنے ماحول میں ہے سرگرداں
کوئی مقصد نہ ہے کوئی ارماں
قانع و بے نیازِ ہر دو جہاں

## یہ بھی اک شعر ہے :— بہ خود نازاں

---

ایک بیوہ ہے بیقرار و خموش
جسکے دل میں نہاں ہے موجۂ جوش
جسکی آنکھیں خرابِ نشۂ دوش
ہمہ تن یاس و صد شکیب فروش

## یہ بھی اک شعر ہے : ـــــ فسانہ بدوش

---

ایک زرّین و ضوفشاں نقطا
چاند کہتی ہے جس کو سب دنیا
زینتِ ارض و آسماں آرا
لیلیٰ شب مسافرِ تنہا

## یہ بھی اِک شعر ہے : ـــــ فلک پیما

---

ایک بیکس ہے بے قصور و گناہ
مجرمِ عشق اور اسیرِ نگاہ
نہ ٹھکانہ کہیں نہ جائے پناہ
لبِ خاموش، ترجمانِ صدآہ

## یہ بھی اک شعر ہے:۔۔۔۔۔ خراب وتباہ

---

ایک میکش پڑا ہے برسرِ راہ

جام بر سینہ میکدہ بہ نگاہ

جوشِ مستی سے اختیار تباہ

شوقِ مے دل میں لب پہ یا اللہ

## یہ بھی اِک شعر ہے:۔۔۔۔ نشاطِ گُناہ

---

یہ چمن اور یہ بہارِ شکیل

اِس میں یہ پھول معجزاتِ خلیل

دیکھکر جن کو رنج ہو تحلیل

جذبۂ انبساط کی تکمیل

## یہ بھی اک شعر ہے: ــــــ جوان و جمیل

---

نزع میں ایک شاعرِ مشہور

ہے غریقِ خیالِ طلعتِ حور

متجلّی جبیں سے مطلعِ نور

تجزیہ ہے خیال کا منظور

## یہ بھی اک شعر ہے: ــــــ مگر منثور

---

انجمن، شمع اور پروانہ

بُتکدہ کعبہ اور میخانہ

بادہ و جام اور پیمانہ

باغ اور کوہسار و ویرانہ

## یہ بھی سب شعر ہیں: —— اورافسانہ

---

الغرض ساغرِ سرور طراز
کیوں نہ ہو شاعری پہ اب مجھے ناز
شعر ہی شعر ہے یہ عالم راز
جسے کہتے ہیں فطرت خودساز

## وہ بھی اک شعر ہے: —— بصیغۂ راز

---

# منوراؔ[1] کی گھاٹی میں

یوں نہ رہ رہ کر ہمیں ترسائیے آئیے، آجائیے، آجائیے!

---

[1] نینی تال کی ایک گھاٹی

پھر وہی دانستہ ٹھوکر کھائیے ۔۔۔ پھر مری آغوش میں گر جائیے
مست جس سے ہوگئی تھی کائنات ۔۔۔ پھر اُسی انداز سے شرمائیے
راہ ہے یہ چوٹیاں یہ گھاٹیاں ۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے کھو جائیے
پھر ہمیں حیرت میں گم کر دیجئے ۔۔۔ مُسکرا کر پھر ہمیں پا جائیے
یہ فضائیں مست اور میخوار ساز ۔۔۔ ہاں نظر سے میکدے برسائیے
یہ ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی مست مست ۔۔۔ گرم سینہ میرے دل تک لائیے
یہ صنوبر، چیل اور یہ دیودار ۔۔۔ حُسنِ قامت سے انہیں شرمائیے
یہ فضا گاتی ہوئی مست خموش ۔۔۔ ہاں ذرا اس وقت کچھ فرمائیے
نغمہ زن ہیں وادیوں میں آبشار ۔۔۔ آپ بھی ہلکے سُروں میں گائیے
لیلیٔ مہتاب ہو محوِ تلاش ۔۔۔ سایۂ مجنوں[ا] میں پھر چھپ جائیے
چھا رہی ہے موت سی ماحول پر ۔۔۔ آئیے اور زندگی بن جائیے

---

[ا] ویپنگ ولو - ۱۲

وادیاں ہیں گود پھیلائے ہوئے
ابر کے پردے ہی میں آ جائیے

آہ یہ سیمیں رُلائی کہر کی
نیلگوں آنچل ذرا لہرائیے

یہ دُھندلکا دامنِ کہسار کا
نور برساتے ہوئے آ جائیے

چاندنی اور پھر فضائے دیودار
بن کے ساقی میکدہ بن جائیے

میری دنیا منتظر ہے آپ کی
اپنی دُنیا چھوڑ کر آ جائیے

یہ ہوا ساغر یہ ہلکی چاندنی
جی میں آتا ہے یہیں مر جائیے

---

# کافر گھٹائیں

یہ ظالم ہوائیں یہ کافر گھٹائیں
چلی آئیں تنہا اُنہیں بھی تو لائیں

# جمنا

## سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

جس کے پائے ناز مسجودِ فقیر و شاہ تھے
جس کے ساحل تیر اندازوں کی جولانگاہ تھے

چاندنی میں جسکی ٹھنڈی ریت پر سوتے تھے ہم
نیلگوں دھارے میں جسکے غوطہ زن ہوتے تھے ہم

جس نے پانڈو کے دلِ ویراں کو بخشی زندگی
جسکی ہر اک موج بھی تسکین کا اِک جام تھی

ساحلوں پر جسکے صحرائے لق و دق تھا کبھی
جو درندوں اور حیوانوں کا تھا ملجا کبھی

ذوق نے الفت کے جس کو رشکِ گلشن کر دیا
گُل بدامن کر دیا جنت بدامن کر دیا

جس کو پانڈو نے سنوارا کیا وہ دوشیزہ ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو
جسکے آگے سر جھکا تھا قُلزم وہی دریا ہے تو

جسکے پاکیزہ کنارے مندروں کے شہر تھے — جسکے قطرے دیکھنے والوں کو رشکِ بحر تھے

جسکی گودی میں ہزاروں قلعے تھے لاکھوں چمن — جسکی موجوں میں بہا کرتی تھی دنیا اور دھن

جو کبھی صورت نمائے کوثر و تسنیم تھی — جسکے ساحل پہ گھنے کنجوں کی اک فردوس تھی

جسکے ساحل سے بہادر زندگی پاتے رہے — ارجن و بھیم و یدھشٹر گرز چمکاتے رہے

آسماں جنت کے موتی جس پہ برساتا رہا — آریہ عظمت کا جھنڈا جس پہ لہراتا رہا

جس کو جوہر نے تراشا تھا وہی ہیرا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو — نو عروسِ گلستاں، دوشیزۂ صحرا ہے تو

جس کے سینے پر کنول کے پھول کھلتے تھے کبھی — ساری دنیا کے خزانے جسمیں ملتے تھے کبھی

جسکی چوٹی موتیوں کی کان تھی ہیروں کی جاں — بھیک جس سے مانگتے تھے نور کی ہفت آسماں

جسکی چھاتی گوشۂ آغوشِ مادر تھی کبھی — جسکی گودی امن و راحت کا مندر تھی کبھی

جو کبھی میٹھے سروں میں گا کے بہلاتی بھی تھی — اور کبھی پیڑوں کے سائے میں سلا جاتی بھی تھی

فرض کو اپنے اگر ہم بھول جاتے تھے کبھی ‏ ‏ بیخودی میں عیش کی محفل جماتے تھے کبھی

تند خو موجوں کے نغموں سے جگا دیتی تھی تو ‏ ‏ اُٹھ کے اپنے پاؤں کے گھونگرو بجا دیتی تھی تو

محفلِ ہندوستاں کی مست رقّاصہ ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو ‏ ‏ کرشن کی بنسی کا اک بہتا ہوا نغمہ ہے تو

دیوکی ہر صبح جس کے گھاٹ پر آتی رہی ‏ ‏ بطن میں گوکل کے پیغمبر کو نہلاتی رہی

نغمۂ گوتم کنارے پر ترے گونجا کیا ‏ ‏ بنسری کا مست تیری گود سے پیدا ہوا

تیرے ساحل پر کبھی آیا پریشاں واسدیو ‏ ‏ کنس کا مارا ہوا مقہور و حیراں واسدیو

کنس کے ظلم و ستم کی سخت ہیبت دل پہ تھی ‏ ‏ گوردھن پر اک نظر تھی اور اک ساحل پہ تھی

یاد ہے اب تک ترا طوفاں اُٹھانا یاد ہے ‏ ‏ گوردھن کو دیکھ کر موجوں پہ آنا یاد ہے

کس قدر جادو بھرا تھا شوقِ پابوسی ترا ‏ ‏ تیری بیتابی پہ آخر کرشن کو رحم آ گیا

کرشن نے اپنا قدم موجِ رواں پر رکھ دیا ‏ ‏ تاجِ اُلفت کا وفا کے آستاں پر رکھ دیا

بوسے دیکر کرشن کے قدموں کو تو بہنے لگی — مائلِ مقصود و محوِ جستجو بہنے لگی

نزہتِ آغوش تھی بازیچہ تھی گہوارہ تھی — آسمانِ ہند کا بہتا ہوا سیّارہ تھی

کیا تجھے وہ کرشن کا گیندیں اُڑانا یاد ہے — ساحلوں کو اپنے بازیچہ بنانا یاد ہے

گیند کا موجوں پہ گرنا کودنا وہ کرشن کا — اژدہے کا سانوڑے پیکر پہ کنڈل مارنا

کرشن کا اس وقت بھی بنسی بجانا یاد ہے — ناچنا اور تیری موجوں کو نچانا یاد ہے

ناگ کے پھندے سے بچکر باہر آنا یاد ہے — سب سے پہلا درسِ آزادی سُنانا یاد ہے

گوپیوں کا وہ سرِ ساحل نہانا یاد ہے — کرشن کا رنگیں لباسوں کو چرانا یاد ہے

گوپیوں کا جسمِ عریاں کو چھپانا یاد ہے — کرشن کا بنسی بجا کر مُسکرانا یاد ہے

ہر سحر جس کی کنول تھی اور ہر شب چاندنی — ادھ کھلی کلیوں کی خوشبو سے مرکّب چاندنی

جو مدھر مُرلی کی لَے پر عمر بھر بہتی رہی — کرشن سے افسانۂ شام و سحر کہتی رہی

عمر بھر جو زندگی کی پند فرماتی رہی — موجِ گُل جس کی روانی کی قسم کھاتی رہی

شام کے ہلکے دھندلکے ہیں بہ اندازِ حجاب — چھیڑتی تھی کُنج میں آدھا محبت کا رباب

حُسن کا گہوارہ بھی دارالامانِ عشق تھی — جسکی ہر موجِ رواں آرامِ جانِ عشق تھی

کرشن جس میں تیرتے تھے کیا وہی دریا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو — عظمتِ ماضی کا دھندلا سا اک آئینہ ہے تو

جسکا ساحل تھا شکست و فتح کی جولانگاہ — جس کا ساحل دیس بھگتوں کی تھی اک قربانگاہ

جسکی ریتی تھی شہیدوں کیلئے توری کفن — خون کے قطروں سے جو بنتی رہی رشکِ چمن

تھی چتا ہر موج جسکی جلنے والوں کیلئے — اور اک قبرِ رواں تھی مرنے والوں کیلئے

انجمِ یونانیاں چمکا تری آغوش میں — باختر کا کارواں اُترا تری آغوش میں

تیری گردن پر کبھی افغان کی شمشیر تھی — اور کبھی مغلوں کے تیر و بس تیروں کی انی

خود تجھے اکثر ترے بیٹوں نے بھی زخمی کیا — آریوں نے اپنے خوں سے بھی تجھے بھر بھر دیا

جسکے ساحل عظمتِ تیمور کی ہیں یادگار — جسکے ساحل حشمتِ بابر کے ہیں آئینہ دار

دولتِ تیمور کی جاہ و جلالت دفن ہے — تیرے ساحل پر مسلمانوں کی عظمت دفن ہے

مرثیہ خوانِ جلال و حشمتِ رفتہ ہے تو
سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو — صحبتِ ماضی کا اک پُر درد افسانا ہے تو
شانہ گیری شہ جہاں کو تیرے گیسو کی ملی — مر کے بھی کی جذبۂ ممتاز نے مشّاطگی
ایک کوہِ نور دامن پر ترے ٹانکا گیا — جو تری آبی دُلائی کے لئے تارہ بنا
تاج سے راتوں کی خاموشی میں کیا کہتی ہے تو — آ کے اسکی گود میں آہستہ کیوں بہتی ہے تو
تیرے ساحل پر کہاں پہلی سی وہ آبادیاں — اب وہ قلعے نہ وہ جھنڈے نہ پرچم اور نشاں
اب کہاں وہ عظمتیں وہ دبدبے اور وہ جلال — شام لاتی ہے کہاں تیرے لئے تارونکی شال
رات کو انجم تری لفوں سے اب ملتے نہیں — صبحدم موجوں پہ تیری اب کنول کھلتے نہیں
اب کہاں چہرے پہ تیرے نورِ عشرت کا ظہور — اب کہاں آنکھوں میں تیری رنگِ دنیائے سرور
تیرے پیکر پر لباسِ زندگی ہے تار تار — تیرے ساحل پر نہ گلشن ہیں نہ گلشن کی بہار
سنکھ کے نغمے ہیں مندر میں نہ مسجد میں اذاں — اور نہ ساحل پر ترے وہ دیویاں وہ گوپیاں

آہ وہ تیرے زمانے اک فسانا ہو گئے　　ناچتے تھے مور جن کنجوں میں وہ کیا ہو گئے

یادگارِ حشمتِ تاریخِ دیرینا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو　　جنگلوں میں ہند کے اک تشنہ لب بیٹھا ہے تو

غاصبوں کے سم زدہ تیر دل کے جو زخمی ہوئی　　جسکی چھاتی نیزۂ اغیار سے چھلنی ہوئی

جس کا ربط امتدادِ وقت نے ٹکڑے کیا　　جسکی موجیں پڑھ رہی ہیں زندگی کا مرثیا

جس کی ہر موج رواں ہے آج اک سازِ خموش　　جسکی لہروں میں نہیں ہے یا وہ جوش و خروش

جوش زن اور موج زن جسکے کنارے کٹ گئے　　کاٹتے تھے جو سمندر کو وہ دھارے کٹ گئے

جس کی آنکھیں آنسوؤں سے پر ہیں اور دل بیقرار　　جس کا دامن ٹکڑے ٹکڑے اور گریباں تار تار

اور اُس پر ظلم یہ بھی ہے کہ بے پروا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو　　خوفِ مستقبل ہے تو اندیشۂ فردا ہے تو

کاش اک دن یہ ترے ٹوٹے کنارے پھٹ پڑیں
کاش اک دن یہ ترے خاموش دھارے پھٹ پڑیں

تیری موجیں ظالموں کے آستاں تک ہوں بلند
تیری لہریں غاصبوں کے اس مکاں تک ہوں بلند

جس مکاں میں تیری بربادی کے منصوبے ہو
جس کے کھمبے خونِ انسانی میں ہیں ڈوبے ہو

ظلم کے دھارے سے ٹکرائے تری موجِ رواں
بحر و بر میں گونج اٹھے اک صدائے الاماں

کاش اک دن اس طرح غیض و غضب میں آئے تو
جانبِ مغرب غلامی کو بہا لیجائے تو

پھر وہی آزادیاں ہوں پھر وہی سیخواریاں
پھر وہی دلشادیاں ہوں پھر وہی سرشاریاں

خود ہی ساقی خود ہی ساغر خود ہی میخانہ ہے تو
یا زوال و ارتقا کا ایک پیمانہ ہے تو

# سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

# نقوشِ باقی

# پانچواں باب

# کشمیر کا مستقبل

بہت دلچسپ کل اک بحث تھی عقل و عقیدت میں
تخیّل کھو گیا تھا انکشافِ رازِ جنّت میں

وہ جنّت جس کا وعدہ آج تک ایمانِ مسلم ہے
وہ جنّت کوئی شک باقی نہیں جس کی حقیقت میں

عقیدت سر جھکا کر مانتی تھی خلد کا ہونا
مگر تحقیق کو اصرار تھا اتمامِ حجّت میں

وہ کہتی تھی کہ جنّت نعمتِ موعودِ فطرت ہے
یہ کہتی تھی بہت سے راز بے معنی ہیں فطرت میں

وہ کہتی تھی کہ ہے ہر اک صحیفے میں خبر اُس کی
یہ کہتی تھی شکوکِ ملہمانہ ہیں صحافت میں

وہ کہتی تھی قیامت ایک دن دیگی ثبوت اسکا

یہ کہتی تھی غلط فہمی ہے موضوعِ قیامت میں

تخیّل بحثِ حشر و خلد کی تفسیر لے آیا

تصوّر سامنے اک عالمِ تصویر لے آیا

سپیدے کے درختوں سے نگاہوں پر سحر برسی

فضائے نور سے مستی اِدھر برسی اُدھر برسی

بساطِ ارض پر شفاف چشموں سے ہوئی پیدا

وہ رونق جو نہ اب تک کوثر و تسنیم پر برسی

بھری نہروں سے رنگِ سلسبیل اکثر ہوا پیدا

گیاہِ سبز سے طوبیٰ کی مستی بیشتر برسی

چناروں سے بہارِ آتش تر رنگ بن بن کر

بقدرِ وسعتِ آغوشِ دامانِ نظر برسی

غریقِ کیف و مستی ہوئی دنیائے نظارہ
شگوفوں سے شرابِ نابِ کوثر اس قدر برسی
ہر اک ذرہ نمو سے رقص کر کے حور بن بیٹھا
ہوائے جنتیں برسیں گھٹا جب جھوم کر برسی
جبینِ عقل پر بحرِ ندامت کی اُٹھیں موجیں
پسینے سے بنی جو بوند وہ بن کر گہر برسی
پُکاری کیا اسی کو خُلد کی تعمیر کہتے ہیں
ندا آئی کہ اس کو جنّتِ کشمیر کہتے ہیں
نظر کے سامنے آئینہ تھا تصویرِ جنّت کا
نگاہِ عقل میں تھا موجزن طوفان حیرت کا
انہی تازہ بہاروں میں انہی فردوس پاروں میں
نظارے نے بھرا اِک رنگ آشوبِ قیامت کا

یہاں رضواں نظر آئے ہزاروں بے سروساماں
جنہیں حاصل ہوا تھا ارتقا حورر دں کی طلعت کا
مگر سب دل فسردہ، مو پریشاں اور فغاں برلب
طریقہ تھا فقیروں کا سلیقہ بادشاہت کا
طمانیّت سے خالی تھی کنارِ آرزو جن کی
کنول مُرجھا چکا تھا جن کے گلزارِ مسرّت کا
ہر اک کاشانہ تھا عبرت سرائے غربت و نکبت
ہر اک گوشہ تھا محشر اضطرابِ آدمیّت کا
بدن فطرت نے اُن کے اِس قدر نازک بنائے تھے
ابھی پھولوں بھری سیجوں سے گویا اُٹھ کے آئے تھے
نگاہوں میں تجمّل دیدۂ پُرنم میں حیرانی
ارادوں میں بلندی ہمّتوں میں خستہ سامانی

تناسب بازوؤں میں بیلچے رنگین ہاتھوں میں

صُراحی دار گردن سر پر انبارِ بیابانی

ترنّم انکھڑیوں میں اور عذارِ سرخ پر آنسو

مجسّم ایک جنّت اور خراب خانہ ویرانی

لب ان کے نغمہ پیرا اور آوازوں میں کمزوری

بدن خلّاقِ عصمت اور کپڑے ننگِ عریانی

جبیں صبحِ مسرت غرقِ محنت کے پسینوں میں

کمربوس اُن کے بال اور پھر اسیرِ صد پریشانی

کوئی سُنتا نہیں فریاد جن کی بزمِ عالم میں

وہی لب تشنۂ دریا ہے جن کی شعلہ دامانی

بالآخر عقل نے اک شخص سے وجہِ الم پوچھی

کہا میں کیا بتاؤں یہ تو اک قصہ ہے طولانی

**بود در اضطراب از اہلِ عالم ہر کہ کامل شد**
**طپیدن در میانِ جملہ اعضا قسمتِ دل شد**
(غنی کشمیری)

ہمیں ہیں وہ جو کل تھے حکمراں ان شہ نشینوں پر
ہمیں ہیں وہ کہ اب سو داغ ہیں حسرت کے سینوں پر
ہمیں ہیں وہ جو کل سیجوں پہ سُکھ کی نیند سوتے تھے
ہمیں ہیں وہ کہ اب راتوں کو تکیہ ہے زمینوں پر
ہمیں ہیں وہ جو کل دیتے تھے گوہر اپنے ہاتھوں سے
ہمیں ہیں وہ کہ اب لیتے ہیں آنسو آستینوں پر
ہمیں ہیں وہ جو کل سجدہ نوازِ اہلِ عالم تھے
ہمیں ہیں وہ کہ اب بھاری ہیں خود اپنی جبینوں پر
مقدر پھر گیا چمکا کے اِک اقبال کی بجلی،
نہ رونق ہے مکانوں پر نہ تابانی مکینوں پر

یہ کشمیر آہ یہ جنت اور اس میں انقلاب ایسا
قیامت اور کیا ہو گی بپا عُزلت گزینوں پر
عقیدت مسکرائی عقل نے گہری نظر ڈالی
کہا روشن ہے مستقبل تمہارا دور بینوں پر

یہ زنداں میں لبِ زنجیر سے ارشاد ہوتا ہے
کہ جو پابند ہوتا ہے وہی آزاد ہوتا ہے

وہ دیکھو ہے تحرّک آفتابِ اوج و عظمت میں
وہ دیکھو نورِ مشرق ہے نمایاں شامِ غربت میں
طلوعِ نو عروسِ عظمت و اقبال ہوتا ہے
کوئی محمل بنا رکھو حجابِ آدمیّت میں
جہنّم زار جس سے بن گئی ہے محفلِ ہستی
بدلنے کو ہے وہ آلودگی خوشبوئے جنّت میں

جو دھندلی پڑ گئی تھیں امتدادِ گردِ ساماں سے
وہ کرنیں پھر چمکنے کو ہیں ظلمت زارِ قسمت میں
یہی ذرّے جواب گردش سے پامالِ حوادث ہیں
ستارے بن کے چمکینگے فضائے علم و حکمت میں
یہی قطرے جواب جگر میں ہیں سیلِ حوادث کے
بنینگے ایک دن لعل و گہر نظروں کی وسعت میں
یہی کشمیر جو آج ایک گہوارہ ہے پستی کا
بلندی پانے والا ہے جہانِ اوج و عظمت میں
یہی تاریکیاں اک دن سمٹ کر ضو فشاں ہونگی
ابھی یہ مٹنے والی یادگاریں پھر جواں ہونگی
یہی خطہ کسی دن عظمت آرائے جہاں ہوگا
یہی جملہ کسی دن آب و رنگِ داستاں ہوگا

فلک جس سرزمیں کا آج ہے آئینۂ پستی
زمینوں پہ اسی کی احتمالِ آسماں ہوگا
جسے تم بے زباں، بیکار اور مہمل سمجھتے ہو
یہی خاموش منظر زندگی کا ترجماں ہوگا
بہارِ رفتہ پھر آجائیگی اپنے خیاباں میں
وطن سے جو ہے باہر وہ وطن میں شادماں ہوگا
جو وا ماندہ ہیں وہ پہنچینگے راہوں سے ٹھکانوں پر
پھر اپنی اپنی منزل پر یہاں ہر کارواں ہوگا
حکومت ایک دن کشمیریوں کے پاؤں چومیگی
ہر اک ہستی پہ دارا و سکندر کا گُماں ہوگا
زمیں جو کھا گئی ہے وہ خزانے پھر اُگل دیگی
وہ ساماں جو کہیں اب تک نہیں دیکھا یہاں ہوگا

فنا کے قبضے سے جوہر مع شمشیر نکلے گا
خس و خاشاک سے اک تودۂ اکسیر نکلے گا

مسرت عید ملنے آئیگی دل کے ملالوں سے
جوانانِ چمن کھیلینگے اپنے نونہالوں سے
پیامِ زندگی ان کو دیا جائیگا دُنیا میں
حیاتِ رفتہ پھر آکر ملیگی مرنے والوں سے
وہ بے کیفی وہ بے رنگی جو اَب ننگِ تخیّل ہے
ہمیشہ کے لئے ہوجائیگی رخصت خیالوں سے
صباحت ہوچکی ہے ناتوانی سے جو پژمُردہ
وہ ہم آغوش خود ہوگی مچل کر خوش جمالوں سے
عقیدت آفریں کانوں میں اب تک گونج ہے جنکی
صدا وہ پھر اٹھیگی مسجدوں سے اور شوالوں سے

جو گرد آلود سے ہیں خاک زارِ شامِ غربت میں
بنینگی عیش کی راتیں انہی شب فام بالوں سے
تم اپنے پاؤں کے چھالوں کو رو رو کر نہ یوں دیکھو
کسی دن پھول برسیں گے انہی تلووں کے چھالوں سے
شکن ماتھے کے مٹ جائینگے بن کر چند افسانے
جو تبخالے لبوں پر ہیں وہ بن جائینگے پیمانے
چلا تھا ذہن سرگرمِ مذاقِ جستجو ہو کر
ہوا مسرور آخر شاد کامِ آرزو ہو کر
زبانِ کلکِ ساغر سے یہ کچھ الفاظ نکلے ہیں
فضا میں چھا گئے ہیں اعتبارِ رنگ و بو ہو کر
ہوئی تسکین لیکن نغمہ ہائے بے نیازی سے
سرور آیا مگر مستغنیِ جام و سبو ہو کر

ہوئی جب تشنگیٔ ذوق کی تکمیل ہی لازم ،
تو قطرے چشمۂ کوثر سے نکلے با وضو ہو کر
ہوئے جذبات پیدا ڈوب کر یوں فکرِ رنگیں میں
نکھر جاتا ہو جیسے کوئی غرقِ آبِ جو ہو کر
پیامِ عظمتِ کشمیر اس انداز سے آیا
کہ جنت خود بڑھی رنگیں عروسِ رنگ و بو ہو کر
معطر کیوں نہ ہو جائے مشامِ خاطرِ انساں
نوائے قدس آئی عنبریں و مشک بو ہو کر

خوشا قومے قریبِ عظمت و اقبال می آید
کہ خود مستقبلِ او بہرِ استقبال می آید

# تاج

## آغوشِ سحر میں

صبحِ کنارِ جمنا اور تاج کا نظارہ
جیسے اُفق پہ دھندلا چمکے کوئی ستارہ
ضو ریز و عالم آرا
پنہان و آشکارا

رنگ اور نور بن کر کیف و سرور بن کر
یکسر ظہور بن کر یا شمعِ طور بن کر
کر دے سحر کو رسوا

سارے حجاب اُٹھائے اک حُسن جلوہ گر ہے

رُخ سے نقاب اُٹھائے      شہزادیٔ سحر ہے

تاج اس کا مستقر ہے

حیران ہر نظر ہے

اب نور اس سے لیکر      نکلیگا شاہِ خاور

دنیا کے بام اور در      ہوجائینگے منوّر

از باغ تا بہ صحرا

شبنم کی یہ تراوش      کلیوں کا مُسکرانا

یہ رنگ و بو کی بارش      سبزے کا لہلہانا

چڑیوں کا چہچہانا

پھولوں کو وجد آنا

یہ حوض میں کنول کی      مستانہ نیم بازی

موجِ نسیم آئی      انگڑائی سرو نے لی

## گلزار جاگ اُٹھا

یہ صبحِ تاج کیا ہے نوروزِ بزمِ عالم
یا ٹوٹ کر ہوا ہے تارہ کوئی مجسّم
یا ہے فضا میں محکم
شاہِ جہاںؒ کا پرچم
یا صبح کے فرشتے بیٹھے ہیں پر سمیٹے
یا رکھ دیا ہے شب نے پہلو میں صبحِ نو کے
اِک پھول چاندنی کا

# اِک جام

## (جہانگیرِ اعظم کے مقبرے پر)

عبرت افزا ہیں مقابر کے نقوشِ باقی　　جنکے رنگوں میں چھلکتے ہیں ابھی جامِ شراب
روشِ سبز سے پیدا ہے جوانی کی اُمنگ　　ہر گلِ تازہ ہے آئینۂ تصویرِ شباب
سروِ بالیدگیِ روح کا افسانہ ہے　　برگِ گل مطربۂ مستِ ہے گُل اسکا رباب
چشمِ سیّاح نظر بند نظر آتی ہے　　کوئی بدست ہی آسودۂ محویّتِ خواب

---

یہ مرصّع، یہ مجلّٰی، یہ جوان خلوتِ خواب　　مُسکرانے لگی کیوں شوخیِ تقدیر یہاں
لرزشوں میں در و دیوار نظر آتے ہیں　　شیر افگن لئے بیٹھا ہے مگر تیر یہاں

داستاں عشق کی ہر ذرہ بیاں کرتا ہے
چیستاں حسن کی ہے درخورِ تفسیر یہاں
یہ وقار اور یہ مدفن کی شہنشاہیت
مجھے معلوم ہی سوتا ہے جہانگیر یہاں

---

دفن ہے دولت و اقبال کی تصویر یہاں
خاک پر جسم پڑا ہے گہر و لعل بدوش
جسکے لفظوں سے فضا دل کی لرز جاتی تھی
آج وہ خاک کی مسند پہ ہی نقش خاموش
آج ہے کسل فنا سے وہی مجبورِ جمود
جسکے دل میں تھا کبھی زندگی و عشق کا جوش
جسکا مذہب تھا حقیقت پہ فدا ہو جانا
جسکا مشرب تھا "محبت کش و بادہ بنوش"

---

اُٹھ جہانگیر یونہی قبر میں کب تک روپوش
چل کسی نہر پہ پھر شغلِ مے و جام کریں
دورِ ساغر سے مقدر کی بدل دیں رفتار
کچھ مداوائے غمِ گردشِ ایام کریں
آ، زمانے کو ہے پھر شکوہ بے رحمیٔ عدل
بیٹھکر افسرِ طاؤس پہ کچھ کام کریں
یہ گراں خوابیٔ گل خانۂ ویراں تا چند!
چل کسی خلوتِ گل ریز میں آرام کریں

اُٹھ کسی اور روش سے سحر و شام کریں　　پھر تجلّیٔ مسرت سے ہو معمور جہاں
پھر اُسی جادۂ طربناک سے کر عزمِ خرام　　مرکزِ عیش سے ہے آج بہت دور جہاں
تیرے جذبات جو تکلیف کریں مثلِ کلیم　　کثرتِ حُسن کی بجلی سے بنے طور جہاں
زندگی کا اُسے پھر مژدۂ نو پہنچائیں　　دور اُفتادہ ہے مُدّت سے تری "نور جہاں"

---

اب وہاں کچھ نہیں، تھے ساغرِ بلّور جہاں　　جسطرف دیکھئے جذبات کی پامالی ہے
مقبرے سے ترے اُٹھنے کو ہے طوفانِ حیات　　دردِ باقی نے قیامت کی بنا ڈالی ہے
پانی پانی تری فرقت میں ہوا جسمِ شراب　　آنکھ ساقی کی نہ پُرکیف نہ متوالی ہے
ہیں ترے منتظر اسبابِ غنا مدت سے　　بزمِ عشرت میں ابھی تیری جگہ خالی ہے

جام در دست سوئے ما بصد انداز آئی
اے خوشا وقت کہ با نورجہاں باز آئی

# جامعِ دہلی

اے نشانِ جلالِ مغلیّہ　　آسمانِ کمالِ مغلیّہ

شاہکارِ مصوّرِ فطرت　　آبشارِ منوّرِ فطرت

کیفِ طاعت سے جھومنے والی　　پایۂ عرش چومنے والی

کعبۂ سرنوشت کی تصویر　　اے حریمِ بہشت کی تصویر

نقشِ دیوارِ قلعۂ شاہی　　آئینہ دارِ قلعۂ شاہی

چھوٹے چھوٹے ہیں بُرج مستحکم　　یا کبوتر ہیں زیبِ بامِ حرم

یا کٹورے ہیں حوضِ کوثر کے　　رکھ دیے ہیں طہور سے بھر کے

منتقل ہو کے کعبۂ جنّت

بن گیا ہے زمین کی زینت

ذہنِ شاہی کی منجلی تصویر　　بیتِ مقدس کی اک حسین تصویر
رات میں ہے تری درخشانی　　چاند میں تیرا عکسِ نورانی
دن کو تو مرکزِ ارادت ہے　　رات کو خامشی کی جنت ہے
سنگِ مرمر میں سُرخ سنگِ خام　　صبحِ رنگیں سے ہمکنار ہے شام
گیسوئے حور و عارضِ غلماں　　آج مل کر ہوئے ہیں نور فشاں
خمِ محراب کی خلاؤں میں　　اک جہاں ہے نئی فضاؤں میں
طاق و محراب اور در و دیوار　　کیفِ تعمیر سے ہیں سب سرشار

محوِ حیرانی سروش ہے تو
اسلئے ساکت و خموش ہے تو

ہے تجمّل ترا گواہی میں　　شعریت تھی مزاجِ شاہی میں
آج بھی دیکھکر ترا جلوا　　کانپتا ہے ضمیر دشمن کا
جب کبھی تیری سیر کرتا ہوں　　پاؤں رکھتے ہوئے میں ڈرتا ہوں

نذرِ سجدہ میں دیکھتا ہوں وہ سر　　تاجِ شاہی تھا جلوہ گر جس پر

نظر آتی ہے اک جبیں ہر سو　　زینتِ سجدہ گاہِ اللہ ہُو

ابھی بھولا نہیں وہ نظّارہ　　ہے ابھی اشک ریز فوارہ

رحمتِ حق ہے تجھ میں جلوہ کناں　　اے جوانیٔ ذوقِ شاہ جہاں

تو مغل کا نشانِ گویا ہے

فنِ تعمیر تجھ سے زندہ ہے

# تاج

## (سایۂ ابر میں)

جس طرح صبحِ جبیں کو شامِ گیسو گھیر لے　　یاسمن کو جس طرح ہنگامۂ بو گھیر لے

شمع پر جس طرح پروانوں کا ہو جائے ہجوم　　گنبدِ نیلوفری میں جس طرح چمکیں نجوم

جس طرح خطِّ افق گردِ تجلّیات ہو　　جس طرح سورج زمیں پر ہو فلک پر رات ہو

جس طرح صحرا میں ہو قیس اور لیلیٰ بام پر
جس طرح تارہ نمایاں ہو سوادِ شام پر

جس طرح فانوس میں بجلی سویدا میں ہو نور
جس طرح ظلمات سے نورِ سحر کا ہو ظہور

بالکل ایسے ہی عیاں ابرِ سیہ میں "تاج" ہے
تاج کیا اِک جلوہ ہے اور جلوۂ موّاج ہے

کالے بادل چرخ پر یہ ہر طرف چھائے ہوئے
بادلوں کے سائے سیرِ تاج کو آئے ہوئے

مرمریں آئینوں میں یہ عکسِ رنگینِ سحاب
جس طرح شفاف شیشوں میں چھلکتی ہو شراب

ہر طرف پیڑوں پہ مُرغانِ ہوا بیٹھے ہوئے
منتظر بارش کے معمور صدا بیٹھے ہوئے

سبز پتوں میں نظر بندی ہوئے باغ کی
سینۂ لالہ میں یہ دھندلی سی اک لو داغ کی

یہ طراوت یہ لطافت یہ مسرت ریزیاں
اور یہ کالی گھٹاؤں کی جنوں انگیزیاں

کیف افزا جلوۂ شام و سحر ہر دم رہے
تا قیامت تاج میں یارب یہی عالم رہے

کاش اس موسم میں ہوتیں تم شریکِ سیرِ تاج
اور ادا کرتا میں ورد کر محبت کا خراج

تاج کو ابرِ سیہ میں جلوہ گستر دیکھتا　　گیسوؤں میں پھر تمہارا روئے انور دیکھتا

---

# اِک آنسو

## (نور جہاں کے مزار پر)

اے وہ کہ تری چتون　　ناوک زن و شیر افگن

مردانہ و نسریں تن　　عفّت کا بھرا گلشن

دوشیزۂ مستحسن　　شہزادیٔ کامل فن

انوارِ رُخِ روشن　　برق و شررِ ایمن

تو قصرِ حکومت پر چھائی ملکہ ہو کر

تو حُور کی صُورت میں آئی ملکہ ہو کر

اے نور جہاں بیگم

اے نور جہاں بیگم

افسوس یہ ویرانہ　　برباد ساتھہ خانہ

ہر ذرہ بیگانہ　　عبرت کا اِک افسانہ

ہے شمع نہ پروانہ　　شیشہ ہے نہ پیمانہ

اُجڑا ہوا کاشانہ　　اور مدفنِ سلطانہ!

پامالِ حوادث ہے اک لعبتِ کشمیری
یہ بیکسیّاں تیری اے فرِّ جہانگیری

اے نور جہاں بیگم

اے نور جہاں بیگم

گلشن میں تو اپنے ہی　　ہے محوِ سکوں خوابی

اور اک تری شہزادی　　ہمراز ہے خلوت کی

لیکن نہیں اب باقی مدفن کی نشانی بھی

ہموار زمیں ساری ہے بسترِ تاریکی

اے کاش کبھی ایسا اِک دَورِ عمل آئے

پھٹ جائے زمیں اور تو گھبرا کے نکل آئے

اے نور جہاں بیگم

اے نور جہاں بیگم

اُٹھ اور تماشہ کر کیا کر گئے غارتگر

وہ بیش بہا پتھر اور وہ صدف و مَرمَر

گوہر وہ درخشاں تر خورشید و سہا پیکر

لٹتی ہی رہی اکثر آرائشِ بام و در

دریا تری ہمّت نے مرکر بھی بہائے ہیں

مدفن نے ترے معبد مٹ مٹ کے سجائے ہیں

اے نور جہاں بیگم

اے نور جہاں بیگم

لے نذر ہے اک آنسو عطرِ تپشِ پہلو

اس سے کبھی عشرت جو آئیگی تجھے خوشبو

چمکیگا یہی ہر سو چمکے نہ اگر جگنو

کر اس کو پذیرا تو دل ہے مرا بے قابو

ہر صبح کرے رنگیں ہر شام کو روشن ہو

ساغر کا یہ اک آنسو لعلِ سرِ مدفن ہو

اے نور جہاں بیگم

اے نور جہاں بیگم!

# تاج

## (شبِ ماہ میں)

نظر کی صباحت، نگاہوں کی نزہت عجب منظرِ تازگی وضیا ہے

نقاب اپنے رُخ پر لئے بجلیوں کی کوئی حور ہے یا فرشتہ کھڑا ہے

اِدھر چاند ہے ضوفگن بے محابا اِدھر تاج ہے نو بہارِ نظارہ

نظر تاب اِک پیکرِ مرمریں ہے کہ ٹکڑا کوئی عالم نور کا ہے

یہ نقشِ منوّر

منوّر مطہّر

مرصّع مشجّر

## محبّت کا پیکر

جمیل اور رعنا، خموش اور گویا، سہیل و ثریّا
شعاعوں کے جھرمٹ میں جلوہ نما ہے

---

یہ منظر ضیا بار و شاداب و خوشبو، ہوائیں معطّر، فضائیں منوّر
نگاہوں کی ٹھنڈک، دلوں کی مسرّت، وفا کا گلستاں، محبّت کا مندر
کبھی چاند میں تاج کا عکس روشن، کبھی چاند میں تاج کا عکس زیبا
قفس اور نشیمن
ہو صحرا کہ گلشن
ہے ہر شے مزیّن
زمانہ ہے روشن
جہاں تک نظر ہے، وہاں تک سحر ہے، سحر رات بھر ہے

## یہ دُنیا نئی ہے، یہ عالم نیا ہے

اُدھر آسماں پر منوّر ستارے، اِدھر پھول کلیاں سفید اور شہابی
چمکتے ہیں رہ رہ کے جگنو چمن میں، فضا ہے گلابی، ہوا ہے شرابی
یہیں سے تجلّی گہہِ معنوی تک مگر کوئی پُر نور رستہ گیا ہے
نظر کو پتہ دور کا دے رہی ہے، یہ انوار کی مستقل بے حجابی

جہاں تک خلا ہے
ضیا ہی ضیا ہے
شبِ ماہ کیا ہے
نمُو تاج کا ہے

مگر تاج ہی تک یہ جلوے ہیں بے شک، جمیل و مبارک
نہ ہو تاج تو چاند کا لطف کیا ہے؟

# آناساگر

اراولی کے وسیع دامن میں کون یہ جگمگا رہا ہے

حسین چاندی کا اک کٹورہ بھرا ہوا تھرتھرا رہا ہے

زمین کے دل پہ جڑ دیا ہے اِک آئینہ خانۂ مطوّل

کہ نیلگوں آسماں سے کوثر کا عکس چھن چھن کے آ رہا ہے

ظہور گاہِ مذاقِ آنا ورودِ انوار کا ٹھکانا

صباحتوں کا بھرا خزانا بہارِ رفتہ کا آشیانا

مثالِ ساغر چھلک چھلک کر فضا کی مستی بڑھا رہا ہے

وہ اسکا انوار بار ساحل مقدّمہ قصرِ مرمریں کا

نگار خانہ ہے شہ نشیں کا بناؤ ہے حور کی جبیں کا

وہ ذوقِ شاہِ جہاں کا مظہر وہ موشگافِ کمالِ صنعت

وہ منظرِ روشن و منوّر وہ نقش ارژنگِ یاسمیں کا

وہ صاف پانی میں اُس کا سایا وہ اِک تموّج سا بام و در کا

ہے کشتیٔ ماہتاب گویا غریقِ فکرِ عبورِ دریا

مگر وہ طوفان تازگی کا وہیں جھکولے کھلا رہا ہے

کنارِ میں ہے عروس گلشن جسے شبابِ بہار کہئیے

بہار کہئیے، نگار کہئیے، جوانیٔ لالہ زار کہئیے

خزانۂ رنگ و بو ہے پنہاں ہر ایک گل میں اِک کلی میں

بہشتِ کہسار اسکو لکھئیے کہ جنّتِ آشکار کہئیے

زمین اور لالہ خیز ایسی ہوائے گُل ریز تیز ایسی

لطافتیں بادہ بیز ایسی طراوتیں کیف ریز ایسی

کہ وجد میں ہے ہر ایک غنچہ ہر ایک گُل مُسکرا رہا ہے

نہ باغ تھا اور نہ یہ تکلّف مگر ترے دامنوں میں آکر

کبھی شہنشاہِ سنجریؒ نے کیا تھا اجمیر کو منوّر

ہے تیری ہر بوند میں ابھی تک وہی پُرانا سرور باقی

ترنّم موج سے نکلتی ہے اب بھی ہو کی صدا برابر

تجھے پھر اس کی مگر طلب ہے تو پھر محبت کا تشنہ لب ہے

اسیر و سر گشتۂ تعب ہے یہی سبب ہے یہی سبب ہے

**تو جس کا مدّت سے منتظر ہے وہ تیرا ساقی پھر آرہا ہے**

وہ آئیگا اور تجھکو آکر نیا پیامِ سرور دیگا

کریگا تجھکو سکوں عنایت، تری فضاؤں کو نور دیگا

کشاکشِ وسعتِ طلب سے تو اپنے دل کو نہ تنگ فرما

یونہی جو پھیلے رہینگے دامن تو دینے والا ضرور دیگا

اُدھر ہے تو یادگارِ آنا اُدھر ہے ملّت کا آشیانا

ہے ہتّحد تیرا ہر ترانا بڑھائیگا لَے ترا فسانا

کہ تیری موجوں میں کوئی اب تک پریم کا راگ گا رہا ہے

---

# "ستارۂ سحر" اور "تاج محل"

جب انجمستاں کے مہتمم نے سجی ہوئی انجمن بڑھا دی

تو خادمانِ حریمِ شب نے اِک آخری شمع پھر جلا دی

چمک اُٹھا صبح کا ستارہ نظر فروز اور عالم آرا

کسی نے سطحِ فلک پہ گویا کسی کی انگشتری لگا دی

وہ صبح کا پرسکوں دھندلکا نسیم کا وہ مچل کے چلنا

شگفتِ گُل کا سُنا جو نغمہ تو گونج اُٹھے کوہسار و وادی

فراق کے خستہ حال اُٹّھے مصوّرانِ وصال اُٹّھے

کسی نے اک آہِ سرد کھینچی کسی نے تقدیر کو دعا دی

نقیبِ خورشید ہو کے تاباں ہوا بڑی شان سے درخشاں

ہوئی کچھ ایسی جھلک نمایاں کہ تاج کی رُوح مُسکرا دی

اُفق کی خلوت میں جا رہا ہے ستارۂ صبح ماند ہو کر

یہ آرزو ہے کہ تاج میں ساری رات رہتا میں چاند ہو کر

رواں ہے گو صبح کا ستارہ مگر نظر اسکی تاج پر ہے

نگاہ میں حسرتیں ہیں لاکھوں ملالِ فرقت سے آنکھ تر ہے

وداع کرتا ہے تاج اپنے سکوت کی محویت سے اُسکو

خموشیِ وقت کہہ رہی ہے کہ اسکے دل پر بھی کچھ اثر ہے

مسافرِ صبح سے بڑی دور تک نگاہیں لڑی ہوئی ہیں

زمیں پہ اک حُزن کا ہے عالم فلک پہ اک یاس منتشر ہے

نہ اِس میں قوت قیام کی ہے نہ اُس میں طاقت ہے ہمرہی کی

یہ قطبِ مشرق بنا ہوا ہے وہ جانبِ قطب راہبر ہی
پھر آئیگی ساعتِ نظارہ، پھر آئیگا صبح کا ستارہ
ہیں دونوں فطرت کے بزم آرا تفاوتِ معنوی مگر ہی

فرشتۂ صبح کہہ رہا ہے کہ تاجِ نجم سحر نہیں ہے
یہ وہ ستارہ ہے جس کو صدیوں غروب ہونے کا ڈر نہیں ہے

# تاج کا پیغام

میں کہ اب تک ترجمانِ عظمتِ اسلام ہوں
ساحلِ جمنا پہ اک مینارۂ الہام ہوں

سطوتِ شاہِ جہاں و ہیبتِ اورنگ زیب
میری نظروں میں رہی ہے مدتوں عالم فریب

دور میں میرے مٹی ہیں یادگاریں سینکڑوں
جذب کی ہیں میں نے دنیا کی بہاریں سینکڑوں

سرد و گرمِ عالمِ فانی کا لذت چش ہوں میں
گل بہ دامن ہوں مگر انفاس در آتش ہوں میں

مایۂ رنگِ زمانہ ہے مرا ایک ایک پھول
میں بھی صنعت کے خیاباں کا ہوں اک رنگیں رسول

دیکھنے والوں کی نظروں کیلئے معراج ہوں
جسکی پستی نازشِ رفعت ہے میں وہ تاج ہوں

میں نوائے صبح ہوں کیفِ صدائے شام ہوں
اک مجسم درس ہوں اک مستقل پیغام ہوں

اے تماشائی بگوشِ دل مری آواز سُن!
راز ہیں جس میں ہزاروں وہ نوائے ساز سُن

پھر ہوائیں چل رہی ہیں جور و استبداد کی
پھر فضا بدلی ہوئی ہے عالمِ ایجاد کی

دہر سے انسانیت کے قاعدے مفقود ہیں — حاکم و محکوم گویا عبد اور معبود ہیں

جن کے چرچے آج تک کونین کی وسعت میں ہیں — آہ ان کے جانشیں تہہ خانۂ نکبت میں ہیں

گونجتے تھے جن کے نقّارے کبھی افلاک تک — آج ہے بیزار ان سے اس جہاں کی خاک تک

ذرّہ ذرّہ اس جہاں کا جن کے تھا زیرِ نگیں — قبر کو بھی آج انہیں منّت سے ملتی ہے نہیں

میں کہ دنیا میں مجسّم گوہرِ شہوار ہوں — دولتِ بیگانہ ہوں ملکیتِ اغیار ہوں

یوں مادرِ وطن میں جس کے کوئی اتنا بھی نہیں — اب کہاں اپنے کہ اپنوں کا سہارا بھی نہیں

آہ ناظر سے مرے صدق و صفا کا درس لے — میری سرفرازیوں سے ارتقا کا درس لے

تو ہے سیدھی راہ پر یہ زعمِ باطل چھوڑ دے — سمتِ منزل ہے غلط یہ راہِ منزل چھوڑ دے

زندگی تیری عمل اور علم کا گنجینہ تھی — نورِ عظمت منجلی تھا جس میں وہ آئینہ تھی

نغمۂ ماضی کو اپنے پھر اسیرِ ساز کر — پھر اسی عنواں سے نظمِ زندگی آغاز کر

عالمِ موجود سے بہتر کوئی عالم بنا — از سرِ نو اپنی دنیا کے لئے آدم بنا

لوٹ جا پھر اولیّاتِ بقا تک لوٹ جا — گم شدہ شان و نشانِ ارتقا تک لوٹ جا

پھر شکستہ رشتۂ سعی و عمل کو جوڑ دے
اُٹھ کے اک جھٹکے میں زنجیرِ غلامی توڑ دے

اپنی خفتہ بختیوں کو نیند سے بیدار کر
عظمت و عزت کی اِک دنیا نئی آباد کر

توڑ کر بیکار کر دے تیغِ استبداد کو
فرصتِ امن و سکوں دے عالمِ ایجاد کو

موجِ سیلابِ غلامی کے تھپیڑوں کو سنبھال
میری بنیادوں کو بھی تھرّا نہ دے تیرا زوال

اپنی غیرت اور شرافت کا ثبوتِ تام دے
خون سے بھر کر زمانے کو چھلکتا جام دے

دردِ ملت ہے یہی احساسِ غیرت ہے یہی
راہِ آزادی میں موت آئے شہادت ہے یہی

ذرہ ذرہ ہند کا پھر گل فشاں ہو ایکدن
کاش تجدیدِ بہارِ گلستاں ہو ایکدن

پرچمِ آزادیِ ہندوستاں ہو اور ہمیں
ایشیا کا افتخارِ جاوداں ہو اور ہمیں

# صنم کدۂ حیات

# چھٹا باب

# پجارن

اے مندر کا راز پجارن　　اے فطرت کا ساز پجارن

پریم نگر کی رہنے والی　　ہر کی بتیاں کہنے والی

سیدھی سادی بھولی بھالی　　بات نرالی گات نرالی

گردن میں تُلسی کی مالا　　دل میں اک خاموش شوالہ

ہونٹھوں پر پیمانے رقصاں　　آنکھوں میں میخانے رقصاں

اے دیوی کا رُوپ پجارن

تیرا روپ انوپ پجارن

x　بھینی بھینی بُو ساری ہیں　　ساری مدھ میں تو ساری ہیں

آنکھوں میں جمنا کی موجیں — بالوں میں گنگا کی لہریں
نور ترے رخسارِ حسیں پر — رنگیں ٹیکا پاک جبیں پر
جیسے فلک پر صبح کا تارا — روشن روشن پیارا پیارا
شرمیلی معصوم نگاہیں — گوری گوری نازک باہیں

اے دیوی کا رُوپ پجارن
تیرا روپ انوپ پجارن

پھولوں کی اک ہاتھ میں تھالی — موہن مدھ ماتی متوالی
نیچی نظریں ترچھی چتون — مست پجارن ہر کی جوگن
چال ہے مستانہ متوالی — اور کمر پھولوں کی ڈالی
دل تیرا نیکی کی منزل — لاکھوں بُت خانوں کا حاصل
ہستی تجھ میں جھوم رہی ہے — مستی آنکھیں چوم رہی ہے

اے دیوی کا روپ پجارن

تیرا روپ انوپ پُجارن

نور تڑکے گھاٹ پر آکر      گنگا کا سنان بڑھا کر

پھر لے کر خوشبوئیں ساری      چندن جل اور دوب سُپاری

صبح کے جلووں کو تڑپا کر      نظّارے سے آنکھ بچا کر

اے مندر میں آنے والی      پریم کے پھول چڑھانے والی

ہستی بھی ہے گلشن تجھ سے      سورج بھی ہے روشن تجھ سے

اے دیوی کا رُوپ پُجارن

تیرا رُوپ انُوپ پُجارن

لوٹ چلی تو کر کے پوجا      دیکھ لیا ایشور کا جلوا

ٹھہر ٹھہر اے پریم پجارن      میں بھی کر لوں تیرے درشن

دیکھ ادھر گھونگھٹ نیہورا کر      اپنے پُجاری پر کرپا کر!

سب کی پوجا زہد و طاعت      میری پوجا تیری اُلفت

ہر کا گھر ہے تیرا پیکر     تو خود ہے اک سُندر مندر

اے دیوی کا روپ پُجارن

تیرا روپ انوپ پُجارن

آنکھ میں میری ہے اک آنسو     جیسے ہو ندی میں جگنو

مالا میں کر اسکو شامل     یہ موتی ہے تیرے قابل

دھیان سے اپنے پران بسا کر     پاؤں سے تیرے آنکھ ملا کر

پریم کا اپنے نیر بہا دوں     سب کچھ تجھ پر بھینٹ چڑھا دوں

پاپی دل میرا سکھ پائے     میری پوجا کیوں رہ جائے

اے دیوی کا روپ پُجارن

تیرا روپ انوپ پُجارن

آ تیری صورت کو پوجوں!     میں زندہ مورت کو پوجوں

تو دیوی میں تیرا پُجاری     نام ترا ہر سانس سے جاری

لاگ کی آگ نے تن کو چھُونا　　پھر مندر ہے دل کا سونا

من میں تیرا روپ بسا لوں　　تجھ کو من کا چین بنا لوں

چھپ جا میرے دل کے اندر　　ہو جائے آباد یہ مندر

اے دیوی کا روپ پجارن

تیرا روپ انوپ پجارن

تجھکو دل کے گیت سُناؤں　　پھر چرنوں پر سیس نواؤں

ترلوک اور آکاش جھکا دوں　　دھرتی کی شکتی پہ جھکا دوں

تارے چاند اور بھورے بادل　　باغ ندی دریا اور جنگل

پربت ر دکھ اور مسجد مندر　　ساقی پیمانہ اور ساغر

دنیا ہو تیرے قدموں پر　　قدموں کے نیچے میرا سر

اے دیوی کا روپ پجارن

تیرا روپ انوپ پجارن

ایک پجارن ایک پجاری — پریت کی ریتیں کر دیں جاری
دیس میں پریت او پیار کو بھر دیں — پریم سے کُل سنسار کو بھر دیں
لالچ اور لوبھ کے بُت کو توڑیں — پاپ اور کرودھ کا نام نہ چھوڑیں
پریم کا رس دوڑے رگ رگ میں — ہو اک پریم کی پوجا جگ میں
دونوں اس دُھن میں مر جائیں — تیرتھ ایک عجیب بنائیں

لے دیوی کا روپ پجارن

تیرا روپ انوپ پجارن

# مالن

## (سنہ ۱۹۲۰ء)

جلوے ترے انوکھے غمزے ترے نرالے

چتون ہے سیدھی سادھی تیور ہیں بھولے بھالے

کہنی تک آستینیں آنچل کمر پہ ڈالے

رخسار گورے گورے یہ بال کالے کالے

او پھول چُننے والی

اک ہاتھ ٹوکری پر اِک ہاتھ ہے کمر پر

ڈھلکا ہوا دوپٹہ تاجِ غرور سر پر

ہے اِک نظر قدم پر اور اِک قدم نظر پر

کیوں یہ خرام تیرا پامال کر نہ ڈالے

او پھول چننے والی

نرگس بھی تک رہی ہے چشمِ حیا سے تجھکو
کلیاں بھی دیکھتی ہیں حسنِ ادا سے تجھکو
لبریزِ پا کے کافرِ جوشِ وفا سے تجھکو
بھر کر مے نمو سے لاتے ہیں پھول پیالے

او پھول چننے والی

تو پھول چن رہی ہے اور پھول جھڑ رہے ہیں
بل تیری تیوریوں میں رہ رہ کے پڑ رہے ہیں
کیا تیری ٹوکری میں تارے سے جڑ رہے ہیں
حسرت سے باغ والے پھرتے ہیں دل سنبھالے

او پھول چننے والی

پھولوں میں میں نے اپنا دل بھی ملا دیا ہے

پھولوں میں مل ملا کر وہ پھول بن گیا ہے

آئیگا کام تیرے یہ تیرے کام کا ہے

او پھول چننے والی! یہ پھول بھی اُٹھا لے

او پھول چننے والی

دل کے معاوضے میں وہ شے مجھے عطا کر

جو تو نے ٹوکری میں رکھّی ہے مُسکرا کر

رکھوں گا اُس کو اپنے پہلو میں دل بنا کر

میں اس کو دل بنا لوں تو پھول اِسے بنا لے

او پھول چننے والی

خارِ الم سے کیا کیا رنجور ہے مِرا دل

لیکن جو دیکھ لے تُو مسرور ہے مِرا دل

ذوقِ شگفتگی سے معمور ہے مرا دل

کیا پھول کے عوض میں منظور ہے مرا دل؟

او پھول چننے والی

تو ملتفت اگر ہو یوں زندگی بسر ہو

قدموں پہ تیرے دل ہو ٹھوکر میں تیری سر ہو

تجھ پر مری نگاہیں مجھ پر تری نظر ہو

اِک آنکھ تیرے رُخ پر اک آنکھ پھول پر ہو

او پھول چننے والی

مجھ سے ملے ترا دل دل سے لگاؤں تجھکو

اپنی مسرّتوں کا عالم دکھاؤں تجھکو

امید کے چمن کا حاصل بناؤں تجھکو

او پھول چننے والی! میں چن کے لاؤں تجھکو او پھول چننے والی!

# تخلیقِ زمزمہ

نوائیں سازِ زندگی کی بے نیازِ جوش تھیں
فضائیں حسن قد تھیں کائنات کی خموش تھیں

قمر ضرور تھا مگر منازل آشنا نہ تھا
ستارے تھے مگر مذاقِ سیر کا پتہ نہ تھا

کمانِ قوس میں ہنوز تیر تھا کھنچا ہوا
سرودِ زہرۂ فلک کا جوش تھا دبا ہوا

فضا میں جگنوؤں کی برق آفریں چمک نہ تھی
خلائے ارض و چرخ میں ذرا کہیں چمک نہ تھی

پہاڑ منجمد تھے آبشار پُر سکوت تھے
ہوائیں بند اور لالہ زار پُر سکوت تھے

گلوں کو نکہت و شمیم سے نہ ربط تھا کوئی
شگفتِ غنچہ کو نسیم سے نہ ربط تھا کوئی

فضا کی دل گرفتگی شکستِ تارِ نغمہ تھی
سماعتِ فسردہ کو تلاشِ تارِ نغمہ تھی

کہ حسن ناگہاں اُٹھا متانتِ جلال سے
حیات موجزن ہوئی ترنّمِ جمال سے

نظامِ کائنات میں نمودِ زمزمہ ہوئی　　نگاہِ ناز باعثِ وجودِ زمزمہ ہوئی
قریبِ ساز آکے اس ادا سے چھیڑ چھاڑ کی　　کہ ہل گئیں فورِ وجد سے جڑیں پہاڑ کی
ہوا طلوع زمزمہ حجاب ہائے ساز سے　　تڑپ نے بجلیاں گرائیں نغمہ زارِ ناز سے
کواکب و قمر میں آشکار گردشیں ہوئیں　　نصیبِ تیرہ رنگیٔ فلک کو تابشیں ہوئیں
سرورِ زمزمہ سے کائنات مست ہو گئی　　ہوئی شگفتہ صبح اور رات مست ہو گئی
جو پھول تھا فسردہ روؤ پھول بر محل کھلا　　شباب مسکرا دیا سحر ہوئی کنول کھلا

اُفق میں اک چمک تھی اور شفق میں اک گداز تھا
طلسمِ کائنات صرف "نغمہ" اور "ساز" تھا

---

# بوسۂ صبح

(سنہ ۱۹۱۹ء)

مہِ حسن ہم سفر ہے کوئی مست ناز یعنی
شبِ کیف و بیخودی ہے سفرِ جہاز یعنی

وہ بعید تر چٹانیں یہ ہوائے کیف در بر
وہ دراز و دور موجیں یہ طرب فروز منظر

ہے جہاز ایک دنیا جو کسی طرف رواں ہے
کہ باعتبارِ جنبش حرکت میں اک جہاں ہے

نہ خیال ناخدا کا نہ ہے بحرِ بے کراں کا
نہ ہے دل میں خوف کوئی نہ ملال جسم و جاں کا

اُدھر آسماں پہ تارے بسکوں چھٹک رہے ہیں
اِدھر اُنکے ہار کھل کر بہ فسوں مہک رہے ہیں

نہ وہ سرگرانِ منزل نہ مجھے خیالِ ساحل
اُنہیں نشۂ جوانی مجھے فرصتِ تشاغل

کسی آنکھ پر ہیں زلفیں مجھے وجد آ رہا ہے
کوئی آید وز گویا تہِ آب جا رہا ہے

یہ خمار نصف شب کا یہ چڑھاؤ بیخودی کا
یہ سکون جزر و مد کا یہ ڈھلاؤ چاندنی کا

شبِ کیف و بیخودی ہے سفرِ جہاز یعنی

تم ادائے مستی سے کیوں مرہوش کھو رہی ہو
ابھی مستِ خواب ہو تم کہ شگفتہ سو رہی ہو

لو اُٹھو جگانے آئی وہ نسیم صبحگاہی
ہوئی سطحِ آب روشن وہ فضا نے آنکھ کھولی

وہ تجلیاں سی پھیلیں ہوئی موج سیم پیکر
وہ اُفق پہ نور چمکا لو وہ جاگ اُٹھا سمندر

اثرِ سحر سے کیا کیا ہیں تم آفریں ہوائیں
تم اُٹھو تو اُٹھ کے مہوش ہیں آپ گوں بلائیں

نظرِ خمار آگیں سوئے سطحِ آب ڈالو
شب بسر دجا رہی ہے اسے روک کر منا لو

یہ سکون یہ خموشی یہ طراوتیں کہاں پھر
یہ حسین مناظرِ شب یہ ملاحتیں کہاں پھر

## شبِ کیف و بیخودی ہے سفرِ جہاز یعنی

اِدھر آؤ میں سنواروں خمِ گیسوئے پریشاں
مرے پاس آ کے بیٹھو کہ ہوں آرزو دِہ اماں

مرے دل میں ہے جو حسرت وہ بہت مچل رہی ہے
مجھے کر رہی ہے مضطر یہ ہوا جو چل رہی ہے

ہیں صباحتیں اُفق کی اثر آشنا جبیں سے
کہ سحر طلوع ہوگی اسی روئے نازنیں سے

اُدھر آفتاب سائل ہے اجازتِ سحر کا
اِدھر آپ کی پرستش مری زندگی کی پوجا

ابھی ساتھ ساتھ ادا ہوں رسومِ افتتاحی
اُسے اذنِ صبح دیدو مجھے بوسہ صباحی

شبِ کیف و بیخودی ہے سفرِ جہاز یعنی

# مُطرِبہ

جلوہ سمن کدے میں عیش و سرور کا ہے
روشن ہے شامِ سرما بھیگی ہوئی فضا ہے

بزمِ طرب میں ہر سو ہنگامۂ نوا ہے
نغموں کی کھیڑ میں اک فردوس ماجرا ہے

دوشیزہ چاندنی کی محجوب روشنی میں
کلیوں کا ہر تبسّم شمعیں جلا رہا ہے

نخلِ سمن کے نیچے پھولوں کی اوٹ لیکر
آمادۂ ترنّم وہ مست کا فرا ہے

آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں ابرو کھنچے ہوئے ہیں
گیسو کھلے ہوئے ہیں آنچل ڈھلا ہوا ہے

مستی برس رہی ہے متوالی انکھڑیوں سے
چتون فسوں اثر ہے تیور فسوں نما ہے

چہرہ ہے ارغوانی ساری ہے آسمانی
ہونٹوں کی سرخیوں میں لالہ کھلا ہوا ہے

پلکوں میں چند نشتر رکھے ہوئے ہیں عریاں
رنگیں نظر کی شوخی آئینہ آزما ہے

نظروں میں بڑھ گئی ہے اُس آئینہ کی قیمت — جس پر ہوا سے اُڑکر اک بال آپڑا ہے

رخسارِ نازنیں پر پلکیں پڑی ہوئی ہیں — نشتر کدہ کسی نے کوثر پہ رکھ دیا ہے

طفلی کی سادگی میں ہے طرزِ والہانہ — دوشیزہ ہے ہر عشوہ کمسن ہر اک ادا ہے

بھیگے ہوئے لب اسکے بوئے شراب ہیں — اندازِ مست اسکا نغموں کا میکدا ہے

ہے نغمہ زارِ فطرت سازِ خموش اُسکا — ہیں لفظ ہر نظر میں ہر سانس زمزما ہے

ہونٹوں میں اسکے "بربط" "مضراب" جنبکی لرزش — دل ہے "رباب" اسکا ایسی وہ مُطربا ہے

ہر صبح "بھیرویں" ہے ہر شام اسکی "دیپک" — نغموں کی ہے وہ دیوی آگ اسکا دیوتا ہے

آنکھ اسکی موہنی ہے لحن اسکی سوہنی ہے — ابرو ہیں اسکے دوہے زلف اسکی انترا ہے

پردہ بنی ہوئی ہے وہ سازِ معنوی کا — در پردہ کوئی اسکے نغموں میں بولتا ہے

نغمے نہیں ہیں موجِ صہبا کی شوخیاں ہیں — نو بادۂ تکلم کیا کیا چھلک رہا ہے

ہونٹوں پہ اسکے نغمے کیا کیا مچل رہے ہیں — ہر لحظہ یک تبسم برہم زنِ فضا ہے

رگ رگ پھڑک رہی ہے وجدان کے اثر سے — سرتا سر ایک نغمہ یہ فتنہ ماجرا ہے

مستی بھی انتظامِ توبہ کیے ہوئے ہے
کیا جانے آج ظالم کتنی پیے ہوئے ہے

## یہ اک مغنیہ ہے

---

جنبش نے بوسۂ لب اب تک نہیں لیا ہے — نغموں کا ایک طوفاں تیار ہو رہا ہے

موسیقی رقص میں ہے اس کی ہر اک ادا پر — اسکی خموشیوں میں سامانِ صد نوا ہے

اک ہاتھ میں ہے بربط بربط پر انگلیاں ہیں — اک وقفۂ خموشی تمہیدِ صد نوا ہے

انگلی کی لرزشوں میں نادیدہ بجلیاں ہیں — ہر تار ایک برقی مضراب بن گیا ہے

بربط کی ہر صدا پر نغمے اُبل رہے ہیں — ساری فضا میں گویا نغمہ بھرا ہوا ہے

طاری ہے اک خموشی گلشن کی ہر روش پر — ہر پھول محو ہو کر کچھ غور کر رہا ہے

چُپ ہو گئی ہے کوئل خاموش ہے پپیہا — ہر طائرِ چمن کو سکتہ سا ہو گیا ہے

بھولے ہوئے ہیں چشمے اپنی روانیوں کو — ساری فضا پہ سحرِ نغمات چھا گیا ہے

اب ہے لبوں کی شوخی آمادۂ تکلم　　اب منظرِ خموشی بولا ہی چاہتا ہے

در جوشِشِ تکلّم نطق و نوا در آمد
از موجۂ تبسم رنگِ صدا بر آمد

غنچہ کھلا ہوا ہے

نغموں کی شوخ دیوی کا فرمغنیہ ہے　　ہر تان میں کرشمہ انگڑائی لے رہا ہے
لو اس نے راگ چھیڑا لو وہ قیامت اُٹھی　　گنجائشیں ترنّم محفل میں ڈھونڈتا ہے
آواز و ساز ملکر دنیا ہلا رہے ہیں　　کتنی نئی غزل ہے کتنی نئی نوا ہے

## غزل

پھر نالہ لب تک آکر آمادۂ فنا ہے　　سازِ شکستہ دل مضراب ڈھونڈتا ہے
ہے پھر سرِ تکلّم ایمن کی وادیوں میں　　پھر جذبۂ خموشی مجبورِ التجا ہے

شعلہ فروشیوں کو لیلیٰ وشی مبارک ۔۔۔ پروانہ انجمن میں دیوانہ بن گیا ہے

ذوقِ ستم سے عرضِ تکمیل کر رہا ہوں ۔۔۔ کس درجہ نامکمل افسانۂ وفا ہے

یارب ہو خیر میری طوفاں نصیبیوں کی ۔۔۔ پھر کشتیِ تمنا گرداب آشنا ہے

ہے طور کی فضا پر دھوکا تجلیوں کا ۔۔۔ ایمن کا ہر تِتِنگا بجلی بنا ہوا ہے

میں درد کی سراپا تصویر بن گیا ہوں ۔۔۔ دل میں بھی اک دعا ہے لب پہ بھی اک دعا ہے

رسوائیوں پہ میری مائل ہیں ان کی آنکھیں ۔۔۔ نظروں میں اک فسانہ تالیف ہو رہا ہے

نغموں کے ہر قدم پر دریا بہا رہی ہے

اک ساحرہ ہزاروں جادو جگا رہی ہے

ہر کوئی جھومتا ہے

---

اے گانے والی "زہرہ" تو کتنی خوش ادا ہے ۔۔۔ نغموں سے تو نے دل کو معمور کر دیا ہے

فردوسِ ہر نظر تھا گل ریز تیرا جلوہ ۔۔۔ اب جنّتِ سماعت نغمہ ترا بنا ہے

کس درجہ روح کش ہیں مچلی ہوئی صدائیں
آوازِ ناز پیرا نغموں کا ارتقا ہے

ہاں پھر اُسی طرح ہو ہنگامہ خیز گلشن
ہاں پھر سُنا وہ نغمہ جو درد سے بھرا ہے

کرتی ہے روحِ مُردہ اُٹھ اُٹھ کے تجھکو سجدے
کافر نوائیوں میں جادو نہیں تو کیا ہے

لبہائے نازنیں کو تکلیفِ نَے دیے جا
تو جانِ زمزمہ ہے تو پیکرِ صدا ہے

بن جا نشاط بن جا حسرت کی انجمن میں
تو نازشِ ترنم ناظورۂ فضا ہے

میری خموشیوں میں اک روحِ نطق بھر دے
پھر تشنۂ رسائی آہِ شکستہ پا ہے

کر دے شہید کر دے نغمہ کی برچھیوں سے
جانِ حزینِ ساغؔر تیرا معاوضا ہے

اے "مُطربہ" لبوں کو اذنِ نوا دیے جا
میں ہوں شہیدِ نغمہ بسمل مجھے کیے جا

تو فطری شاعرہ ہے

# بھکارن

او کم سن کم سال بھکارن — او افسردہ حال بھکارن
میلے میلے گالوں والی — اُلجھے اُلجھے بالوں والی
او دیوانی قسمت والی — او شاہانی صورت والی
سر میں گرد اور خاک بدن پر — میلا میلا کُرتا تن پر
کس کا زیور کس کا گہنا — او سادہ فطرت کیا کہنا

آہ بھکارن واہ بھکارن
دیکھ اِدھر لِلّٰہ بھکارن

یہ تیری نورانی صورت — یہ چہرے پر گردِ حسرت
یہ موسم یہ مست جوانی — اُس پر عشووں کی عُریانی

پردے کی پابند نہیں تو     بے پردہ ہر چند نہیں تو
غالب ہے ویرانی تجھ پر     طاری ہے حیرانی تجھ پر
بربادی تیرا پردہ ہی     در پردہ کس نے دیکھا ہی

آہ بھکارن، واہ بھکارن
آہ نہ بھر للہ بھکارن

بال نہیں محتاجِ شانہ     آنکھیں سُرمے سے بیگانہ
مہندی سے ہے پاک ہتھیلی     جب چاہا انگڑائی لے لی
لوٹ رہی ہے دل کی بستی     ہاتھ میں کاسہ آنکھ میں مستی
عشق کی مظہر غم کی جوگن     حُسن کی مالک اور بھکارن
خود عشرت اور تشنۂ عشرت!     خود دولت اور خستۂ دولت!

آہ بھکارن، واہ بھکارن
دیکھ اِدھر للہ بھکارن

زُلف وبالِ دوش نہیں ہے — سینہ کا بھی ہوش نہیں ہے

سو گئی جب نیند آنکھ میں آئی — اُٹھ بیٹھی لے کر انگڑائی

جو کچھ مل جائے کھا لینا — چپکے چپکے کچھ گا لینا

اُف رے تیری شانِ توکّل — یہ سِن یہ سامانِ توکّل!

عجزِ مکمّل باتیں تیری — دوشیزہ ہیں راتیں تیری

آہ بھکارن، واہ بھکارن

دیکھ اِدھر للہ بھکارن

دیکھ کے دل بھر آیا میرا — آمیں بھر دوں کاسہ تیرا

مانگ لے جو کچھ مانگا جائے — لوٹ لے جتنا لوٹا جائے

دل لے لے ایمان بھی لے لے — جی چاہے تو جان بھی لے لے

میں بھی تیرا دل بھی تیرا — سامانِ محفل بھی تیرا

ساغر تیرا ساقی تیرا — تو میری اور باقی تیرا

آہ بھکارن، واہ بھکارن

مانگ مجھے للہ بھکارن

آئیں تیرے بال سنواروں نظّاروں سے گال سنواروں

روح بنا کر تن میں رکھوں آنکھوں کی چلمن میں رکھوں

بن جا بزم دل کی رانی اس دنیا میں کر سلطانی

میں تیرا جوگی بن جاؤں در پہ سائل بن کر آؤں

تجھ سے مانگوں بھیک سکوں کی ہو جائے تکمیل جنوں کی

آہ بھکارن، واہ بھکارن

مانگ مجھے للہ بھکارن

# کنیزِ حرم

عصمتِ خلوتِ حرم لعبتِ بزمِ دلبری
حرمتِ کعبۂ خلیل روحِ بتانِ آذری

پردہ ترا جمال ریز
تیری جھلک جلال خیز

نطق ترا زبورِ دیں
ہونٹھ مسیح آفریں

حورِ جبیں کی تابشیں
اُف یہ تری نمائشیں

رنگ ترا عدن طراز
سینہ ترا حریمِ ناز

عمر تری پیامِ عشق جوش ترا نویدِ کیف
آنکھ خدائے میکدہ اور نظر پیمبری

تیری ضیائے سادگی
صحنِ حرم کی چاندنی

تیرا شبابِ آتشیں
عنبرِ مجمرِ یقیں

عجزِ نوا غرور ساز
حسنِ نیاز طور ساز

حاصلِ دیں وفا تری کفرِ جواں حیا تری

قامتِ فتنہ زا ترا برق کا شعلۂ دراز حشر نوازِ رہگذر تیرا خرام سرسری

ہائے یہ کیفِ کمسنی اُف یہ تری کنیزگی

ناز بھی ہے نیاز بھی سوز بھی اور ساز بھی

آنکھ جھکی جھکی ہوئی بات رُکی رُکی ہوئی

جوش دبا دبا ہوا شوق چھپا چھپا ہوا

عشوہ میں کچھ تمانتیں غمزہ میں کچھ ندامتیں ایک شبابِ خود نما پردۂ صد فسوں گری

ساز کو مضمحل نہ کر ناز کو منفعل نہ کر

بیٹھ غلافِ کعبہ میں خلوتِ صاف کعبہ میں

شوق کرے نوازشیں عشق کرے پرستشیں

جلووں کو خود نما بنا حُسن کو یوں خدا بنا

پوجنے آئے بتکدہ سجدے کرے تجھے حرم معبدِ لات ہو ترا حریمِ کافری

# موسیقیِ صحرا

مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا
او حسین مطربہ! کوئی گت سُنائے جا

دامنِ بہار پر
موجِ جوئبار پر
شاخِ غُنچہ بار پر
فرشِ لالہ زار پر
خاکِ زرنگار پر
تُربتِ ہزار پر

او حسین مطربہ! کوئی گت سُنائے جا مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا

ہے نظر میں نور بھی

آنکھ میں سرور بھی

کیف کا وفور بھی

حُسن کا ظہور بھی

یاس بھی ہے دور بھی

آدمی بھی حُور بھی

مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا

او حسین مطربہ! کوئی گت سُنائے جا

محو ہے خیال بھی

وجد میں ہے حال بھی

سبزہ بھی نہال بھی

نقص بھی کمال بھی

مست ہیں حباب بھی

نوجواں غزال بھی

او حسین مطربہ! کوئی گت سنائے جا

مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا

پیکرِ عجائبات

شعلۂ تجلّیات

رُخ میں ہے یم حیات

زلفیں ہیں چمن کی رات

نغمہ ریز تیری گات

کھینچ لیگی کائنات

مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا

او حسین مطربہ! کوئی گت سنائے جا

حُسن زمزمہ طراز

دل گداز و دل نواز

آنکھ ترجمانِ راز

اور نظر پیامِ ناز

آہ یہ قدِ دراز

حشر خیز و حشر ساز

او حسین مطربہ! گائے جا بجائے جا

مست زمزمہ نواز! کوئی گت سنائے جا

یہ نشستِ نازنیں

یہ ادائے دل نشیں

یہ نگاہِ شرمگیں

قامت اور بہتریں

طلعت او مرمریں

گیسو او عنبریں

مست زمزمہ نواز کوئی گت سُنائے جا

او حسین مطربہ گائے جا بجائے جا

او دوشیزہ ساحرہ

اُنگلیاں نہ روکنا

ورنہ عالمِ بقا

دور بھول جائیگا

او حیاتِ مطلقہ

زندگی بڑھائے جا

او حسین مطربہ! کوئی گت سُنائے جا

مست زمزمہ نواز گائے جا بجائے جا

# مسافرہ

نظر کو ہے عادتِ تماشا جہاں ہو جیسا ہو جس طرح ہو
کوئی یہ حسنِ ازل سے کہدے کہ جلوہ آرا ہو جس طرح ہو
مگر نہ اس طرح تیر پھینکے کہ چوٹ کھاتے ہی بیٹھ جاؤں
میں چاہتا ہوں شرابِ جلوہ مجھے گوارا ہو جس طرح ہو

یہ حسن اور یہ نکھار، توبہ — یہ عمر اور یہ بہار، توبہ
خدائی بندہ بنی ہوئی ہے — ارے مرے کردگار، توبہ
یہ صندلیں حسن کی صباحت — یہ ہونٹھ اور یہ عذار، توبہ
الٰہی تو بُتکدے میں اِک دن خرابِ سجدہ ہو جس طرح ہو

یہ ملگجی سی سپید ساری — اور اُس پہ یہ اسودی کناری

نظر میں ہلکا سا اِک تموّج لبوں پہ ہلکی سی سُرخ کاری

یہ دیکھنا بار بار چھپکر یہ نیچی نظروں کی شرمساری

یہ تیری میخانہ گیر آنکھیں یہ تیرے دانتوں کی آبداری

ہے آسماں کو یہ بیقراری کہ تو ثریّا ہو جس طرح ہو

ترا مجھے راہ میں ستانا نظر کا اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ جانا

اُتر کے رستے میں چھپکے میرا وہ دور سے تجھکو دیکھ آنا

وہ رات کو چاند کا نکلنا وہ تیری آنکھوں کا مُسکرانا

میں تجھ سے اک بیط چاہتا ہوں کہ ہو مکمل نہ یہ فسانا

تو ساتھ ہو اور ختم برسوں سفر نہ میرا ہو جس طرح ہو

لبوں کی جنبش بتا رہی ہے کہ تو بھجن گُنگُنا رہی ہے

کسی پہ تو نے ستم کیا ہے جو ہر سے یوں لَو لگا رہی ہے

ہے ہر ہی ہر تیری ہر صدا میں تو خود ہی ہر میں سما رہی ہے

جو ہر کی جوگن نہیں جوانی　　تو کیوں تو ہر دوار جا رہی ہے

تری جوانی کے بتکدے میں تری ہی پوجا ہو جس طرح ہو

---

# اُجڑے ہوئے معبد

یہ پُر جلال وادی دریا کا یہ کنارا　　یہ عنفوانِ سبزہ صاحبدلاں خدا را

صحن حرم کے رُخ پر پتھر گرے ہوئے ہیں　　مینار ٹوٹے پھوٹے اب تک کھڑے ہوئے ہیں

آثار سے عیاں ہے شانِ کمال اب تک　　مٹی میں کوندتی ہے برقِ جلال اب تک

ٹوٹے ہوئے مصلّے اعلانِ پاکبازی　　ہیں معتکف ابھی تک گویا یہیں نمازی

ذرّوں پہ کچھ مٹے سے سجدوں کے ہیں نشاں بھی　　جھونکوں میں ہے ہوا کے گونجی ہوئی اذاں بھی

دھندلی سی چاندنی میں محراب و در شکستہ　　دو طائرِ حجازی بیٹھے ہیں پر شکستہ

عکسِ شکستہ موج دریا کی آبرو ہے　　پھر کاروانِ عبرت آمادۂ وضو ہے

آتی ہیں غسل کر کے دریا سے جب ہوائیں　　وادی میں گونجتی ہیں تکبیر کی صدائیں

ہے کیمیائے طاعت مٹی جو کوئی چھانے
تسبیح کے ملیں گے اب بھی ہزار دانے

تم اپنا سر جھکائے کیوں اس جگہ کھڑی ہو　　کیوں بال ہیں پریشاں کس فکر میں پڑی ہو

تیور تمہارے کافر عشوہ فسوں اثر ہے　　کیا تم مسافرہ ہو عزم سفر کدھر ہے؟

وحشت کدے میں آخر کیوں تم نے لیں پناہیں　　گلشن میں کیا نہیں تھیں رنگیں فرودگاہیں

کیوں مست ہے نگاہ غارت اثر تمہاری　　برباد کرنے والی خود ہے نظر تمہاری

روحانیت کا جذبہ تاباں سا منجلی سا　　ہر سانس سے تمہارے پیدا ہے اک کلیسا

ہیں اک طرف نگاہیں اور آہ بھر رہی ہو　　ذرات منتشر کو کیا جمع کر رہی ہو؟

گھبرائی سی ہے چتون شرمائی سی نظر ہے　　ماتھے پہ ہے پسینہ چشم سیاہ تر ہے

یہ فکر یہ تردد چہرہ سے کیوں عیاں ہے　　اس غور کے میں صدقے آخر نظر کہاں ہے

بربادیوں کا شاید احساس کر رہی ہو!　　شان نسائیت کا کیوں پاس کر رہی ہو؟

لیکن یہ حس کہاں تھی جب تم نے دل دُکھایا — خانہ خرابِ غم کو سو سو طرح ستایا
برباد دل کو کرکے ہوتی تھیں شادماں تم — جذباتِ بےکسی سے آگاہ تھیں کہاں تم
کیا کیا نہ رہگذر میں فتنے اُٹھائے تم نے — پامالِ راہ دل کے خاکے اُڑائے تم نے

جب کیوں ہوا نہ صدمہ دل پر اگر اثر تھا
یہ بھی خدا کا گھر ہے وہ بھی خدا کا گھر تھا

---

# نقشِ تصوّر

(ایک تصویر کو دیکھکر)

او عالمِ تصویر میں حیرانِ تصوّر — او خلوتِ تنہا میں پریشانِ تصوّر
تشکیلِ درخشاں تری آئینۂ جذبات — تخئیلِ پریشاں تری رومانِ تصوّر
پیدا ترے انفاس سے مضرابِ تخئیل — ظاہر ترے انداز سے ہیجانِ تصوّر

مدھم تری ترتیب میں موسیقیِ عشرت　　برہم تری ترکیب میں سامانِ تصوّر

افسردگیاں تیری جبیں چوم رہی ہیں

دنیائے تصوّر کی حدیں جھوم رہی ہیں

صورت تری مغموم ہے گھبرائی ہوئی ہے　　تصویرِ شگفتہ تری مرجھائی ہوئی ہے

آنسو تری آنکھوں میں ہیں مائل بہ چکیدن　　دنیا ترے جذبات کی تھرّائی ہوئی ہے

ہونٹوں سے گری پڑتی ہے داماں نظر میں　　نازک وہ طبیعت جو کہیں آئی ہوئی ہے

پیدا ترے تیور سے ہیں آثارِ شبِ غم　　اور صبحِ جوانی ہے کہ اترائی ہوئی ہے

ارمان ہیں کس کے تری آغوش تہی ہے

جاذب نظری تیری کسے کھینچ رہی ہے

قوّت میں نظر کی اثرِ کاہ رُبا ہے　　پھر اُس پہ کشش حُسن کی موّاجِ فضا ہے

تو اپنے تصوّر میں جسے کھینچ رہی ہے　　شاید وہ تجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے

ہے نقطۂ وسطیٰ پہ تصوّر کا تصادم　　اک بام کی تعمیر میانِ دو ہوا ہے

ہشیار کہ مغلوب نہ ہو تیری نزاکت　　بیدار کہ اندیشۂ لغزیدن پا ہے

پھنس جائے نہ احساس کہیں دام اثر میں

تو جذب نہ ہو جائے کہیں اُس کی نظر میں

بکھرے ہوئے احساس کو تسکین عطا کر　　دل ہے ترا معصوم تو اُس پر نہ جفا کر

بھیگا ہوا پیکر ہے تصوّر کے اثر سے　　جیسے کوئی اُبھرا ہو سمندر میں نہا کر

رگ رگ سے ٹپکتی ہے تفکّر کی اُداسی　　پہلو میں تو بیٹھی ہے عجب آگ چھپا کر

تو عالمِ تصویر کسی منظرِ غم سے　　لائی ہے نگاہوں میں نگاہوں سے بچا کر

ہے محوِ تصوّر مگر اپنا بھی پتا ہے

کاغذ پہ مصوّر نے تجھے کھینچ لیا ہے

# میرا پیام لے جا

## سنہ ۱۹۲۰ء

اے نامہ بر کبوتر جبریل پر کبوتر
رنگیں نظر کبوتر عنقا سیر کبوتر

میرا ہمائے خلوت اے نغمہ بار تو ہے
میرے الم کدے میں شب زندہ دار تو ہے

اے مرغِ صبح آرا
اب ضبطِ آرزو کا دل کو نہیں ہے یارا

مجروح و ناتواں ہوں
مجبور و خستہ جاں ہوں

محروم و بے نشاں ہوں

نا آشنائے غم ہوں اور مبتلائے غم ہوں

جذبات منتشر ہیں

مجبور سی پڑی ہوں حالات منتشر ہیں

تو بام آشنا ہے

الہام آشنا ہے

اک نالۂ تمنّا ہنگامۂ تمنّا

بالائے بام لے جا

میرا پیام لے جا

آخر خموش کب تک یوں صبر کوش کب تک

نالہ فروش کب تک بے صبر ہوش کب تک

دل کے تپش کدے میں شعلے بھڑک رہے ہیں

پہلو میں آرزو کے نشتر کھٹک رہے ہیں

ناکامِ آرزو ہوں

سرگشتۂ تمنّا بدنامِ آرزو ہوں

وہ شہریارِ نخوت

مخمورِ خمارِ نخوت

آئینہ دارِ نخوت

آمادۂ تغافل شہزادۂ تغافل

جس میں نہیں مروّت

جو صبر آزما ہے جس کو ہے مجھ سے نفرت

جو مجھ سے بے خبر ہے

جو آفتِ نظر ہے

میرا پیامِ فرقت میرا سلامِ فرقت

آج اُس کے نام لے جا
میرا پیام لے جا

یہ میری نوجوانی    اس پہ یہ سرگرانی
مایوس شادمانی    ہے زندگی فانی

ہر لحظہ اِک تصوّر ہے ہمکنار مجھ سے
روٹھی ہوئی پڑی ہے دلکی بہار مجھ سے

وہ خواب میں کل آکر
برباد کر گیا ہے    اپنی جھلک دکھا کر

جو سجدہ گاہِ دل ہے
نورِ نگاہِ دل ہے
آزار خواہِ دل ہے

میری مصیبتوں کی    میری اذیتوں کی

پروا نہیں ہے جس کو

اِک بار دیکھ کر پھر دیکھا نہیں ہے جس کو

اُس کو مری خبر دے

میرا یہ کام کر دے

مل جائے تو مکاں تک تو اُس کے آستاں تک

اے خوش خرام لے جا

میرا پیام لے جا

لے جا مرا تکلّم غم آفریں تبسّم

جذبات کا تلاطم دن رات کا توہّم

لے جا مری جبیں سے عکسِ خطِ شکستہ

گیسوئے عنبریں کے خم ہائے گرد بستہ

پہ کھول کر چھپا لے

اپنے مجسّمے کو تصویرِ غم بنا لے

رنگِ سکوں بھی لے جا

سوزِ دروں بھی لے جا

جوشِ جنوں بھی لے جا

یاس آفریں اُداسی یہ میری بدحواسی

حسرت بھری نگاہیں

نظروں میں جذب کر لے پھر لے لبوں میں آہیں

عالم کا دل ہلا دے

پیغامِ غم سنا دے

میری خموشیوں کی اور ضبط کوشیوں کی

طرزِ کلام لے جا

میرا پیام لے جا

تو میرا راز داں ہے     غمخوار و مہرباں ہے

سیّاحِ آسماں ہے     طیّارۂ رواں ہے

اُکھڑا ہوا لبوں کا میرے یہ رنگ لے جا
ہونٹوں کا رنگ لے جا
دل کی اُمنگ لے جا
آمادہ تو اگر ہو

دوں میں تجھے دعائیں     گر میرا نامہ بر ہو

کچھ تو ملے سہارا

فرقت نہیں گوارا

اے مُشتِ پر خدارا

لے جا یہ محضرِ غم     بیکار، دفترِ غم

لکھتی ہوں میں لہو سے

مکتوبِ حسرت آگیں     لبریز آرزو سے

یہ خط یہ شوق نامہ

یہ اضطرابِ خامہ

جس میں بھری ہوئی ہے تحریر کی ہوئی ہے

رودادِ شام لے جا

میرا پیام لے جا

---

# زہرا کے گلدستہ پیش کرنے پر

جس طرح دیتی ہے شب کو شام قرصِ ماہتاب
جس طرح نورِ سحر دیتا ہے نذرِ آفتاب

جس طرح گل بلبلِ رنگیں کو دے طشتِ شمیم
جس طرح دے صبح کو منشردۂ نکہت نسیم

شمع بخشے گوشۂ تاریک کو جس طرح نور
حور جیسے دے فرشتے کو صبوحِ طہور

جس طرح دردِ محبت کا کوئی انعام دے　　ساقیہ جیسے گلابی کا چھلکتا جام دے

پیش کش ماہِ منور کو باندازِ حجاب　　دے ثریا جس طرح اپنے ستاروں کا رباب

بالکل ایسے ہی مجھے زہرا نے گلدستہ دیا

رنگ و بو کا طائرِ خاموش و پر بستہ دیا

شکریہ میں اے تہیدستی بتا کیا دوں اسے　　دل کے داغوں کا بنا کر ہار پہنا دوں اسے

حالتِ غم میں شگفتِ روح کا مژدہ دیا

نور کے تڑکے مرے جذبات کو تڑپا دیا

دل میں رکھ لوں روح کی خلوت میں پھیلا دوں اسے　　یا نسیمِ آہ سے کچھ اور مہکا دوں اسے

# اپنی قلوپطرہ سے خطاب

پھر مری روح کی تسکین کا ساماں کر دے
اپنی زلفوں کو پھر اک بار پریشاں کر دے

یہ تو کیونکر کہوں کونین کو ویراں کر دے
ہو سکے تو مری دنیا کو پریشاں کر دے

کفر و اسلام تری ایک نظر کے دو تیر
تو اگر چاہے تو کافر کو مسلماں کر دے

ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھ رہا ہوں تجھکو
نگہِ ناز سے شرمندۂ عصیاں کر دے

غنچے سب نیم شگفتہ ہیں ابھی گلشن میں
چال کو اپنی ذرا حشر بداماں کر دے

اُسی انداز سے آتشکدۂ دل میں مرے
جو مرے باغ کا ہر پھول پریشاں کر دے

پھر نگاہوں سے سکھا فلسفۂ زہد و گناہ
جذبۂ شوق کو آمادۂ عصیاں کر دے

آ مرے سامنے اک عیدِ مجسّم بن کر
اور پھر حُسن پر اپنے مجھے قرباں کر دے

میری مشکل کا خدا کیلئے احساس نہ کر
اور مشکل کا ہے احساس تو آساں کر دے

یہ جو بیتاب ہے تیری مژۂ رنگیں میں | ہاں اسی تیر کو مانوسِ رگِ جاں کر دے
اپنی تصویر سے پیدا وہ اثر کر مجھ میں | جو مجھے تیرے تصوّر میں نمایاں کر دے
خامشی تا بہ کجا، چشمِ سخنگو پہ نثار | میرے افسانے کا قائم کوئی عنواں کر دے
تو نہ دیکھ اتنی خطرناک نظر سے مجھ کو | کہ مرا دل مجھے آمادۂ عصیاں کر دے

ہوشیاری ہے بڑا عیب جنوں میں ساغرؔ
دوسرے ہاتھ کو بھی نذرِ گریباں کر دے

---

# بیداری کا خواب

## اَوَدھ کی ایک زرّیں شام

وہ دن تھا یا رات تھی الٰہی جو میری دنیا پہ چھا رہی تھی
کہ ہر رگِ تن سے روح کھنچ کھنچ کے صرف آنکھوں میں آ رہی تھی

نظریں لکیر بنا ہوا تھا، نظر پہ پردہ پڑا ہوا تھا

بصیرتیں جاگ اُٹھی تھیں دل کی اک آنکھ جادو جگا رہی تھی

میں اپنی محویتِ نظر میں غبار بن بن کے اُڑ رہا تھا

جمیل پروازِ حُسن میری نظر کا خاکہ اُڑا رہی تھی

وہ جلوہ گاہِ جمال جس کی حدود تھیں مرکزِ تجلّی

مری نگہ میں بسی ہوئی تھی مری نظر میں سما رہی تھی

لطیف پردے پڑے ہوئے تھے حسیں فرشتے کھڑے ہوئے تھے

مگر وہ مجھ سے نظر ملا کر خرابِ ہستی بنا رہی تھی

فضا طلسمی، نوا طلسمی، ہوا طلسمی، ادا طلسمی

وہ سحرِ ذی روح مُسکرا کر عجیب جادو جگا رہی تھی

نسیم بیخود، شمیم بیخود، کلام بیخود، کلیم بیخود

چمن چمن لہلہا رہا تھا، کلی کلی مُسکرا رہی تھی

تا اِک آنسوؤں سے لبریز یہ سا مرقّع دکھا رہا تھا
ہر ایک تصویر مست ہو کر مری طرف مُسکرا رہی تھی
وہ نیم جلوے مری نگاہوں کے زاویوں پہ مچل رہے تھے
خیال بھی مُسکرا رہا تھا، نگاہ بھی مُسکرا رہی تھی
خیالِ رسم و رواج اُسیرِ حجاب بن بن کے چھا رہا تھا
مگر وہ عطرِ عروس بن کر تمام محفل پہ چھا رہی تھی
وہ اس کا زرّین تر تبسم وہ اس کا رنگین تر ترنّم
شبابِ نغمہ بنی ہوئی تھی، خرابِ نغمہ بنا رہی تھی
وہ اس کا ہر شعر غم کی دنیا، جفا کی دنیا ستم کی دنیا
فسانۂ غم سُنا سُنا کر مجاہدِ غم بنا رہی تھی
وہ کالے بالوں کے مست گچھے وہ حسن کے جاندار بوسے
مرے لبوں پر مری نظر پہ وہ اپنی مُہریں لگا رہی تھی

وہ رنگِ محفل کی تازگی تھی اور اُس میں تھا عکس تازگی کا

ہر ایک شے اُس میں خندہ زن تھی ہر اک میں وہ مسکرا رہی تھی

دلوں میں ہیجان اُٹھ رہا تھا لطیف طوفان اُٹھ رہا تھا

اِدھر سے اک موج جا رہی تھی اُدھر سے اک موج آ رہی تھی

وہ نازنیں اک صدا کہ جو اپنی پوری قوّت سے گونج اُٹھی

صدا نہ تھی بلکہ اِک قیامت سی اُٹھ کے فتنے جگا رہی تھی

شگفتِ گل کی صدا تھی یا گلستاں میں کلیاں چٹک رہی تھیں

کہ حورِ فردوس بے حجابانہ اپنے نغمے سنا رہی تھی

اِدھر بھی نغمہ اُدھر بھی نغمہ یہاں بھی نغمہ وہاں بھی نغمہ

لطیف نغموں کی گونج ساری فضا کو نغمہ بنا رہی تھی

حسین ہونٹوں کی جنبشوں میں لرز رہی تھی حیا کی دنیا

جو کیف شوخی بنا ہوا تھا نگاہ اُس کو چھپا رہی تھی

وہ ایک بجلی جو بے محابا تڑپ کے چمکی بھی اور گری بھی

بسیط امین کی وسعتوں میں کلیم مجھکو بنا رہی تھی

جمال اور صاحبِ تکلم، تکلم اور اس قدر شگفتہ

وہ نورِ مستی برس رہا تھا کہ انجمن جگمگا رہی تھی

نظر شگفتہ، سخن شگفتہ اداؤں کا بانکپن شگفتہ

وہ اک گلستاں بنی ہوئی تھی وہ سو گلستاں بنا رہی تھی

جدھر تھا رُخ حسن کی صدا کا اُدھر ہی رُخ تھا ہر اک ہوا کا

جدھر نظر اُس کی جا رہی تھی اُدھر یہ دنیا بھی جا رہی تھی

غزل کے اوزان جی اُٹھے تھے تمام ارکان جی اُٹھے تھے

کہ ایک شعریتِ مجسم کلام اپنا سُنا رہی تھی

الٰہی تھی کونسی وہ محفل، الٰہی محفل میں کون تھی وہ ؟

وہ کس کی مستانہ خوش نوائی شرابِ رنگیں پلا رہی تھی

خیال تھا یا وہ خواب تھا جس کی یاد اب تک ہے دل میں باقی
عجیب مطرب عجیب ساقی کہ وجد میں روح آ رہی تھی

نہ اب وہ محفل نہ اب وہ نغمے نہ اب وہ بادہ نہ اب وہ مستی
ہے صرف اتنا خیال ساغر میں سن رہا تھا وہ گا رہی تھی

---

# کشمکشِ آرزو

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں ۔ نگاہِ وفا آشنا چاہتا ہوں
کہ میں اپنے غم کی دوا چاہتا ہوں

نئی کائناتیں

سمندر کی راتیں

دل آویز باتیں

## محبت کی گھاتیں

یکا یک کہیں گم ہوا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، نگاہِ وفا آشنا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں میں کیا چاہتا ہوں، جوانی کو میں بیچنا چاہتا ہوں

کہ میں اپنے غم کی دوا چاہتا ہوں

اچھوتی فضا ہو

سنہری گھٹا ہو

نشیلی ہوا ہو

رنگیلی صدا ہو

ہر آواز پر جھومنا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں میں کیا چاہتا ہوں، جوانی کو میں بیچنا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، ہوا کی طرح تیرنا چاہتا ہوں

کہ میں اپنے غم کی دوا چاہتا ہوں

نہ بربادیاں ہوں

نہ جلادیاں ہوں

نئی وادیاں ہوں

اور آزادیاں ہوں

میں زنجیرِ پا توڑنا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، ہوا کی طرح تیرنا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، نئی اور اچھوتی فضا چاہتا ہوں

کہ میں اپنے غم کی دوا چاہتا ہوں

چمکتے ستارے

مہکتے شرارے

بہ ہر کوہسارے

بہ ہر سو نگارے

نئے اپنے ارض و سما چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، نئی اور اچھوتی فضا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، میں اک مرکزِ انتہا چاہتا ہوں

کہ میں اپنے غم کی دوا چاہتا ہوں

یہ احساسِ مستی

یہ مستی یہ ہستی

یہ صہبا یہ مستی

بلندی و پستی

میں ان سب سے آگے بڑھا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، میں اک مرکزِ انتہا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، ہر اک چیز کو بھولنا چاہتا ہوں

کہ میں اپنے غم کی دوا چاہتا ہوں

جہاں ہے مراق

اُٹھ اے پیر ساقی

پلادے عراقی

کہ ہو ہوش باقی

ترے جام میں ڈوبنا چاہتا ہوں

میں کیا چاہتا ہوں، میں کیا چاہتا ہوں، ہر اک چیز کو بھولنا چاہتا ہوں

کہ میں اپنے غم کی دوا چاہتا ہوں

# بسو ہر وقت تم دل میں ہمارے

کہیں چاند اور کہیں تم ہو ستارے — نرالے ہیں تمہارے روپ سارے

ہماری زندگی کے ہو سہارے — بسو ہر وقت تم دل میں ہمارے

بسو ہر وقت تم دل میں ہمارے

نہ جاؤ روٹھ کر ہم سے کنارے — نہ سوچ میں کرو چھپ کر اشارے

یہیں پوجا تمہاری ہو گی پیارے — شوالہ ہے یہی قابل تمہارے

بسو ہر وقت تم دل میں ہمارے

یہ سندر چھب یہ تیور پیارے پیارے — ہماری جان ہیں درشن تمہارے

نہ ڈھونڈو پریت کو تم دوار دوارے — اسی میں پریم کے بہتے ہیں دھارے

بسو ہر وقت تم دل میں ہمارے

# سُرورِ حیات

سُرورِ نغمہ سے ہی جان آوازِ مغنّی میں
اسی سے زندگی کی چھیڑ ہی سازِ مغنّی میں

سُرورِ زندگی نغموں میں بھر کر پھیل جاتا ہے
سُرورِ زندگی ہی ساز کے پردے اٹھاتا ہے

خدا جانے اثر ہوتا ہی کیا رنگیں صداؤں میں
سُروں کی ایک دنیا پھیل جاتی ہی فضاؤں میں

سُرورِ زندگی شاعر کے دل کو گرم کرتا ہے
سُرورِ زندگی احساس کی رگ نرم کرتا ہے

سُرورِ زندگی ہے رنگ آرا پیکرِ گُل میں
سُرورِ زندگی ہی درد پیرا صوتِ بُلبُل میں

سُرورِ زندگی مشہود میں ہے، اور شاہد میں
سُرورِ زندگی ہے شعلہ زن قلبِ مجاہد میں

جوانوں کو یہ میدانِ وغا میں یوں لڑاتا ہے
کہ ساتوں آسمانوں کا کلیجہ کانپ جاتا ہے

---

وہ اک ذہنِ مصوّر کا خیالی نقشِ عناتر
کہ جس میں شمع بر کف اک دوشیزہ ہے پری پیکر

لبوں کو اس کے دل کے خون نے رنگیں کیا ہے یوں
اور اُسکی نرگسِ شہلا کو غم سے بھر دیا ہے یوں

کہ جیسے اپنے دل کا غم ہو اپنی آنکھ سے پیدا
کنول پہ گر پڑا ہو جس طرح یاقوت کا ٹکڑا

پیامِ عشق دینے کے لئے استادہ ہستی ہو
لباسِ حُسن میں جل جانے کو آمادہ ہستی ہو

سُرورِ زندگی کی ہی یہ سب تصویر آرائی
کہ زورِ موقلم ہے اور فکرِ رنگ پیرائی

جمالِ زندگی مضمر جلالِ زندگی پنہاں
سرورِ زندگی میں ہے کمالِ زندگی پنہاں

---

# بلک بلک مر جائے

سندر نینا مدھ بھرے بھونرا رس کو آئے

کالی زلفیں موہنی جیسے بدری چھائے

دو بھر ہو جینا اُسے جو تم سے نیہ لگائے

سسک سسک کر جان دے بلک بلک مر جائے

---

کیوں وہ اپنے داس کو درشن دینے آئے
کیوں وہ اپنے حسن کا روپ انوپ دکھائے
اے پریمی کیوں آس میں اپنے نین تھکائے
اس کی تو خود چاہ ہے بلک بلک مر جائے

---

# صحبتِ دشمن

سا غر اس کا مسکرانا یاد ہے — مسکرا کر جھینپ جانا یاد ہے
مستقل وہ مسکرانا یاد ہے — روح کو وحشی بنانا یاد ہے
ان کا وہ دامن اٹھانا یاد ہے — دل کا اٹھ کر بیٹھ جانا یاد ہے

اُس مجسّم برقِ حسن و ناز کا — سر سے پا تک مسکرانا یاد ہے

بیٹھے بیٹھے اِک ادائے مست سے — اُن کا اکثر جھوم جانا یاد ہے

اِک ادائے سادہ و پُر بادہ سے — پاس آکر بیٹھ جانا یاد ہے

عشق کی لَے میں بانداز خیال — حُسن کا کچھ گنگنانا یاد ہے

اور پھر رسوائی نغمات سے — جھینپ جانا سر جھکانا یاد ہے

---

اب کہاں وہ عشرتِ اُفتادگی — پاؤں پر خود کو گرانا یاد ہے

اب کہاں وہ میکدہ وہ مے کشی — اُن کا پینا اور پلانا یاد ہے

اب فراموشی کا وہ عالم کہاں؟ — ماسوا کو بھول جانا یاد ہے

اب کہاں وہ جام اور وہ جم کہاں؟ — پی کے دُنیا کو پلانا یاد ہے

کائنات و ماورائے کائنات — ایک پل میں آنا جانا یاد ہے

کیا کہیں کب تک کہیں کس سے کہیں؟ — عشق کا سارا فسانا یاد ہے

اے خمارِ زندگی یہ بھی بھلا
کیوں ہمیں اپنا زمانا یاد ہے

---

# گہوارۂ نگاہ و شباب

وہ کیفِ حسن وہ مستی و بیخودی جمال
وہ ہر قدم پہ مزید ایک خواب ترا

وہ حاصلِ گل و گلشن و گلشنِ حاصل
شراب و نور سے سینچا ہوا گلاب ترا

ہوائے شوق کو محسوس تیرا کر لینا
وہ میری چشمِ تماشا وہ اضطراب ترا

ترے شباب کی آغوش میں مری نظریں
مری نگاہ کی آغوش میں شباب ترا

# اب وہ رعنائیٔ خیال......؟

سجودِ عشق پہ وہ حُسنِ اعتبار ترا
وہ اِک تبسمِ لرزان و بیقرار ترا

وہ رعبِ حُسن سے مجبورِ حسرتِ دیدار
وہ دیکھنا مری جانب ہزار بار ترا

تری جناب میں وہ میرا گریۂ پیہم
وہ اِک تعجبِ غمّاز و مستعار ترا

وہ تیرے حُسن پہ قابو نہ ایک پل مجھکو
وہ میرے عشق پہ ہر وقت اختیار ترا

وہ ایک نالۂ بے کیف و بے اثر میرا
وہ ایک نغمۂ مخمور و پُربہار ترا

مرے شریک نہ ہونے کا وہ یقیں تجھکو
وہ پوچھنا مجھے محفل میں بار بار ترا

وہ نور ریز جبیں اور وہ قشقۂ رنگیں
وہ آفتاب کی آغوش میں شرار ترا

سکُوتِ صاعقہ و شعلہ زار کا عالم
وہ میری مضطرب آغوش میں قرار ترا

ترے منانے کو وہ میرا روٹھنا پیہم
وہ چھیڑنا عمداً مجھکو بار بار ترا

وہ چاندنی وہ ستارے وہ آرزو کا شباب

کھُلی فضا میں وہ راتوں کو انتظار ترا

---

# آمدِ حُسن

وہ کوئی آیا مرے خیالوں میں پھر سراپا حیات بن کر

محبّتوں کے سُرور میں چُور پیکرِ التفات بن کر

لبوں پہ صبر آزما تبسّم، نظر میں اک برقِ آزمائش

کبھی مجسم حیات بن کر کبھی سراپا ممات بن کر

نگاہ میں شوخیوں کے دفتر فروغِ محفل بہارِ یکسر

طلوعِ صبحِ شباب بن کر نئی جوانی کی رات بن کر

گلے میں پھولوں کے ہار تازہ نظر میں مستی جبیں پہ قشقہ

چمن چمن کی بہار بن کر بہار کی کائنات بن کر

وہ خیر مقدم کو روح دوڑی وہ شوق کے پاؤں تھرتھرائے

ہوس کے حملے سے اے خدا رشتۂ تصور نہ ٹوٹ جائے

---

# حسن و عشق کا ایک رومانی سفر

مرے تصور میں ہنس رہے ہیں مرے تخیل میں چل رہے ہیں

کبھی ادھر سے نکل رہے ہیں کبھی ادھر سے نکل رہے ہیں

جھکی ہوئی نشئے سے ہیں آنکھیں تمام لغزش بنے ہیں لیکن

یہ کوشش ناتمام دیکھو کہ ہر قدم پر سنبھل رہے ہیں

قدم قدم پر وہ اِک تبسّم، کبھی تبسّم کبھی ترنّم

وہ روحِ برق و سحاب بن کر ہمارے ہمراہ چل رہے ہیں

زمینِ گلشن امین ہے میرے عہدِ رنگینِ عاشقی کی

جو اشکِ خونیں کبھی گرے تھے وہ پھول بنکر نکل رہے ہیں

وہ دن بھی آنے کو ہیں کہ خوں بن کے پھوٹ نکلینگے سینہ و دل

ابھی تو ہے ابتدائے گریہ، ابھی تو آنسو نکل رہے ہیں

لچک لچک کر ٹھہر ٹھہر کر کبھی بگڑ کر کبھی سنور کر

وہ میرے ہمراہ چل رہے ہیں مگر مصیبت سے چل رہے ہیں

غرض یہ ہے میری روح و دل کو بیک ادا پائمال کر دیں

بہانہ یہ ہے کہ بازوؤں کا سہارا لیکر سنبھل رہے ہیں

جو خود ہیں اک میکدہ مکمّل جو خود ہیں اک ساقیِ منوّر

قدم قدم پر نگاہِ کوثر ادا کے وہ جام چل رہے ہیں

تعاونِ حُسن و عاشقی ہے زمیں سے تا عرش بیخودی ہے

مجھے سنبھالے ہوئے بدقّت وہ ہر قدم پر سنبھل رہے ہیں

چمن چمن کی حیات ہیں وہ محیطِ ہر کائنات ہیں وہ

کبھی گلوں پر مچل رہے ہیں کبھی ستاروں پہ چل رہے ہیں

ہر اک قدم پر فریبِ منزل ہر ایک گام اک نویدِ منزل

میں اُن کے ہمراہ چل رہا ہوں وہ میرے ہمراہ چل رہے ہیں

مدد مدد ضبطِ عشق اک چیخ میرے منہ سے نکل نہ جائے

وہ ہاتھ میں ہاتھ میرے ڈالے بڑی مسرت سے چل رہے ہیں

زباں میں لکنت نظر میں مستی ہر اک قدم پر گمانِ لغزش

مگر دکھانے کو اُن کے ساغر طرح طرح سے سنبھل رہے ہیں

# شعلہ پیکر

امشب کہ دیدم یک شعلہ ساماں — فتنہ بپا و محشر بداماں

زلفِ سیاہش جادوئے رقصاں — گاہے مرتب گاہے پریشاں

گل در کنار و فردوس ساماں — جانِ گلستاں روحِ بہاراں

مخمور چشمش کشمیرِ مستی — جعدِ معنبر یک شانِ ایراں

کوثر فروشے، گوہر فروزے — عارض چہ عارض دنداں چہ دنداں

رنگیں عذارش مہتابِ صحرا — روشن جبینش مہرِ گلستاں

رنگین تشقہ یک برقِ ساکت — لب ہائے نازک فردوسِ خنداں

خالِ رخِ او سیلابِ قائم — موجِ تبسم طوفانِ لرزاں

از یک فروغِ شمعِ نگاہش — ہستی فروزاں ہستی فروزاں

اقرارِ او یک الحادِ رنگیں — انکارِ او صد بنیادِ ایماں

زہدِ سراپا کفرِ مجسّم — گہ سازِ ایماں گہ سوزِ عصیاں

کیفِ صدایش الہامِ مستی — حسنِ ادایش پیغامِ عصیاں

بالاقدِ او سروِ متوّد — ایں جا چراغاں آنجا چراغاں

او محوِ رقص و من مست و بیخود — یک سوزِ قائم یک برقِ رقصاں

بہرِ خدا اے شیخ و برہمن

آں کافرِ من مردِ مسلماں

---

# صبوحی

سحر کو جب مری بالیں پہ شاما چھاتی ہے — یکایک میرے کانوں میں تری آواز آتی ہے

صدا کے دائرے آفاق تک جب پھیل جاتے ہیں — مرے دل تک بھی اک موجِ جنوں انگیز آتی ہے

ہوائے سرد کے جھونکے ترا پیغام لاتے ہیں — نسیمِ صبح میرے خواب کا قصہ سناتی ہے

ستارے کیا کنول کیا گلستاں کیا اور دریا کیا
دو عالم مسکرا اٹھتے ہیں جب تو مسکراتی ہے

حریمِ حسن میں ہوتی ہے آب و رنگ کی پوجا
بساطِ عشق پر پہلی کرن سجدے کو آتی ہے

در و دیوار خشت و سنگ بن جاتے ہیں آئینہ
اٹھاتا ہوں نگاہیں جس طرف تو مسکراتی ہے

کنول کے پھول جیسے توڑتی ہو کوئی دوشیزہ
اسی صورت مرے دل میں بھی تیری یاد آتی ہے

مسلسل نغمۂ الفت نگاہوں سے سنائے جا
تری آواز میں میری محبت گنگناتی ہے

کہاں گنجائشِ ہجر و وصال اس کی محبت میں
خدا بنکر مری ہستی یہ ظالم چھائے جاتی ہے

گناہِ عشق کا معراجِ ایماں دوسرا رُخ ہے
مرے باطل میں بھی گہری حقیقت پائی جاتی ہے

نگاہوں سے نگاہیں جب ملی تھیں ایک دن ساغر
مجھے رہ رہ کے وہ پُر کیف ساعت یاد آتی ہے

# حدیثِ گُل

# ساتواں باب

# عورت

## عورت اِک پھول ہے جہاں میں

خوشبو میں گلاب سے بھی بڑھکر مستی میں شراب سے بھی بڑھکر

اس کی آنکھیں حیا کی کشتی

نظریں اس کی حسین مندر

اس کی باتیں خدا کی ہنسی

اس کے ہونٹوں پہ کھیلتا ہے ہلکا ہلکا سا اِک تبسُّم

کچّی کلیوں کا بند بربط

آوازِ شگفت کا ترنُّم

نکہت سے نسیم سے بھی نازک معصوم شمیم سے بھی نازک

عورت اِک پھول ہے جہاں میں

خوشبو ہے اسی کی جسم و جاں میں

# عورت اک حور کی نظر ہے

نیچی نیچی جھکی جھکی سی    مست و مخمور سی رسیلی

سب کو تسکین دینے والی

معصوم ہیں اس کی سب ادائیں

لیکن دل چھین لینے والی

اسکی ہستی دلوں کی بستی    اس سے آباد گھر کی محفل

اس کی تسخیر بادشاہی

اس کی تفسیر سب سے مشکل

فطرت کا حسین اک معمّہ    قدرت کا لطیف تر عطیہ

عورت اک حور کی نظر ہے

یا اک جنّت زمین پر ہے

# عورت رنگیں اِک کنول ہے

سُندر، نازک، حسین، پیارا ہلکے بادل میں جیسے تارا

احساس کی ایک شمع روشن

اس کا پیکر وفا کی دنیا

اس کی ہستی خوشی کا گلشن

اس کی پلکوں کی لرزشوں میں کالے بھوروں کی تھرتھراہٹ

ہیں آنکھ میں ممتا کے آنسو

لب پر رنگین مُسکراہٹ

کیفِ الفت سے مست پیکر

خوشبوئے وفا سے دل مُعطّر

**عورت رنگین اِک کنول ہے**

**عشقِ جاوید کا محل ہے**

# دیوی

اے عصرِ بیدار کی دیوی — اے حسن و ایثار کی دیوی

آنکھیں تیری پھول کنول کے — پلکیں ہیں مدھ ماتے بھونرے

نظروں میں ہیجانِ ترنّم — ہونٹوں پر طوفانِ تبسّم

جیسے اِک خاموش غزل خواں — تتلی جیسے پھول پہ رقصاں

نور ہے تیرے رخساروں پر — دھوپ ہے گویا گلزاروں پر

رُخ پر کاکل ریشم والے — کالے کالے کُنڈلی ڈالے

اے عصرِ بیدار کی دیوی !
اے حسن و ایثار کی دیوی !

آنکھ بظاہر ہے بے بادہ — جیسے ہو اک ساغر سادہ

لیکن اے میخانہ حباری — تجھ سے ہے اِک نشّہ طاری

شمعِ محبت حُسن کی مشعل     قد تیرا اک برقِ مشکل

چاند تری چوکھٹ کا ذرّہ     سورج سائل تیرے در کا

ماتھے سے ہیں تارے پیدا     تارے پیدا چاند ہویدا

تو سرتاپا نور ہے گویا     دنیا کی اک حور ہے گویا

**اے عصرِ بیدار کی دیوی!**

**اے حُسن وایثار کی دیوی!**

گیت کو باتیں شرماتی ہیں     سانسیں خوشبو برساتی ہیں

پریم کا جھولا گوری باہیں     مُڑ مُڑ جائیں جُھک جُھک جائیں

حُسن کے بن کی چنچل آہو     سر سے پا تک مطلق جادو

ہونٹوں کو اپنے چمکا دے     ہلکی سی بجلی لہرا دے

ہنستے ہنستے بیخود ہو جا     اور تبسم میں خود کھو جا

نشہ میں سرشار ہے دنیا     جُھکنے کو تیار ہے دنیا

اے عصرِ بیدار کی دیوی!
اے حُسن و ایثار کی دیوی!

آہ یہ تیرا نازک پیکر — شبنم کی گود اور گلِ ترا
یہ تن یہ کھدر کی ساری — اُف رے تیری سادہ کاری
دل کو ہیم لاگ وطن کی — روح میں روشن آگ وطن کی
ردِ غلامی کرنے والی — اپنے وطن پر مرنے والی
رانی ہے شہزادی ہے تو — تصویرِ آزادی ہے تو
دل میں اک طوفانِ عمل ہے — ہونٹوں پر فرمانِ عمل ہے

اے عصرِ بیدار کی دیوی!
اے حُسن و ایثار کی دیوی!

سانس میں تیرے قومی نغما — ہاتھ میں آزادی کا جھنڈا
سر میں سودائے قربانی — دل سے آنکھوں تک ہے پانی

غیظ میں جب تھرّاتی ہے تو — جوش میں جب آجاتی ہے تو
مغرب کا دل تھراتا ہے — مشرق کو جوش آجاتا ہے
تو نے اصلی کام کیا ہے — اپنے وطن کا نام کیا ہے
غافل بھی ہشیار ہے اب تو — عورت بھی بیدار ہے اب تو

## اے عصرِ بیدار کی دیوی!
## اے حسن وایثار کی دیوی!

دل میرا سنسان پڑا تھا — من مندر ویران پڑا تھا
روح کی تشنہ کنواری چپ تھی — دکھ دائی بے چاری چُپ تھی
تو نے لی جذبات میں چٹکی — میرے محسوسات میں چٹکی
لذت سے لبریز ہے سینہ — اب جینا ہے میرا جینا
آنکھ میں آنسو لب پر آہیں — دل وحشی حیران نگاہیں
میٹھا میٹھا درد سا ہوتا — تکیوں میں سر دیکر رونا

اے عصرِ بیدار کی دیوی !
اے حُسن وایثار کی دیوی !

پہلے تو نظروں میں سمائی — پھر چپکے سے دل میں آئی
روح محل میں پہنچی دل سے — اس محفل میں اُس محفل سے
ہنستی آئی گاتی آئی — پریم کا ساز بجاتی آئی
دوڑی رگ رگ میں خوں بنکر — جادو بن کر افسوں بن کر
روح میں تو ہے دل میں تو ہے — اب تو ہر محفل میں تو ہے
کب ہے الگ دریا سے قطرہ — میں خود ہوں تیرا ہی جلوہ

اے عصرِ بیدار کی دیوی !
اے حُسن وایثار کی دیوی !

آ تیرے قدموں کو چوموں — چوموں اور مستی میں جھوموں
آنکھوں سے اک نہر بہاؤں — ہیروں کا اِک کھیت اُگا دوں

تو کرے گر چند اشارے　　توڑ کے لاؤں چرخ سے تارے

اُن سے زرّیں تاج بناؤں　　خوش ہو کر تجھکو پہناؤں

تاج سے اک شعلہ پیدا ہو　　پھونک دے جو میری ہستی کو

خاک پہ پھر تو نظریں ڈالے　　جوت جگت کی پھر بن جائے

## اے عصرِ بیدار کی دیوی!
## اے حُسن وایثار کی دیوی!

جسم نیا ہو جان نئی ہو　　دنیا کی ہر شان نئی ہو

زندانی مشرب ہو میرا　　دار و رسن مذہب ہو میرا

حبّ وطن میں جان بھی دیدوں　　جان ہی کیا ایمان بھی دیدوں

سینے میں پیوست ہو برچھی　　لب پہ تبسم دل میں گولی

خون سے سارا پیکر تر ہو　　تیرا زانو میرا سر ہو

دل سے تو سینے کو ملائے　　مرتے دم اک جام پلائے

اے عصرِ بیدار کی دیوی!
اے حسن وایثار کی دیوی!

---

# ہندو خاتون

صبح کو جمنا کنارے موج سی پیدا ہوئی
موج کی گودی سے ہندو استری پیدا ہوئی

ہاتھ میں ساری کا آنچل زلف لہرائی ہوئی
لب پہ ہلکا سا تبسم آنکھ شرمائی ہوئی

کرشن کی بنسی میں پھر اک لہر سی پیدا ہوئی
لہر نے اک گیت گایا گیت کی پوجا ہوئی

موج کی گودی سے ہندو استری پیدا ہوئی

شانتی پیدا ہوئی

موہنی پیدا ہوئی

صبح کو جمنا کنارے موج سی پیدا ہوئی

سُرخ ٹیکا پاک ماتھے پر نظر جادو بھری　　روپ میں من موہنی ہر روپ میں جگ موہنی

روح میں شمعِ محبت کی مقدس روشنی　　دل میں غم کی آگ خود قدرت کی دہکائی ہوئی

مستقل اک نغمۂ رنگیں مجسم راگنی　　پریم اور روحانیت کی غیر فانی بانسری

موج کی گودی سے ہندو استری پیدا ہوئی

مہ جبیں پیدا ہوئی

نازنیں پیدا ہوئی

صبح کو جمنا کنارے موج سی پیدا ہوئی

گونج اُٹھا زمزموں سے نغمہ زارِ زندگی　　مسکرائی نوعروسِ کامگارِ زندگی

اک نئی خوشبو سے مہکا لالہ زارِ زندگی　　گوشے گوشے میں ہوا جشنِ بہارِ زندگی

جلوہ پیرا ہو گئے نقش و نگارِ زندگی　　ذرہ ذرہ بن گیا آئینہ دارِ زندگی

موج کی گودی سے ہندو استری پیدا ہوئی

زندگی پیدا ہوئی

کامنی پیدا ہوئی

صبح کو جمنا کنارے موج سی پیدا ہوئی
موج کی گودی سے ہندوستری پیدا ہوئی

---

## ملکہ ارجمند بانو بیگم

اے جوان پیکر جوان فطرت جوان تقدیر بھی
اے مجسم حسن بھی اے مطلقاً تنویر بھی

پہلوئے شاہِ جہاں میں آدلوں پر حکمران
خود مسخر بھی مجازاً صاحب تسخیر بھی

جب تصور کی ملی شاہ جہاں کو کائنات
اِک تصور آشنا پیدا ہوئی تصویر بھی

اے ثریا فال اے شہزادیِ قصرِ جمال
روح کا الہام بھی الہام کی تفسیر بھی

تونے دل میں بیٹھکر قائم اک ایسی کی اساس
جو خلاصہ حسن کا تھی عشق کی تعبیر بھی

تونے سعیِ ذوق کو اتنا مرتب کردیا
نقشِ روحانی ہوا شائستۂ تعمیر بھی

رخِ خویش از کنجِ خلوت جلوہ آرا کردہٗ
زندگی نو ز مرگے آشکارا کردہٗ

تھی مگر تخلیق تیری پردہ ہائے راز میں
سرمدی انجام پنہاں تھا ترے آغاز میں

جتنے جوہر فطرتاً نسلِ بغل کی جان تھے
بھر دئے فطرت نے تیری ہستیِ ممتاز میں

تونے اک مضراب بنکر اُسکو عریاں کردیا
ورنہ صدیوں سے حقیقت گھٹ رہی تھی ساز میں

رہ گیا وہ نقش بن کر صفحۂ تاریخ پر
تھا جو اک پیغام تیری آخری آواز میں

عزم میں تیرے جھلکتی تھی حیاتِ قدسیہ
منجلی نورِ جہاں تھی تیرے ہر انداز میں

آج بھی ہیں عظمتیں مرقد سے تیرے آشکار
یہ غرورِ تمکنت تیری نگاہِ ناز میں

روضہ ات در سربلندی کمتریں معراجِ تست
قیمتِ کونین یک جزوِ خراجِ تاجِ تست

# ایوانِ مغلیہ کی شمعِ خاموش

ایک مغل شہزادی کی تصویر دیکھکر

اے حاصلِ عیش وکیف وشادی
اے قصرِ شہی کی شاہزادی

اے رنگ وبہارِ بزمِ دیریں
اے رونقِ بزمِ کیقبادی

اے حسن کی صورتِ مجسم
اے عشق کی قوتِ ارادی

جب غور سے میں نے تجھ کو دیکھا
تصویر میں روح مسکرادی

اے حور کی آن بان والی!
تیمور کے خاندان والی!

یہ تیرا وقار یہ تجمل
تصویرِ متانت وتحمل

ہونٹوں میں رکا ہوا تبسم
تیور میں چھپا ہوا تامل

آنکھوں سے نمود آہوئے خلد
ہونٹوں سے طلوعِ لالہ وگل

آویزۂ گوش سے نمایاں　　بل کھائے ہوئے حسین کاکل

یہ خلعتِ فاخرہ بدن پر
طُرّہ حیا کا بانکپن پر

یہ تو تری ظاہری ہے تصویر　　باطن ہے ترا جہانِ تنویر

ہے تیرا ہر اک متین انداز　　مردانگی و وفا کی تفسیر!

تن کر یہ ترا ذرا سا کھنچنا　　گویا ابھی پھینکنے کو ہے تیر

یہ تاجِ شہی میں تین موتی　　ہیں اختر و ماہ و مہرِ تقدیر

موسیقیِ لازوال ہے تو!
اِک زمزمۂ جلال ہے تو!

اب حسن میں یہ ادا کہاں ہے　　عورت میں یہ ارتقا کہاں ہے

اب ولولۂ نسائیت میں　　یہ عزم یہ حوصلا کہاں ہے

عورت ہے مگر حسینِ مطلق　　اب حسن میں دبدبا کہاں ہے

ہمت میں کہاں اُبھار ایسا　　فطرت میں یہ اعتنا کہاں ہے

اے کاش ترا وقار بن کر
عورت اُٹھے بہار بن کر

---

# رفیقۂ جنگ

## راجکمار

آہ یہ سنسان عالم خوں فشاں یہ کوہسار　　ریت کا یہ گرم میداں یہ تپیدہ خارزار

اُف یہ بدبو اُف یہ توپوں کے دھوئیں کی بدلیاں　　ہر طرف لاشوں کے یہ انبار اور پھر خونچکاں!

زندگی اور موت کا یہ معرکہ وحشت فزا　　اُف یہ انسانوں کا مقتل منظرِ عبرت نما

تم سے کس نے کہہ دیا تھا تم یہاں کیوں آگئیں　　نوبہارِ بزم تھیں میدان پر کیوں چھا گئیں

چاہیے تھا ضبط اپنے شوقِ بیجا کا تمہیں　　منتظر رہنا تھا گھر پہ میری آمد کا تمہیں

تھا وہ جذبہ کیا جو گھر سے کھینچ کر لایا تمہیں
کس نے کی یہ رہنمائی کون لے آیا تمہیں

ہاتھ میں نیزہ بھی ہے تلوار بھی ہے داب میں
جنگجوئی کا اضافہ حسن کے آداب میں!

صنفِ نازک کو تعلق کیا فنونِ جنگ سے
تم ہوئیں سودائی آخر کیوں جنونِ جنگ سے

گر نہ وضع و قطع سے پہچان لیتا میں تمہیں
اپنے نیزہ پر اٹھا کر پھینک دیتا میں تمہیں

## راجکماری

کیا کہوں اے شہسوارِ عرصۂ جنگ و وغا
جو مجھے لایا یہاں تک تھا وہ جذبہ کونسا

مجھسے رخصت ہو کے جب تم عازمِ میداں ہوئے
خون سے رنگین میرے دیدۂ حیراں ہوئے

ہو کا عالم یک بیک گھر میں نظر آنے لگا
دل جدائی میں تمہاری غم سے گھبرانے لگا

میں نے سوچا مرد اور عورت میں حس مشترک
صرف اک دردِ محبت ہے قیودِ زیست تک

میں نے سوچا مرد کی عورت رفیقِ کار ہے
یعنی عورت ہی حقیقی مونس و غمخوار ہے

گو غلامی نے بدل ڈالا ہے آئینِ حیات
پھر بھی عورت میں ہے باقی حسِ تمکینِ حیات

اُسکے دل میں جذبۂ دردِ محبت ہے وہی
لاکھ قانونِ وفا مٹ جائے عورت ہے وہی

مرد تو میداں میں کھیلیں نیزہ و شمشیر سے
اور ہم باتیں کریں آئینہ تصویر سے

مرد خاک اور خون میں بیزار رنگ و بو رہے
اور عورت گھر میں محوِ شانہ و گیسو رہے

مرد تو دن بھر پریشاں ہو غم و آلام سے
اور ہم سیجوں پہ سوئیں عیش سے آرام سے

اپنے آقا کی رہی میدان میں میں ہم رکاب
دشمنوں کو چھیدنے میں بھی محبت کامیاب

میں نے وہ حملے کئے میدان کا دل ہل گیا
آج مجھکو امتحاں دینے کا موقع مل گیا

گُلشنِ عشرت ہے دل اور جسم ہے مجروح بھی
یعنی میں فاتح بھی ہوں اور عشق کی مفتوح بھی

# عروس کا وداعی گیت

نفیس و صدیقہ کے نام

السّلام اے وطن، اے زمینِ وطن، آسمانِ وطن، اے جہانِ وطن

تیری گودی میں پل کر ہوئی ہیں جواں

خوش بیاں

شادماں

کامراں

گل چکاں

تیرے پھولوں سے مہکا مرا گلستاں

تیری گلیوں سے گزرا مرا کارواں

نغمہ خواں نغمہ زن

السّلام اے وطن، اے زمینِ وطن، آسمانِ وطن، اے جہانِ وطن

تیری تسکین گاہوں سے مجھکو ملی

زندگی

بیخودی

تازگی

خوشدلی

تیرے معصوم محلوں میں برسوں رہی

تیرے رنگین باغوں میں اکثر پھری

گُلفشاں، خندہ زن

السّلام اے وطن، اے زمینِ وطن، آسمانِ وطن، اے جہانِ وطن

میری آزادیوں کے زمانے گئے

زمزمے

دلوے

چھپے

ہو چکے

میں تو ہوتی ہوں رخصت تری بزم سے

یاالٰہی یونہی تو ہمیشہ رہے

خندہ رو خندہ زن

السّلام اے وطن، اے زمینِ وطن آسمانِ وطن اے جہانِ وطن

---

# ہونے والی رفیقہ حیات کو پیغام

اے کہ میرے علم سے ہے دور تر عرفاں ترا
میں تخیل میں بھی چھو سکتا نہیں داماں ترا

کیا خبر ہے کس چمن کا غنچۂ نورس ہے تو
کس کے دل کی ہے تمنا کس کے دل کی آرزو

کن فضاؤں میں ہے کس ماحول میں مسکن ترا　　کس بہارستانِ رعنائی میں ہے گلشن ترا

کس فضا میں مسکراتی ہے ستاروں کی طرح　　گیت گاتی ہے منور آبشاروں کی طرح

سوزِ غم سے دل ترا پُرنور بھی ہے یا نہیں　　پہلوئے صحرا میں کوئی طور بھی ہے یا نہیں

ان حجابوں کو مشیت ہی اُٹھائیگی کبھی
تیری تفصیلات قدرت ہی بتائیگی کبھی

بج رہے ہیں دل کے ہر پردے میں لاکھوں ساز سُن　　تو جہاں بھی ہے جدھر بھی ہے مری آواز سُن

اک گدا کا غم کدہ ہوگا ترا قصرِ حیات　　مختصر اک جھونپڑی ہوگی تری کُل کائنات

اس گدا کا غم کدہ جو عیش والوں سے ہے دور　　جس کا دل دُنیا کے مفروضہ خیالوں سے ہے دور

توڑ دی ہیں جس نے رسموں کی قیودِ ظاہری　　چھوڑ آیا ہے بہت پیچھے حدودِ ظاہری

جو عقائد کی منازل سے گزر جانے کو ہے　　جو مراسم کی حدوں سے کوچ کر جانے کو ہے

جس کا خیمہ ہے بیابانِ ریاکاری سے دُور　　جھونپڑی ڈالی ہے جس نے حدِ عیاری سے دُور

جس کی خودداری کے آگے ہیچ ہے سود و زیاں　　جو صداقت اور حریت کا ہے کوہِ گراں

دہر میں تکمیلِ آئینِ مروّت جس سے ہے | آشکارا جلوۂ اخلاص و الفت جس سے ہے

بے پئے جو مست ہے ہائے شرابِ شوق سے | روشنی ملتی ہے جس کو آفتابِ شوق سے

جس کی نظروں سے برستے ہیں محبت کے شرار | جس کی آنکھوں سے نمایاں دل کا حالِ بیقرار

زندگی اک حرف ہے جسکی کتابِ شوق کا | جسکے دل میں اک سمندر ہے شرابِ شوق کا

جس کی آنکھوں سے رواں ہے آنسوؤں کا آبشار | جس کے دل میں ہے محبّت کا اچھوتا لالہ زار

جس کی آغوشِ محبّت تشنہ و بیتاب ہے | جس کی فطرت شعلۂ جوالہ ہے سیماب ہے

جس کے جذباتِ حزیں دوشیزہ ہیں معصوم ہیں | جس کی آزردہ تمنّائیں بہت مظلوم ہیں

حسن سے ہر وقت ہے مغلوب جسکی زندگی | پھر بھی جس کے دل پہ دنیا میں نہیں غالب کوئی

جس نے فطرت کی امانت کو چھپایا عمر بھر | لوریاں دیکر امنگوں کو سلایا عمر بھر

گم ہے جو ہستی کی گہری جستجو میں رات دن | محو ہے روح القدس سے گفتگو میں رات دن

مقصدِ وصلِ حقیقی جسکے ہے پیشِ نظر | جو کبھی کھو جائیگا تیری جوانی دیکھکر

سوزِ آزادی سے ہے جسکا جگر سلگا ہوا | جس کا دل شوقِ شہادت سے ہے گرمایا ہوا

جس کے دل میں اینڈتا ہے ارتقائے زندگی جو اُڑا جاتا ہے سوئے کربلائے زندگی

---

اے عفیفہ اپنی تقدیرِ جواں پر ناز کر اے جمیلہ اسکی جانب عجلت پرواز کر
فیصلہ منشائے فطرت کا اُسے معلوم ہے تو اُسی کے شوق کا اک جلوہ معصوم ہے
شاعر اپنے دل کے دروازے سے لائیگا تجھے
روح کے آئینہ خانے میں بٹھائے گا تجھے

---

# اپنے بچے کی رُوح سے

## (جو ہنوز حجابِ عدم میں ہے)

اے اسیرِ ابتدائے دور از حدِّ نظر اے کہ تو ابتک ہے اپنی انتہا سے بے خبر

تیرا گہوارہ فقط عزمِ خدا ہے تا ہنوز  تو ازل سے مائلِ نشو و نما ہے تا ہنوز

ہے ابھی ماحول تیرا ایک فردوسی سکوت  سامعہ افروز ہیں نغماتِ حیّ لایموت

اک دھندلکا ہے ترے چاروں طرف چھایا ہوا  نور کے دریا میں تو پھرتا ہے منڈلایا ہوا

علمِ فطرت میں تحرّک کی بھری محفل ہے تو  یا زبانِ حال میں اک نطقِ مستقبل ہے تو

تو ابھی ہے چرخ پر حورو ملک کا ہم وطن  مجلسِ ارواح ہے تیری حقیقی انجمن

انقلاب انگیز افتادِ طبیعت ہے تری  اوج سے پستی کی جانب نقل و حرکت ہے تری

تو بہت بے چین سا ہے سبزہ زارِ عرش پر  گر کے سونا چاہتا ہے خارزارِ فرش پر

عازمِ سیرِ فنا ہے تیری فطرت کا زوال
کھینچتا ہے جانبِ ہستی تجھے جذبِ مآل

روح کو نورِ تصوّر سے میں کر کے ہمکنار  چاہتا ہوں رازِ ہستی تجھ پہ کر دوں آشکار

رنگ کچھ بگڑا ہوا ہے عالمِ اجسام کا  گوشہ گوشہ ایک محشر ہے غم و آلام کا

اے سکوں پروردۂ یکرنگیٔ دار القرار  محفلِ صد رنگ ہے یہ ہستیٔ ناپائدار

اس کا ہر ذرّہ تمازت سے تپش اندوز ہے — قطرہ قطرہ اس کا اک خس خانۂ پُر سوز ہے

ہر طرف جنگِ مراسم ہر طرف رزم قیود — یا مذاقِ خود پرستی یا سرِ نام و نمود

رنج و غم ہر جا ضرورت سے سوا موجود ہے — جس کو کہتے ہیں خوشی وہ شے یہاں مفقود ہے

ہے ہر اک حالت کا قسمت پر یہاں دار و مدار — وہ کتابِ زیست لکھتا ہے جسے پروردگار

تو جب آئے دیکھ کر لانا خطِ تقدیر کو — روح کی آنکھوں سے پڑھ لینا ہر اک تحریر کو

دیکھ لینا "علم" اور "اقبال" بھی ہے یا نہیں
یہ نہیں تو اعتبارِ راحتِ دُنیا نہیں

## "علم"

علم سے قومیں یہاں پاتی ہیں قوموں عروج — علم پر موقوف ہے ہر سربلندی ہر عروج

علم اور اقبال جس کو مل گیا تقدیر سے — روند ڈالی اُس نے دُنیا قوتِ تدبیر سے

علم سے ہوتے ہیں دنیا کے اندھیرے نوربار
علم سے ہوتا ہے قائم زندگی پر اختیار

علم ہے اک زندگی دنیائے حادث کیلئے
علم اک ساحل ہے طوفانِ حوادث کیلئے

علم کیا ہے شعلِ پُرنورِ صد ظلمات ہے
علم سورج اور دنیا اک اندھیری رات ہے

علم اگر تقدیر کو تیری نہ دے رنگِ حیات
آنے والے جانبِ ہستی نہ کرنا التفات

عالمِ فانی طلسمِ صد فریب و رنگ ہے
راز اس کا آج تک مہرِ لب و آہنگ ہے

اس گزرگاہِ فنا کے راستے پیچیدہ ہیں
جسقدر فتنے ہیں سب ہنگامۂ خوابیدہ ہیں

کھیلتی ہے موت صبحِ زندگی کی گود میں
پھول کھلتے ہیں یہاں پژمردگی کی گود میں

تنگ ہو جاتی ہے جب انسان پہ دنیائے حال
اپنی غمگینی پہ آتا ہے اُسے اک انفعال

پستیِ تخلیق کی عبرت ستاتی ہے اُسے
عالمِ بالا کی نزہت یاد آتی ہے اُسے

الغرض ہے اک بلا یہ کشمکش زارِ حیات
جسکے طوفانوں سے آخر موت دیتی ہے نجات

موت واپس عالمِ ارواح میں لاتی ہے پھر
جلوۂ بیدار کو اک نیند آجاتی ہے پھر

یہ عقیدہ ہے مگر اُنکا جو ہیں گم کردہ راہ
کر دیا ہے جن کو دنیا کی کشاکش نے تباہ

میں نہیں کہتا کہ یہ دنیا مصیبت گاہ ہے
میں نہیں کہتا کہ یہ بے چینیوں کی راہ ہے

میں نہیں کہتا کہ ہے یہ صرف مرنے کی جگہ
بلکہ ہے مردہ حسوں کو زندہ کرنے کی جگہ

اپنی دنیا خود بناتا ہے یہاں ہر آدمی
مجلسِ فکر و تردّد مجلسِ عیش و خوشی

جو پتنگے جھیل کر چمکے شرارے بن گئے
جس قدر ذرّے اُبھر آئے ستارے بن گئے

جذبۂ سعی و ترقی میں تعقّل چاہیے
آدمی کو فتحمندانہ تحمّل چاہیے

جب دماغوں میں مچلتے ہیں خیالاتِ بلند
ایک دن انسان ہو جاتا ہے آخر ارجمند

عالمِ بالا سے پستی کی طرف آنے کے بعد
روح تھک جاتی ہے منزل پر پہنچ جانے کے بعد

جسم جب کرتا نہیں آسودگی کی احتیاط
رفتہ رفتہ روح ہو جاتی ہے صرفِ انحطاط

پستیِ فطرت کو ہلکا سا سہارا چاہیے
ہے زمیں بھی آسماں، ہمت میں یارا چاہیے

یاس اک رخ ہے جمودِ سعی کی تصویر کا
بے کسی اک نام ہے مجبوریِ تدبیر کا

ہے بساطِ آزمائش امتحاں گاہِ جہاں
امتحاں ارواح کی قوت کا ہوتا ہے یہاں

اِس کھُلے میداں میں ہوتے ہیں جو انساں کا بِنا
عالمِ بالا سے اُن پر ٹوٹ پڑتا ہے شباب

ان کی نظروں سے سرکتے ہیں حجابِ اسرار کے
اُن پہ چھا جاتے ہیں جلوے عالمِ انوار کے

زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں وہ مردانِ ہوش
انکے قدموں میں پڑے رہتے ہیں ہنگامے خموش

لوٹتے ہیں فتح کر کے کارزارِ کائنات
نام رہجاتا ہے انکا یادگارِ کائنات

وہ نہیں ہوتے زمانے میں مگر اُن کا نشاں
اِس فنا خانے میں پاتا ہے بقائے جاوداں

رازِ ہستی کر دیا کچھ میں نے تجھپر آشکار
آنے والے اپنے مستقبل سے رہنا ہوشیار

ہیں یہ وہ اسرار جو دنیا میں کھُل سکتے نہیں
آجتک اُلجھے ہوئے ہیں جن میں اربابِ یقیں

جب سمجھ لیتا ہے اک انساں مآلِ زندگی
کھینچ لیتا ہے اُسے خد کمالِ زندگی

کاش تو سُن لے پیام اے طائرِ بامِ فلک
کاش پہنچیں یہ صدائیں تیرے گوشِ ہوش تک

# شامِ وصال

(شاردا سنہا اور سیدہ کے نام)

اے میرے آقا! اے میرے داتا

غم سے کلیجہ پھٹ ہی چکا تھا     تو نے یکایک پردہ اُٹھایا

پردہ اُٹھایا جلوہ دکھایا     جلوہ دکھایا اور مُسکرایا

اور مُسکرا کر مجھ میں سمایا     کیسا اندھیرا کیسا اُجالا

اے میرے آقا۔ اے میرے داتا

کیا شُکر ہو اِس لطف و کرم کا

ٹھنڈی ہوائیں گہرا دھندلکا     سنسان جنگل ویران صحرا

مستی میں پتّوں کا دف بجانا     شاخوں کا رہ رہ کر جھوم جانا

اس شور و شر میں چُپکے سے تیرا     چمپا کی خوشبو کی طرح آنا

اے میرے آقا - اے میرے داتا
کیا شکر ہو اس لطف و کرم کا

اے میرے آقا! اے میری دنیا — تو اور میری چھوٹی سی کٹیا!
چھوٹی سی کٹیا اور یہ اندھیرا! — اے میرے داتا ٹھوکر نہ کھانا
کیسا انوکھا ہے یہ تماشا — میں خس ہوں اور تو شعلہ ہی شعلا

اے میرے آقا! اے میرے داتا
کیا شکر ہو اس لطف و کرم کا

اپنی کٹی سے جانے نہ دونگی — اور جو گئے تو آنے نہ دونگی
جانے نہ دونگی آنے نہ دونگی — کھونے نہ دونگی پانے نہ دونگی
در پہ کسی کو آنے نہ دونگی — تم کو بھی داتا جانے نہ دونگی

اے میرے آقا! اے میرے داتا
کیا شکر ہو اس لطف و کرم کا

# طفلکِ آزاد کا خطاب

اے بھارت کے رہنے والو گو تم انساں کہلاتے ہو
لیکن سچ یہ ہے حیوانوں سے بدتر ہوتے جاتے ہو

حیوان اسیری کے غم میں بیزارِ دو عالم ہوتے ہیں
تم قیدِ غلامی میں لیکن خوش ہوتے ہو اتراتے ہو

یہ شورِ بکا فریاد و فغاں آزادی کی تو شان نہیں
دیپک کا وقت ہے نادانو کیوں آگ بہاگ کے گاتے ہو

یہ دور ہے گرم آہنگی کا شعلہ بن جاؤ اور اٹھو
گردابِ یاس میں پھنس کر کیوں تم ہر دم چکر کھاتے ہو

زنجیرِ پابندی توڑ دو آزادی خود مل جائیگی
تقدیر کا اس میں دخل ہے کیا تقدیر کو کیوں ٹھہراتے ہو

آزادی کے رستے میں جو جاں ہو ٹھکرا دو اس کو
وہ کو بھی ہو ہونے دو تم خوف سے کیوں تھراتے ہو

ہے عین جوانمردی آزادی کی دھن میں سر دینا
مرنا تو اک دن حق ہے مرنے سے کیوں گھبراتے ہو

تھی کونسی وہ منحوس گھڑی جب خواب نے تم کو گھیرا تھا
خورشید لبِ بام آپہنچا تم نیند کے اب تک ماتے ہو

یا آنکھیں مل کر اٹھو اور قربانِ وطن پہ ہو جاؤ

یا جاگ اٹھو یا سو جاؤ یا زندہ ہو یا مرجاؤ

# غنچہ زار

# آٹھواں باب

# سُورج

لیلیٰ شب شرمائی ہوئی تھی　　زلف مگر لہرائی ہوئی تھی
تاریکی سی چھائی ہوئی تھی　　تاروں کو نیند آئی ہوئی تھی

چاک سحر اک سینۂ شق تھا
پھیکے چاند کا چہرہ فق تھا

محو تھیں خواب ناز میں کلیاں　　تھی خاموش فضائے بُستاں
چشموں کی آنکھیں تھیں لرزاں　　دنیا تھی ظلمات بداماں

کرتی تھی جب رات اشارہ
ہنس دیتا تھا صبح کا تارہ

ذرّوں میں اِک خاموشی تھی　　سبزہ میں غفلت کوشی تھی
طاری شانِ بےہوشی تھی　　روپوشی ہی روپوشی تھی
پوشیدہ دنیا تھی ایسے
برقع میں دُلہن ہو جیسے

صبح کے کچھ آثار ایسے تھے　　چاند کے جلوے ماند پڑے تھے
باسی پھولوں کے گہنے تھے　　سونے والے اینڈ رہے تھے
دنیا نیند کی تھی متوالی
پتّہ پتّہ، ڈالی ڈالی

آخر ختم ہوا یہ عالم　　شان سے نکلا نیّرِ اعظم
روشن تر اک نورِ مجسّم　　ہاتھوں میں کرنوں کا پرچم
ذرّوں کو چمکاتا نکلا
بھیروں راگ سُناتا نکلا

خاک کو درپن کرنے والا　　کوہ کو معدن کرنے والا
خار کو گلشن کرنے والا　　چاند کو روشن کرنے والا

دم بھر میں دنیا چمکا دی
نور کی اک چادر پھیلا دی

پہلے دھرتی ماتا جاگی　　پھر راجہ پھر پرجا جاگی
کویل اُٹھی مینا جاگی　　مست آنکھوں میں نیند آیا جاگی

مسجد نے دروازے کھولے
مندر جاگ اُٹھا بُت بولے

کمسن بھولے بھالے اُٹھے　　نیندوں کے متوالے اُٹھے
تن کر سونے والے اُٹھے　　مُنہ پر آنچل ڈالے اُٹھے

سکھیاں جل اُپمان کو اُٹھیں
جمنا کے اشنان کو اُٹھیں

ہر در جاگا ہر گھر جاگا　　نظریں جاگیں منظر جاگا

مے کش شیشہ در بر جاگا　　ساقی جاگا ساغر جاگا

چشمِ جادو زا جاگ اُٹھی

وہ جاگے دنیا جاگ اُٹھی

---

# رام

بھارت پیارا راج دُلارا　　کوشلیا کی آنکھ کا تارا

لمبی باہیں رنگ سلونا　　مُطلق کندن خالص سونا

آنکھیں تازہ پھول کنول کے　　کومل کومل ہلکے ہلکے

ابرو دو شکتی کی کمانیں　　کھنچ کھنچ جائیں چڑھ چڑھ جائیں

سُندر سُندر موہنی صورت　　سر تا پا اِک حسن کی مُورت

سرجو جس کا گہوارہ تھی      گنگا آنکھوں کا تارا تھی

بھارت پیارا راج دُلارا
کوشلیا کی آنکھ کا تارا

دل کا تیاگی روح کا رسیا      خود راجہ اور خود ہی پرجا
سب سے الفت کرنے والا      قول کا سچا بات کا پکّا
ایک امر پیغامِ محبت      سرتاپا الہامِ محبت
دھیان کی گنگا اُس سے پھوٹی      گیان کی جمنا اُس سے پھوٹی
سچائی کا پریم تھا وہ      پریم کا بانکا بالم تھا وہ
روپ میں اس کے کون آیا تھا      کہدونگا تو جھگڑا ہوگا

بھارت پیارا راج دُلارا
کوشلیا کی آنکھ کا تارا

رُوحِ شجاعت، جانِ شجاعت      آنِ شجاعت، شانِ شجاعت

سب کے دُکھ پر رونے والا　دُکھیوں سے خوش ہونے والا

شِو کے بان کو جیتا جس نے　جیتی سُندر سیتا جس نے

وہ سیتا جو نور تھی مطلق　نور تھی مطلق حور تھی مطلق

عدل کا پیکر رحم کی دنیا　شکتی اور بھگتی کا ستارہ

دوش پر اک نوار کی چادر　گھونگریالے بال مُکٹ پر

بھارت پیارا راج دُلارا
کوشلیا کی آنکھ کا تارا

# مشعلِ صحرا

## (تعلیم)

وہ بجلی جو کل چمکی تھی طائف کے نخلستانوں میں
اِک موج بنی اور دوڑ گئی دنیا بھر کے ویرانوں میں
وہ درسِ عمل جو مشکل سے گونجا تھا چند ایوانوں میں
افسانہ بننے والا تھا قومیت کے دیوانوں میں
جو علم زبانِ فطرت سے اک اُمّی کو تفویض ہوا
طوفانِ عمل بنکر نکلا کاشانوں سے میدانوں میں
اے اہلِ محفل تم نے تو وہ عالم بھی دیکھا ہوگا
پروانے ہی پروانے تھے اور شمع نہ تھی پروانوں میں

ادبار کی بدلی چھائی تھی تاریکی آفت لائی تھی
جو کشتی اب ساحل پر ہے وہ کشتی تھی طوفانوں میں
دنیا پہ خموشی طاری تھی بربادی کی تیاری تھی
فطرت نے آخر چھیڑ دیا اِک نغمہ سب کے کانوں میں
سب مست نوا ہو کر اُٹھے مثلِ ابرِ رنگیں اُٹھے
گرجے برسے جھومے چمکے اور پھیل گئے میدانوں میں
یہ قصر یہ ایواں کچھ بھی نہ تھے اشجار کے سائے میں پہلے
بزمِ تعلیم ہوئی برپا سنسان کھلے میدانوں میں
جس نے دیکھا حیران ہوا نظّارہ خود قربان ہوا
گویا یہ بھی آئینے تھے دنیا کے صورت خانوں میں
جب علم کا یوں ادراک ہوا دامانِ جہالت چاک ہوا
کچھ فرق ہوا حیوانوں سے تمئیز بڑھی انسانوں میں

وہ کسلِ قدامت دور ہوا پہلو میں دل مسرور ہوا
رنگین شرابیں ہیں سب نے بھر بھر کے نئے پیمانوں میں
تحقیق کی جرأت عام ہوئی تمہیدِ سحر ہر شام ہوئی
باغوں میں مذاقِ دشت ملا گلشن نکلے ویرانوں میں
ہر گام پہ منزل آئی نظر ہر کشتی ساحل پہ نکلی
اِک شور امیدوں میں اُٹھا اک جوش بڑھا ارمانوں میں
محفل میں بظاہر شمع نہ تھی لیکن نظروں میں پھیل گئی
وجدان وحقیقت کی بجلی جو پنہاں تھی پروانوں میں
بیداری کے اک لمحے کی روداد سُنیں تو چونک پڑیں
وہ لوگ جو شب بھر سوئے ہیں راحت کے عشرت خانوں میں
اب جس پہ عرشِ رفعت کی بنیادیں جھومی پڑتی ہیں
تخئیل کا وہ اِک نقطہ تھا موہوم انہی ویرانوں میں

آوارہ سر و وارفتہ نظر محسودِ جہاں آتش بہ جگر
اک دیوانہ ساغرؔ بھی ہے اے علم ترے دیوانوں میں

# عذرا

من بھاونی رسیلی عذرا کی پیاری باتیں
بھولی ہیں رس بھری ہیں انمول ساری باتیں

معصوم ہونٹھ اسکے لالے کی پتیاں ہیں
اور میٹھے بول سکے تسکینِ دو جہاں ہیں

کچھ مسکرا کے جب یہ ہونٹوں کو کھولتی ہے
ہر بار بھولے پن سے رُک رُک کے بولتی ہے

باتوں میں اس کی قدرت ہر بار بولتی ہے
موتی بکھیرتی ہے انوار رولتی ہے

ہونٹوں سے اُسکے فطرت اک گیت گا رہی ہے
رگ رگ میں زندگی کا بربط بجا رہی ہے

وہ کچھ نہیں سمجھتی اس درجہ بیخودی ہے
اس وقت اسکو حاصل اک پاک زندگی ہے

# یتیم کی دُنیا

"یتیمی" اک تقرر وقت ہے دنیائے فانی میں
جو طاری بیش و کم ہوتا ہے سب پہ زندگانی میں

کوئی ایسا نہیں جسکی مسرّت جاودانی ہو
فنا ہر چیز کو لازم ہے دورِ آسمانی میں

مگر معصوم وہ بچے کہ جو دُنیا میں آتے ہی
اسیر مبتلا ہو جائیں دام سرگرانی میں

کوئی والی کوئی مولیٰ کوئی وارث نہ ہو جنکا
مقیّد جان ہو جائے وبالِ جاودانی میں

کسی صورت کوئی ذمّہ نہ لے جنکی کفالت کا
نہ ہو جن کا کوئی حصّہ نشاط و شادمانی میں

نہ ماں کی گود حاصل ہو نہ آغوشِ پدر جن کو
نہ ہو احساسِ اجنبیت جہاں میں ذرّہ بھر جن کو

بہائے بیکسی آنسو بہا اُن خستہ حالوں پر
مسرت فتح پا سکتی نہیں جنکے ملالوں پہ

فلک نے کر دیا محروم جنکو مہرِ مادر سے
پدر کی گود بھاری ہو گئی جن نونہالوں پہ

جنہیں پامال کر کے قسمتِ ویراں بھلا بیٹھی
ضعیفی کی ہیوست چھا گئی جن خوش جمالوں پہ

یہ وہ عالم ہے اے سر در گریباں سوچنے والو — جو ہو سکتا نہیں طاری کبھی ماں باپ والوں پہ

یہ عالم غور کرنے سے سمجھ میں آ نہیں سکتا
کوئی اس حال کی گہرائیوں تک جا نہیں سکتا

وہ بچے جن کی سعی و فکر کا حاصل نہیں کوئی — وہ بچے جنکی چشم یاس میں منزل نہیں کوئی

وہ افتادہ بسر جو تشنۂ سیر و تماشا ہیں — وہ پژمردہ نظر جنکے لئے محفل نہیں کوئی

وہ نا قابل نہیں جن کو میسر جوہر قابل — وہ سادہ دل جنہیں اندازۂ مشکل نہیں کوئی

جو نقش منتظر تھے محفل ہستی کے ماضی میں — وہ آج اس حال میں ہیں جسکا مستقبل نہیں کوئی

یہ سب ٹوٹے ہوئے دل ہیں نشاط لطف کے قابل — مگر کیا کیجئے دنیا میں اہل دل نہیں کوئی

یہ نظارے نظر والوں کو اکثر گھیر لیتے ہیں
مگر سب دیکھتے ہیں اور نگاہیں پھیر لیتے ہیں

تمہارے پاس انکا جوہر ہستی امانت ہے — تمہاری جیب میں انکے لئے گنج کفالت ہے

تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ملتا ہے جو کچھ تم کو — تمہی ہو اسکے مالک وہ تمہاری ہی وراثت ہے

تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ عشرت زارِ فانی میں
تمہارے ہی لئے یہ احتشامِ مال و دولت ہے

بہ ایں خودداری و خود پروری نعمتیں اسکی
تم اس قابل نہ تھے یہ تو فقط احسانِ فطرت ہے

جو اسکے مستحق ہیں اُن کو ہاتھوں ہاتھ پہنچا دو
کہ ہر دم شورشوں پر انتقام آدمیت ہے

نہ دنیا ساتھ جاتی ہے نہ دولت ساتھ جاتی ہے
دُعا بیکس کی لیکن تا بہ تربت ساتھ جاتی ہے

---

# صباحت

اے صباحت[1] اے بہارِ لالہ زارِ زندگی
اے نگارِ زندگی اے نوبہارِ زندگی

عہدِ غم میں رونقِ آغوشِ مادر تجھ سے ہے
نامرادی میں فقط تسکینِ ساغر تجھ سے ہے

---

[1] برادرِ اصغر ساغر نظامی

جب تو ہنستا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے مجھے — کھل گئے ہیں یک بیک لاکھوں دریچے خلد کے

"بھائی صاحب" کہکے تو جب دم بلاتا ہے مجھے — مطربِ فطرت نیا نغمہ سناتا ہے مجھے

تیرے تتلانے میں بھی قدرت کا گہرا راز ہے — ق — ساز ملہم کا تری معصوم سی آواز ہے

یا مغنی مضطرب ہے گت بجانے کیلئے — یا نوا بے چین ہے لفظوں میں آنے کیلئے

مہرِ انور کی کرن ہے چاند کا ٹکڑا ہے تو — تازہ تر پھولوں کا اک چھوٹا سا گلدستہ ہے تو

یہ سنہری بال یہ تیری جبینِ پُر وقار — جس پہ حورانِ جناں کے گرم بوسے ہیں نثار

یہ تری ضَو ریز آنکھیں نور سے لبریز سی — یہ تری گہری نگاہیں معرفت انگیز سی

اے صباحت دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا ہے تو — سلطنت کا گھر کی اک معصوم شہزادہ ہے تو

ہاتھ میں باقی ہے گرمی قبضۂ شمشیر کی
بازوؤں کو ہے تمنا پھر کمان و تیر کی

آ مری آغوش میں آ اے مرے ننھے پٹھان — تجھ میں آتی ہے نظر اسلاف کی سی آن بان

بڑبڑاتا ہے عجب اندازِ افغانی میں تو — شعلۂ برقِ غضب ہے جسمِ انسانی میں تو

تیری اس معصومیت میں اک فسوں کاری بھی ہے
رنگ بیداری بھی ہے اور شانِ خودداری بھی ہے

دارِ فانی میں نیا اک نقلاب آنے کو ہے
اس چمن کے ذرّے ذرّے پر شباب آنے کو ہے

ریشے ریشے میں ہے جولاں رتقائے زندگی
لُٹ رہی ہے مفت جنسِ بے بہائے زندگی

منزلِ جہد و عمل تک ایک دن تو آئیگا
دیکھتے ہی دیکھتے مردِ جواں بن جائیگا

زندگی پوچھیگی تجھ سے کیوں یہاں آیا ہے تو
توشۂ علم و عمل بھی ساتھ کچھ لایا ہے تو؟

آرزو ہے زندگی کو اس طرح تو دے جواب
اک ہتھیلی پر ہو سورج ایک پر ہو ماہتاب

زندگی علم و عمل کے نور سے تابندہ ہے
موت بھی اسکے اثر سے زندہ و رخشندہ ہے

شہسوارِ زندگی ہو یا الٰہی تو شتاب
بڑھکے چومے تیرے قدموں کو حیاتِ کامیاب

رہتی دنیا تک رہے تو کامیابِ زندگی
تیرے قدموں میں بہے نہرِ شرابِ زندگی

گُل کہاں غنچے کہاں غنچوں کا رنگ و بو کہاں
گلستانِ دہر میں پھر ہم کہاں اور تو کہاں

# شفق

## (بچّیوں کے لئے)

ہوگئی شام اور سورج ڈوبا　　پچھّم میں ہے آگ کا گولا
رنگ شفق سے ایسا برسا　　سُرخ ہوئے جنگل اور دریا

رنگترا ہے شام کا دامن
پھول بنا ہے شام کا دامن

واہ شفق کیا رنگ بھری ہے　　سُرخ پری ہے سُرخ پری ہے
شام کی گودی میں بیٹھی ہے　　لال دُپٹہ ریا اوڑھ رہی ہے

اس کو اپنے پاس بُلا لوں
اپنی سہیلی اس کو بنا لوں

آمیری رنگین شفق آ آجا میری گود میں آجا
رنگ ترا ہے کتنا پیارا جیسے ہوا تاں کا دوپٹّا
اے ملکہ اے شام کی بیٹی
رنگوں کی تو ہے شہزادی

ٹب میں پانی خوب بھرا ہے آپّا نے یہ بھروایا ہے
اس میں تیرا رتھ اُترا ہے چاند ترا رتھ کھینچ رہا ہے
روک لے رتھ کو اور اُتر آ
آج سہیلی میری بن جا

# گاندھی

## (بچوں کیلئے)

دنیا تھی گو اُسکی بیری دشمن تھا جگ سارا    آخر میں جب دیکھا سادھو وہ جیتا جگ ہارا

کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا    کیسا سنت ہمارا

بدّھا ہے یا نئے جنم میں بنسی کا متوارا    موہن نام سہی پر سادھو روپ دے ہی ہارا

کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا    کیسا سنت ہمارا

بھارت کے آکاش پہ وہ ہے ایک چمکتا تارا    سچ مچ گیانی، سچ مچ موہن، سچ مچ پیارا پیارا

کیسا سنت ہمارا گاندھی کیسا سنت ہمارا    کیسا سنت ہمارا

سچائی کے نور سے اُسکے دل میں ہے اُجیارا    باطن میں شکتی ہی شکتی ظاہر میں بیچارا

کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا    کیسا سنت ہمارا

# رُموزِ میکده

# نواں بابُ

# جامِ نیم شبی

ہوا سے فضائے گلستاں کی مستی
مگر آج [illegible] ایماں کی مستی
وہ جامِ [illegible] دل سے جاں تک
جہاں [illegible] لامکاں کی مستی

ہر دل کو ہے ایک صنعتِ نو کی تلاش
انسان ہے اور بت پرستی کا قماش
ہر دم مجھے صنم تراشی ہے مگر
افکار کے بتکدے میں اک سنگ تراش

دنیا معلوم و اہلِ دنیا معلوم
عقبیٰ معلوم و رازِ عقبیٰ معلوم
اک جام اک جام میرے ساقی اک جام
انجام ہے مجھ کو ہر گنہ کا معلوم

مندر کا غلام کوئی مسجد کا غلام
دُنیا والے ہیں بندگانِ اوہام
فطرت ہے امامِ کائنات اے ساغرؔ
عالم ہے تمام کعبہ کعبہ ہے تمام

یہ کعبہ و دیر یہ کلیسا مندر
یہ مولوی پنڈت اور صوفی رہبر
کچھ وہم کے بُت ہیں اور کچھ پتھر کے
عالم بُت خانہ اہلِ عالم بُت گر

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

---

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

# حدیث بیخودی

(سنہ ۱۹۳۱ء)

بیخود ہوں مے سے دوری وفا کی شکایت ہے
طالع ہے الٹے گم ہے طبیعت پریشان ہے
جو بیخودی میں جسکے نہ وہ بیکلی ہمیں
بیخودی ہے الٹے کی خود وہ بیزاری ہے

ذرّے سے تغیّر نے عیاں جلوہ نما ہیں
قطروں سے گہر آج بھی پیدا ہوئے ہیں
دریا میں جہاں سے کئی طوفاں ہیں
اسلاف کے سینے سے ابھرتے ہوئے ہیں

---

باقی نفی کی ہے سکینہ پا بے عمل
اور باغ میں تیرا بن دونوں ازل بے عمل
قانون جہاں سے قائم کا لازم تر
سرتاج شہنشاہ ملت ایمان کا عمل

# اشکِ میگسار

وہ شورشِ بیتابیِ دریا نہ رہا
بے مایگیِ کیف کا حاصل نہ رہا
کس کو ہیں یاد داستانِ ہستی کے داغ
محفل نہ رہی وہ دورِ محفل نہ رہا

ہر خم میں سمِ تیز ملا دے ساقی
باقی جتنی ہے سب بہا دے ساقی
تعمیرِ سرور اور بغیرِ ساغر!
میخانہ کو مقبرہ بنا دے ساقی

وہ جلوۂ ماہ وہ گلستاں ساقی
وہ سامنے ایک گُل بداماں ساقی
پیدا کروں کس طرح بتا دے مجھ کو
ہر گام پہ ایک ساغرستاں ساقی!

# تجدیدِ کیف

بادل چھیڑ رہے ساز نئی
پایا ہے کہیں سے تاج نئی
پیتا ہی پیا ہے اور پیتا ہی پیں
ہے کیسی ہوائیں ہے تیا نئی

ماہ و خورشید آج پینے آئیں
زہرہ کو حدودِ میکدہ میں لائیں
وہ عالمِ کیف و وجد ہو اے ساقی
لوٹے کریں رقص اور گوشے گائیں

عالم کو خرابِ کیف و مستی کر دے
غرقِ مےِ ناب غم کی بستی کر دے
بہتی پھرے کائنات تنکے کی طرح
جتنی ممکن ہو آج مستی کر دے

پنہاں رقصاں ہو اور پیدا رقصاں
دنیا رقصاں ہو اور عقبیٰ رقصاں
اے مطرب مست کوئی ایسا نغمہ!
ہوں جسکے اثر سے دین و دنیا رقصاں

ہر روح ہو مست اور ہر دم بیخود
خسرو بیخود ہو اور سے جم بیخود
بیخود ہونے سے کوئی باقی نہ رہے
نشے سے ہو کل سوادِ اعظم بیخود

یہ صبحِ منوّر اور یہ وقتِ نماز
سورج محمود ہے تو غنچہ ہے ایاز
رات آئے نہ آئے کچھ نہیں اس کا یقیں
لا جامِ صبوح ساقیِ بندہ نواز

---

کویل بیچو دہو اور پپیہا رقصاں
گنگا رقصاں ہو اور جمنا رقصاں
ہاں کرشن کی لے میں پھر سنا دے بنسی
پھر ہو مری آتما کی رادھا رقصاں

نقش در دیدۂ مرزا ہے

سپہ باطل سہی تابندہ ہے

سمجھ کر تن کو خطا آدمی کر ان میں ہی

انسان کا انسان تاناہی ہے

---

افلاس کو دنیا میں ہے پالا لا زمیں

الفت کو جو ہے پیش الا الا زمیں

بانہ تن بس ان کر اک سات تیں

سعد و ہم کو بیک کے اک راز میں

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

---

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

---

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نغمے بالکل نئے سناؤں تجھکو
ساغر بالکل نئے پلاؤں تجھکو
میخانے میں آ پھینک دے جامِ جمشید
اک بوند میں سو جہاں دکھاؤں تجھکو

---

مندر اُڑ جائے موجِ خوشبو کی طرح
بہہ جائے کنشت گرم آنسو کی طرح
کس بت کا شکار ہوں اگر یہ کہہ دوں
آتاں رم حرم ہوا آہو کی طرح

میرے حالات پر نہ جا ساقی
ہاں پلا جام مے پلا ساقی
ارتقا گر ہے انتہائے زوال
ہے تنزل بھی ارتقا ساقی

---

کیجیے نہ غور آج بدمست ہوں میں
جاری ہے دور آج بدمست ہوں میں
تارے مرے قدموں میں پڑے ہیں سرخوش
اک جام بھر اور آج بدمست ہوں میں

# رِندی وخردمندی

احساس کی آزادی ادراک کی پابندی
یہ سرخوشی و رندی اور پھر یہ خردمندی!

ہر شے میں ہیں سو جلوے اِک چشمِ تماشائی
یہ حُسن کی آزادی یہ عشق کی پابندی!

کھو دیتا ہوں مستی میں احساسِ غمِ ہستی
رندی بھی مری زاہد ہے عینِ خردمندی

خیّام کے مسلک سے ارفع ہے مرا مسلک
ہے عار مجھے وقت و ماحول کی پابندی

اے بے خبرِ منزل میری وہی منزل ہے
ہوتا ہے جہاں وصلِ رندی و خردمندی

کس درجہ عجب شے ہے یہ قیدِ محبت بھی
ہر وقت کی آزادی ہر وقت کی پابندی

پینا ترے ہاتھوں سے پھر تجھ کو پلا دینا
وہ فلسفۂ رندی یہ رازِ خردمندی

ہاتھوں میں ہیں پیمانے آنکھوں میں ہیں میخانے
منہ تکتی ہے ساغر کا رندی و خردمندی

# سلام اے بزمِ زنداں!

سلام اے بزمِ زنداں لُٹ گئی میخانے کی دُنیا
اُڑی جاتی ہے یُوں بن کر مرے پیمانے کی دُنیا

شکستِ ساغرِ رنگین درد و صد تباہی ہے
عبارت تھی اسی دیوانے سے میخانے کی دُنیا

مرے حرفِ وفا سے ہے ترا حُسنِ جفا باقی
مرادِ کرِ تباہی ہے ترے افسانے کی دُنیا

اُٹھے ہر قطرۂ مے اپنے میکش کا کرے ماتم
اُجڑتی ہے ہمیشہ کیلئے میخانے کی دُنیا

درِ ساقی پہ ہوگا اجتماعِ میکشاں لیکن
نہ ہونگے سجدہ ہائے بیخودی میخانے کی دُنیا

لگائیگا تری خاکِ قدم کا کون اب قشقہ
منوّر اب کریگا کون اس بُت خانے کی دُنیا

ابھی تو دھجّیاں اُڑنے کو عرش و لامکاں بھی ہیں
کہ امصار و بیاباں ہی نہیں دیوانے کی دُنیا

حیات و موت دونوں ہیں نثارِ نور اے ساغر
بڑا رنگیں فروغِ شمع ہے پروانے کی دُنیا

# جُرعۂ آخریں

# دسواں باب

# انقلاب

نہ وہ جوشِ موسمِ گُل رہا، نہ وہ فکرِ بخیہ گری رہی
نہ کمالِ دستِ جنوں رہا، نہ مجالِ جامہ دری رہی

نہ وہ آنکھ ہے نہ وہ ولولے نہ کلیم ہے نہ وہ حوصلے
نہ وہ جذبۂ ارِنی رہا نہ وہ رسمِ جلوہ گری رہی

ترا جلوہ برقِ نظر نہیں، وہ نظر نہیں، وہ اثر نہیں
نہ مری جواں نگہی رہی، نہ تری سناں نظری رہی

نہ حریمِ گُل نہ شمیمِ گُل نہ وہ نکہتیں ہیں ندیمِ گُل
نہ چمن رہا نہ وہ بلبلوں کی ادائے نغمہ گری رہی

نہ وہ بلبلیاں نہ وہ آشیاں نہ وہ فصلِ گل نہ وہ باغباں

نہ چمن رہا نہ قفس رہا نہ صبا کی نامہ بری رہی

نہ سرِ طوافِ نظر مجھے نہ عزمِ طلوعِ سحر تجھے

نہ وہ میں رہا نہ وہ تو رہا نہ عبادتِ سحری رہی

جو تو چاہے بزم میں بیٹھنا تو تجھے اجازتِ عام ہے

نہ وہ حُسنِ پردہ در رہا نہ وہ ننگِ پردہ دری رہی

نہ وہ حادثات کا سامنا نہ وہ منزل اور نہ وہ قافلہ

نہ وہ رنگِ راہزنی رہا نہ وہ طرزِ راہبری رہی

**زہے کیف دعوتِ مرگ ہے مجھے آمد و شُدِ ہر نفس**

**نہ دوائیں کم اثری رہی نہ دعائیں بے اثری رہی**

نہ وہ نغمۂ سحری رہا۔ نہ دعائے نیم شبی رہی

نہ مری نوا عجمی رہی نہ مری صدا عربی رہی

نہ وہ کنجِ گل نہ وہ دورِ مے نہ سرورِ مے نہ وفورِ مے

نہ وہ تیرے لب رہے مے چکاں نہ وہ میری تشنہ لبی رہی

نہ وہ ساقیہ کی شرارتیں نہ وہ محتسب کی شکایتیں

نہ وہ مے کشی کا جنوں رہا نہ وہ دار و گیرِ عجبی رہی

نہ مزاج علم میں جرأتیں نہ دماغِ جہل کو ہیں ضدیں

نہ وہ آنِ حق طلبی رہی نہ وہ شانِ بو لہبی رہی

نہ وہ دل رہا نہ وہ دل میں ظرفِ ورودِ نور و ضیا رہا

نہ وہ آئینہ نہ وہ آئینہ میں نزاکتِ حلبی رہی

# شجاع احمد

مگر آہ ساغرِ خستہ جاں ابھی دل میں سوز کا ہے نشاں

کبھی گرم ہو گی حیات پھر جو یونہی یہ آگ دبی رہی

# درپن ٹوٹ چکا

صبح سویرے درپن ٹوٹا درپن ٹوٹا اور جگ چھوٹا
سانجھ نے مارا رات نے لوٹا سب کچھ کھوٹا سب کچھ چھوٹا

سانچا میرا ٹوٹا درپن
ٹوٹے میں دنیا لہرائے

## ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

کون اب دیکھے کون دکھائے ٹوٹے کو اب کون اُٹھائے
کس کی صورت اس میں آئے کس کی مورت اس کو بھائے

ساجن میرے من کا درپن
ٹوٹ کے بھی جوہر دکھلائے

## ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

کس کو دکھاؤں من کے ٹکڑے　　نیر میں ہیں ڈوبے ہوئے سارے
دُکھیا جیون کے یہ سہارے　　ٹوٹے موتی، بکھرے تارے

تم جو دیکھو میرے ساجن
ٹوٹا درپن پھر جُڑ جائے

## ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

دکھلا کر الھڑ پن توڑا،　　ہاتھ میں لیکر درپن توڑا
آ تم توڑی تن من توڑا　　میرا جوبن جیون توڑا

توڑا، اور جو میرے ساجن؟
ٹوٹا، کچھ ٹوٹا دے جائے!

## ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

ٹوٹے درپن گھر میں آؤ        درپن کے یہ ٹوک اُٹھاؤ
ہنس ہنس کر بجلی سی گراؤ        اور ٹکڑوں میں آگ لگاؤ

بات تو جب ہے ای من موہن
درپن راکھ ابھی ہو جائے

## ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

پریم بھی دھوکا پریت بھی دھوکا        راگ بھی دھوکا گیت بھی دھوکا
ہار بھی دھوکا جیت بھی دھوکا        دنیا کی ہر ریت بھی دھوکا

جھوٹا پھاگن، جھوٹا ساون
ٹوٹ میں سب جھوٹا کہلائے

# ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

من درپن بن ٹوٹے ساغر تھا اندھا اور چیکٹ پتھر
غم نے مارا من پر کنکر بہ نکلے جوہر کے ساگر

ساگر ہے اور ٹوٹا درپن
بوند نہ گرنے پائے

ٹوٹ چکا اے ساجن درپن ٹوٹ چکا

---

گرمیِ تسکیں سے اندازِ جنوں بڑھ جائے گا
دل پہ رکھا ہاتھ اگر دردِ خوں بڑھ جائے گا

# شاعر

## (اپنے ماضی میں)

وہ عشق و جوانی کے عجب کار نظارے
اللہ کہاں ہیں وہ گئے وقت ہمارے

وہ ایک شکستہ سا مکاں گاؤں کے باہر
وہ پاک زمیں اور مقدس وہ ستارے

اک لُعبتِ بےباک کا وہ بام پہ آنا
وہ نیند کی آغوش میں سوئے ہوئے تارے

وہ نرگسِ پُر بادہ کا برباد کُن انداز
جیسے ہو کنول صبح کو ندی کے کنارے

وہ دورئ اجسام وہ ارواح کی قربت
انگشتِ حنائی سے مسلسل وہ اشارے

وہ اُس کا تبسم وہ تبسم کا تواتُر
وہ مست نگاہوں میں محبت کے شرارے

خاموش وہ اک گفتگوئے شوق مسلسل
وہ اُس کی نگاہوں کا یہ کہنا "مرے پیارے"

اللہ

اللہ! کہاں ہیں وہ گئے وقت ہمارے

وہ عشق و جوانی کے عجب کار نظارے

وہ صبح سویرے ترا اک گیت سا گانا — خوابیدہ مجھے دیکھ کے تالی بھی بجانا

آواز وہ چکّی کی وہ سیلابِ ترنّم — سارس کے وہ نغمات وہ کوئل کا ترانا

چھپ چھپ کے تری آہ وہ گلبازیِ پیہم — وہ جان کے چادر میں مرا منھ کو چھپانا

کیونکر ہو یقیں دل کو کہ ایسا بھی ہوا تھا — وہ روٹھ کے جانا وہ ترا اشک بہانا

ہر طرح ہر اک طور ہر اک ڈھنگ سے ظالم — وہ میرا نہ اُٹھنا وہ ترا مجھکو اُٹھانا

پنگھٹ پہ ملاقات وہ رستے میں اشارے — سکھیوں سے کنوئیں پر ترا پوجا کا بہانا

وہ صبح کے دامن پہ ترا سجدۂ الفت — مندر میں محبت کے مہکتے ہوئے آنا

وہ عشق و جوانی کے عجب کار نظارے

اللہ! کہاں ہیں وہ گئے وقت ہمارے

برسات میں وہ ابرِ سیہ فام کے سائے — وہ شام کو آنا ترا گنگا کے کنارے

کنگن وہ سنہری وہ ترا دستِ منوّر — اور سبزۂ نم ناک پہ پینڈوں کے وہ تکیے
وہ دور ٹٹیری کی صدا کیفیت انگیز — وہ ہلکے سُروں میں ترے احساس کے نغمے
وہ دل میں مرے آہ کے طوفان کا اُٹھنا — وہ درد کے نغمے وہ کبھی یاس کے نوحے
وہ ہم سے بہت دور کسانوں کی صدائیں — وہ ہم سے بہت پاس سرِ چرخ ستارے
وہ جنبشِ آویزۂ رنگیں کا تماشا — وہ بیٹھنا تیرا مرے بازو کے سہارے
سینہ پہ مرے وہ ترا یا جا سا بجانا — آسودگیِ حُسن و محبت کے وہ لمحے

اللہ! کہاں ہیں وہ گئے وقت ہمارے
وہ عشق و جوانی کے عجب کار نظارے

# خوفناک تجربہ

مجنوں مجھے میرے غم نے کیا اک ہوش سے ساقی کام نہ لے
جو زہر سے سچ مچ خالی ہو اُس جام کا مطلق نام نہ لے
تاریکی اُجلے روپ میں تھی انوار کی عصمت کھونے کو
ماضی کی سنہری شاموں کا شہمائے سیہ میں نام نہ لے
کیسے موسیٰ کس کا جلوہ اک وہ بھی نظر کا دھوکا تھا
جو نقشِ خیالی تھا تیرا اُس طور کو ڈھا دے نام نہ لے

---

کہتے ہیں ''وفا'' سب آج جسے ہے کھیل ہوس کے بندوں کا
اس پاپ کی ماری دنیا میں بھولے سے وفا کا نام نہ لے

ہر بادہ سم آگیں ہے یہاں ہر مینا مطلق زہر چکاں

پینی ہے تو اپنے ہاتھ سے پی ساقی کے ہاتھوں جام نہ لے

یہ چشم و دلِ آگاہ جو ہر دم لُٹتے اور لٹواتے ہیں

رہزن ہیں رہزن لے رہرو ان راہزنوں سے کام نہ لے

اُلفت کیسی ہے حرص و ہوا کی ٹھوس تجارت دنیا میں

گر مفت ملے تو بھی غافل بھولے سے یہ جنسِ خام نہ لے

مصروفِ خلیلِ عشق ہے خود غرائے ہوس کی پوجا میں

قدغن ہے خدا کے گھر میں کہ اب کوئی بھی خدا کا نام نہ لے

تعمیر کے پردے میں ہیں یہاں تخریب کے سوڈا کو پنہاں

لُٹ جائیگا راہِ ہستی میں آرام نہ کر آرام نہ لے

ہے حُسن کا دامن سو ٹکڑے ملعون ہوس کے ہاتھوں سے

شیطاں کی خدائی ہے شاعر للہ خدا کا نام نہ لے

ظاہر جھوٹا پنہاں جھوٹا ایماں جھوٹا عصیاں جھوٹا

ہے سارا جگ جھوٹا غافل اس جھوٹے کا نام نہ لے

تعلیم ہے یہ تلقین ہے یہ، تجدید ہے یہ تحقیق ہے یہ

ہنس ہنس کے خدا سے منکر ہو رو رو کے خدا کا نام نہ لے

سنتا ہوں محبت ساحل تک پہنچاتی ہے کشتی بن کر

غرقاب فنا ہوتا ہوں میں بڑھ کر اب دامن تھام نہ لے

ساغراب اُٹھ بیٹھے تو پھر اُٹھ کر محفل میں بیٹھیں کیوں؟

جب تک وہ "چمکیلا دھوکا" خود بڑھ کر دامن تھام نہ لے

# غم

بقائے عارضی کی گود میں جلوہ نما ہو کر
اُٹھا انسان محفل سے ازل کی آئینہ ہو کر

شعاعیں آئینہ کی کثرتِ انوار سے چمکیں
تجلّیاتِ تازہ پردۂ اسرار سے چمکیں

ربابِ عشق کی آواز سے بزمِ ازل گونجی
جمودِ مستقل میں ایک دنیائے عمل گونجی

تبسم سے ترنّم نے کیا عہدِ ہم آغوشی
بڑھا ہنگامۂ ہستی میں احساسِ طرب کوشی

ہوا دھندلا سوادِ خامشی اکنافِ وحدت میں
تکلّم نے نوائے روح چھیڑی سازِ کثرت میں

نمودِ ہستیِ انساں ہوئی سوز و ساماں سے
مرتّب اک کتابِ نو ہوئی خلقت کے عنواں سے

فلک چلّائے کیا انسان کیسا عیش و عشرت ہے
فلک گھبرائے یا رب کیا یہی معیارِ قسمت ہے

زمیں کو پائمالی سادگی دی آسمانوں کو
مہیّا کر دیے سو عیش خاک آلود جانوں کو

مساواتِ ازل میں ایک جوشِ ارتقا اُٹھا
فضائے عرش سے اِک ابرِ لہریں مارتا اُٹھا

دھواں سا بن کے پھیلا وسعتِ دنیائے امکاں پر
غبارِ صندلیں کی طرح چھایا قلبِ انساں پر

رگیں دل کی تڑپ کر ہو گئیں محوِ نوائے ہو
مسرت کا سراپردہ بنا پردہ سرائے ہو

برودت سے خوشی کی منجمد جو قطرۂ خوں تھا
پگھل کر سوزِ فطرت سے اب اک طوفانِ جیحوں تھا

بنا گہرائیوں تک جاتے جاتے ہر نفس نالہ
جب آئی سانس باہر پڑ گیا ہونٹوں پہ تبخالہ

دیارِ قلب سے اک ٹیس اُٹھی لرزشیں لے کر
جگر پہلو سے دوڑا درد کی گنجائشیں لے کر

اُداسی چھا گئی عشرت کے روئے ارغوانی پر
ہزاروں نفرتیں برسیں مذاقِ زندگانی پر

ہوا مجروح پندارِ تعیش روح گھبرائی
رواقِ گوش میں الہام خانے سے ندا آئی

" یہ وہ نعمت ہے جو حاصل فقط انساں کو ہوتی ہے
یہ بیداری ہے وہ جس میں ہماری یاد سوتی ہے

نویدِ عیش و شانِ کامرانی بے مزہ ہوتی
نہ ہوتا غم تو حسنِ شادمانی بے مزہ ہوتی

نہ اُٹھتا پردۂ غفلت کبھی چشمِ بصارت سے
نہ ہوتا آدمی فائز وقارِ آدمیت سے

نہ لذت سوز میں ہوتی نہ کچھ لطفِ گداز آتا　　نہ ذوقِ عاشقی ہوتا نہ اندازِ نیاز آتا
فلک کو کس طرح بیدار کرتے آہ کے نعرے　　فرشتوں کو سناتا کون یا اللہ کے نعرے
حجابِ قدس میں یہ رحمتِ معصوم رہ جاتی　　صدائے ہو طوافِ عرش سے محروم رہ جاتی
"تسلسل" ناگوارِ فطرتِ انسانِ فانی ہے　　"تواتر" جس طرح کا ہو وبالِ زندگانی ہے
تنوّع مانگتی تھی روح کی اجسام آرائی　　ملا جب غم ہوئی حسِ طرب کی عزت افزائی

مکمل قوتِ برداشت پہلے جان کو دیدی
پھر اک بالکل اچھوتی بیکلی انسان کو دیدی

یہی حالت ہے وہ جو وجد میں لاتی ہے انساں کو　　یہ دولت ہے جو مشکل سے دی جاتی ہے انساں کو
یہ اک پردہ ہے جس میں سو اداؤں سے نہاں ہم ہیں　　یہ اک جلوہ ہے جس میں آرزو بنکر عیاں ہم ہیں"
یہ وہ آتش ہے ہر شعلے میں جس کے ایک جنت ہے　　یہ وہ کانٹا ہے جو روحِ نسیمِ باغِ فطرت ہے
یہ وہ نشتر ہے جس کے زخم پھولوں کے خزانے ہیں　　یہ وہ جوہر ہے جس میں بند سو آئینہ خانے ہیں
یہ وہ قوت ہے جو انساں کو آگے بڑھاتی ہے　　سہارا دے کے بامِ ارتقا تک اس کو لاتی ہے

یہ وہ اکسیر ہے ہوتا ہے دل کا تزکیہ جس سے — یہ وہ تفسیر ہے کھلتا ہے رنگِ مدعا جس سے

یہ وہ دنیا ہے جس کی سیر کو قدسی ترستے ہیں — یہ وہ عالم ہے جس میں بندگانِ عشق بستے ہیں

یہ ہے وہ سوز جس سے رقص میں ہیں ساز کے پردے — یہ ہے وہ شور اٹھ جاتے ہیں جس سے راز کے پردے

یہ جذبہ ہے جو جسم و روح کو مانوس کرتا ہے

یہ وہ لذت ہے تنہا دل جسے محسوس کرتا ہے

---

# وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

یاد آیا ہے کہ جب میرا تصور تھا جواں — جس طرف نظریں اٹھاتا تھا تری تصویر تھی

یاد آیا ہے کہ میں تھا بیخودِ عیش و نشاط — زندگی اک میرے لفظِ شوق کی تفسیر تھی

یاد آیا ہے کہ وحشت خادمہ تھی ہوش کی — خاکِ ہر میدانِ غربت نسخۂ اکسیر تھی

یاد آیا ہے کہ تھا گہوارہ جنبانِ حسنِ شوخ — خندۂ بے حد کی موجوں میں مری تصویر تھی

یاد آیا مے کہ تھا صیّاد خود میرا شکار
حسن کے پہلو میں خودداری مری اک تیر تھی

یاد آیا مے کہ خود تھا حسن اسیرِ دامِ عشق
باغ میں سوتا تھا کوئی سینہ پر تصویر تھی

یاد آیا مے کہ میں بھی تھا امیرِ میکدہ
تھی ریاست میری ہستی بیخودی جاگیر تھی

یاد آیا مے کہ دنیا تھی گرفتِ عزم میں
کائنات احساس کی اک مختصر تصویر تھی

ایک دن پھر اس تلاطم سے ابھرنا ہے مجھے
پھر جہانِ آرزو کو فتح کرنا ہے مجھے

---

# میرا دل

وہ اک ناسور جو ہر وقت رِستا اور بہتا ہے
وہ اِک زخمِ کہن جو ہر گھڑی شاداب رہتا ہے

وہ اک سازِ شکستہ اور اک مینائے بے بادہ
وہ اک خونیں ورق لیکن بظاہر صفحۂ سادہ

وہ اک چھلنی کہ جس میں رک نہیں سکتا کوئی آنسو
کسی بیوہ حسینہ کے لبوں کی ناتمی خوشبو

وہ اک پامال ٹھکرایا ہوا جبّار قدرت کا — وہ اک خونیں ہرن انسان کی نسلی شرافت کا
کنول سے ملتا جلتا ہم شبیہِ ساغر و لالہ — وہ ہے اک شمعِ لرزاں در اک شعلہ ہے جوّالہ
وہ اک پروانۂ پُر جوش ہر شمعِ تبسُّم پر — وہ اک قاصۂ خاموش ہر موجِ ترنُّم پر
حسینوں کا کھلونا جھنجھنا طفلِ محبت کا
وہ اک کھویا ہوا کنگن عروسِ آدمیّت کا

---

## سرودِ خودی

زبسکہ اک گُلِ افسُردہ وفا ہوں میں — مثالِ سبزۂ چمن میں الگ پڑا ہوں میں
نہ مجھکو لالہ سے مطلب نہ کام نرگس سے — نہ نسترن سے نہ سنبل سے آشنا ہوں میں
بہار باغ سے ہے میری ہر بہار جدا — الگ اک اپنا گلستاں بنا ہوا ہوں میں
بایں ہمہ مجھے سب جانتے ہیں اہلِ چمن — یہیں کی خاک سے آخر بنا ہوا ہوں میں

میں وہ ہوں جس پہ ہے تخلیق کو بجا نازش
شعور و فہم سے دنیا کے ماوراہوں میں

میں وہ ہوں جس نے نوا عندلیب کو بخشی
اگرچہ دیدۂ ظاہر میں بے نوا ہوں میں

میں وہ ہوں جس پہ اساسِ جہانِ نغمہ ہے
سرود و کیف کی ترکیب جانتا ہوں میں

میں وہ ہوں جس پہ حقیقت ہے فاشِ عرفاں کی
یہی سبب ہے کہ عرفاں باسوا ہوں میں

مری نمود میں ہے کیف و کم محبت کا
کہ ایک ساغرِ میخانۂ وفا ہوں میں

میں سرگزشتِ وطن سے ہوں ہو بہو واقف
ہر اک فسانہ کا آغاز جانتا ہوں میں

نہیبِ نطق سے لرزا دیا ہے عالم کو
ابھی فضا کو یقیں ہے کہ صاعقہ ہوں میں

گدا ہوں اور نہیں فطرت میں میری خوئے سوال
فقیر تو ہوں مگر فخرِ انتما ہوں میں

## آرزوئے بیخودی

ہے ایک بیخودی شوق رات دن طاری
خود اپنے کیف تقدس سے جھومتا ہوں میں

جو چاہتا ہوں وہ لفظوں میں کہہ نہیں سکتا
مرے خدا کو خبر ہے جو چاہتا ہوں میں

گھُٹی ہوئی ہیں بہت آرزوئیں سینہ میں　　حدیثِ فکر کا مجمل سا ترجماں ہوں میں

جو بیخودی کی فضاؤں میں مجھکو گم کر دے

وہ ایک بادۂ سرجوش مانگتا ہوں میں

---

# تم وہ نہیں ہو ←→ اب وہ نہیں ہو

(ایک دکھیا کنواری کے تاثرات)

تھا ربط میرے سوزِ نہاں سے　　تھا عشق میری ہر داستاں سے

مجھ پر فدا تھے دل اور جاں سے　　لاتے تھے تارے ہفت آسماں سے

چُن چُن کے کلیاں ہر گلستاں سے　　کھوئے ہوئے کو پاؤں کہاں سے

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو۔ اے میرے پیارے

آنکھیں تھیں میری جامِ محبت　　میرا تبسم دامِ محبت

صُبحِ محبّت شامِ محبّت عرشِ تمنّا بامِ محبّت
اب ناتواں ہے گامِ محبّت اب تم نہ لینا نامِ محبّت

تم وہ نہیں ہو، اب وہ نہیں ہو۔ اے میرے پیارے

عہدِ محبّت جس نے کیا تھا نامِ وفا پر جو مٹ گیا تھا
میری اداؤں پہ جو فنا تھا میں جس کی دیوی جو دیوتا تھا
جو میرا بندہ ہو کر خدا تھا سُپنا تھا یا رب دھوکا تھا کیا تھا

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو۔ اے میرے پیارے

ساون کی وہ رُت وہ وقت چنچل سبزہ جھیلیں گھنگور بادل
دکھیا پپیہا، بے تاب کوئل سائے گھٹا کے سنسان جنگل
وہ ہم سے تم سے جنگل میں منگل دامن تمہارا اور میرا آنچل

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو۔ اے میرے پیارے

اب وہ نہیں ہو تم میرے پیارے میں جی رہی تھی جس کے سہارے

جس نے ہمیشہ گیسو سنوارے　　آکاش میں بھی تم تھے ستارے

چاند اور سورج سب تھے ہمارے　　سب بجھ گئے وہ روشن شرارے

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو ۔ اے میرے پیارے

جس کی ادائیں کافر ادا تھیں　　جس کی نگاہیں کیف آشنا تھیں

جس کی صدائیں نغمہ رُبا تھیں　　جس کی نوائیں سازِ فضا تھیں

جس کی وفائیں میٹھی جفا تھیں　　جس کی جفائیں جانِ وفا تھیں

تم وہ نہیں ہو، اب وہ نہیں ہو ۔ اے میرے پیارے

روشن وہ شامیں زرّیں وہ راتیں　　اور چاندنی میں گھنٹوں وہ باتیں

وہ بیت بازی وہ تم کو ماتیں　　اُلفت کی چالیں قسمت کی گھاتیں

مخلوط قالب مربوط ذاتیں　　سب پھونک ڈالیں وہ کائناتیں

تم وہ نہیں ہو اب وہ نہیں ہو ۔ اے میرے پیارے

# آؤ

## (ساون میں جدائی کی ایک رات)

آؤ مری جان آ بھی جاؤ ساون کی گھٹا میں چھپ کے آؤ

یہ سرد ہوا یہ مست بارش آؤ ورنہ ہمیں بلاؤ

عالم جس سے لرز گیا تھا ہاں پھر اُسی طرح مسکراؤ

کاشانۂ غم میں ہے اندھیرا دریا انوار کے بہاؤ

گوشے گوشے میں نور بھر دو ذرہ ذرہ کو جگمگاؤ

## آؤ مری جان آ بھی جاؤ

کالی کالی گھٹائیں توبہ دست رنگیں ادھر بڑھاؤ

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں توبہ کچھ تم پیو کچھ مجھے پلاؤ

بادل جو بچے کھچے ہوئے ہیں آؤ اور ساتھ انہیں بھی لاؤ

جھم جھم ساون برس رہا ہے — چھم چھم کرتے چلے بھی آؤ

آؤ مری جان آبھی جاؤ

چھیڑی ہے فضا نے راگنی سی — تم بھی اپنا رباب اُٹھاؤ

قدرت سوگیت گا رہی ہے — آؤ تم بھی ملہار گاؤ

پژمردہ ہے فطرتِ ترنّم — پھر دُھن میں ہماری گنگناؤ

وہ نظم جو ہم نے کل کہی تھی — بوندوں کے ستار پہ سناؤ

آؤ مری جان آبھی جاؤ

تاریک ہے روح دل ہے تشنہ — دیکھو مجھے اور مسکراؤ

دل کے خرمن پہ مسکرا کر — بے آگ کی بجلیاں گراؤ

ہلکی سی لطیف سانس لیکر — گہری فکروں میں ڈوب جاؤ

پھر دونوں جہاں سے مجھکو کھو دو — آنسو آنکھوں سے کچھ گراؤ

راہ عرشِ وفا کدھر ہے — نمناک نگاہ سے بتاؤ

آؤ مری جان آبھی جاؤ

پھر کعبۂ عشق کر دو تعمیر　　مندر پھر پریم کا بناؤ

پھر سجدے ہوں بار بار ہم　　پھر تم رہ رہ کے روٹھ جاؤ

پھر اپنے قدوم نازنیں سے　　گھبرا کے ہمارا سر اٹھاؤ

آؤ مری جان آبھی جاؤ

قسمت سوتی ہے عاشقی کی　　اس خفتہ نصیب کو اٹھاؤ

پھر چھیڑ دو اپنا کوئی قصہ　　راتیں باتوں میں پھر جگاؤ

دوری نے کیا ہے نقص پیدا　　کُل کو پھر جزو میں ملاؤ

آخر کب تک حجابِ ظاہر　　باقی پردے بھی سب اٹھاؤ

آؤ مری جان آبھی جاؤ

ہردم کیوں یاد آرہے ہو　　بہتر ہے یہی کہ بھول جاؤ

یہ شرم و حجاب اللہ اللہ　　ہم سے بھی نہ تم نظر ملاؤ

اِک رازِ بنا ہے ہر دو عالم　　گو چھپ نہ سکے مگر چھپاؤ

اعجازِ تصوّرات ہے یہ　　آ کر بھی ہمیں نظر نہ آؤ

## آؤ مری جان آبھی جاؤ

ساون کی اندھیری رات اور تم　　آئے ہو تو آ کے اب نہ جاؤ

اس وقت کا تو یہ ہے تقاضا　　ہم سو رہیں اور تم جگاؤ

ہلکی ہلکی یہ مست بوندیاں　　کوثر کی پھواریں نہاؤ

ناگن سی گھٹاؤں میں یہ بجلی　　للہ سنبھل کے مسکراؤ

## آؤ مری جان آبھی جاؤ

جھینگر کیوں ساز چھیڑتے ہیں　　اس ساز کا راز تو بتاؤ

بجلی کیوں مضطرب ہے پیہم　　اس کی بے چینیاں مٹاؤ

بادل کیوں گھر کے رو رہے ہیں　　ان کی حالت پہ رحم کھاؤ

چمپا دلہن بنی ہوئی ہے　　آؤ اس کو گلے لگاؤ

ہستی کل انتظار میں ہے    مقصودِ حیات بن کے آؤ
سارا عالم بلا رہا ہے    لیکن تم میرے پاس آؤ
آؤ میری جان ابھی جاؤ

---

# وہی کہو تو پھر ذرا

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بہت حسین ہو

حسین ہو لطیف ہو جمیل ہو حسین ہو

نگاہِ صبر آزما سے دل کو دیکھ بھال کر    سنبھل کے اور کاسنی دلائی کو سنبھال کر
نظر ملا کے اور مرے گلے میں ہاتھ ڈال کر    کلیجہ کھو دو ذرا اسی طرح نکال کر

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بہت حسین ہو

کنول کے پھول کو نظر جما کے خوب دیکھ لو
اِک آہ بھر کے اور تھرتھرا کے خوب دیکھ لو

مجھے دکھاؤ دیکھ کر دکھا کے خوب دیکھ لو
وہی کہو ادا سے مسکرا کے خوب دیکھ لو

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بہت حسین ہو

بنائے جاؤ عشق کو بنائے جاؤ عشق کو
بنا بنا کے اور بھی مٹائے جاؤ عشق کو

ستائے جاؤ عشق کو جلائے جاؤ عشق کو
خودی کی تند و تیز مے پلائے جاؤ عشق کو

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بہت حسین ہو

وہ آسماں وہ بجلیاں وہ بجلیاں وہ بدلیاں
وہ بدلیوں کے سائے میں خرام جامِ ارغواں

وہ جامِ ارغواں و رُس میں عکسِ ماہ گلستاں
وہ ماہِ گلستاں سرور و رقص میں یہاں وہاں

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بہت حسین ہو

مسرتوں کی روح ہو محبتوں کی جان ہو
امید کی زمین حسرتوں کا آسمان ہو

جمال اور شباب کا رفیع اک نشان ہو
خدائے عاشقی کی تم چڑھی ہوئی کمان ہو

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے جوان ہو

وہ سُرخ پھول پتیوں کی گود میں کھلا ہوا
گزر گیا تھا جس کو سارا باغ دیکھتا ہوا

کسی کو وہ نظر پڑا نہ تم تھیں اُس سے آشنا
مگر مری نگاہ نے اُسے بھی توڑ ہی لیا

وہی کہو تو پھر ذرا کہ "تم بڑے بصیر ہو"

وہ کھیت چاندنی کا اور سماں وہ پچھلی رات کا
نقاب تار تار تھا دوشیزۂ حیات کا

شباب چھین رہا تھا جب عروسِ کائنات کا
مرے وجود پر نہیں گماں تھا اپنی ذات کا

وہی کہو تو پھر ذرا کہ "تم مہِ منیر ہو"

وہ رات کی خموشیوں میں دل پہ ایک دھاک سی
وہ بادلوں کی چادرِ بریدہ چاک چاک سی

وہ اک صدائے آبشار دور، خوفناک سی
وہ چوٹیوں پہ نور سا وہ وادیوں میں خاک سی

وہی کہو تو پھر ذرا کہ "تم بہت عجیب ہو"

وہ سایہ سے کہیں تمہارا ڈر کے چیخ مارنا
حریفِ واہمہ کو بڑھ کے وہ مرا للکارنا

وہ پھر تمہارا کچھ سمجھ کے خفتیں اُتارنا
وہ تیرے بال بوسہ ہائے گرم سے سنوارنا

وہی کہو تو پھر ذرا کہ "تم بڑے شجیع ہو"

شجیع کہہ کے کام کا بنا رہی ہو تم مجھے　　حسین کہہ کے دیوتا بنا رہی ہو تم مجھے

میں سو رہا تھا آج تک جگا رہی ہو تم مجھے　　جہادِ زندگی کی مے پلا رہی ہو تم مجھے

وہی کہو تو پھر ذرا کہ "تم بڑے شجیع ہو"

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم اگر شجیع ہو　　تو اُٹھو اپنے ساتھ نوجوان ایک فوج لو

تمام دیس اُٹھ کھڑا ہوا اس سپاہ دُکے اُٹھو　　وطن کی راہ میں بہاؤ اپنے گرم خون کو

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے شجیع ہو

ہنسی ہنسی میں کیوں وطن کا ذکر تم نے کر دیا　　مری رگوں میں گرم گرم خون دوڑنے لگا

مری بہادری میں ایک جذبہ جواں بڑھا　　جل اُٹھا پھر بجھا ہوا چراغ میری روح کا

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے شجیع ہو

زمیں سے آسمان تک اک آگ سی لگاؤں گا　　سپاہِ دشمناں کو کاہ کی طرح جلاؤں گا

فضا میں پرچموں کی خوب دھجیاں اُڑاؤں گا　　وطن کو غاصبوں کے ہاتھ سے میں چھین لاؤں گا

وہی کہو تو پھر ذرا کہ "تم بڑے شجیع ہو"

قضا تمام میرے نورِ خوں سے جگمگائیگی　　نہ آیا میں تو میری لاش تو ضرور آئیگی
تمہارے سامنے انہی لبوں سے مسکرائیگی　　یہی کہیگی بار بار اور تمہیں رلائیگی

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے شجیع ہو

ہوئی جو مجھکو فتح پھر تو سرفراز آؤنگا　　میں اپنی نصرتوں کے گیت ہو کے گاؤنگا
ربابِ شوق جھوم کر سرود میں بجاؤنگا　　بطورِ انتقامِ عشق تم کو میں بناؤنگا

وہی کہو تو پھر ذرا کہ تم بڑے حسین ہو

حسین ہو، لطیف ہو، جمیل ہو، متین ہو

# جوانی بیتی جائے

محمد علی نیاؔ کی فرمائش پر

کب تک راہ دکھاؤ گی تم — آخر کب تک آؤ گی تم

یہ موسم یہ سرد ہوائیں — آؤ گی یا ترساؤ گی تم

ساون بھادوں رو رو کاٹے — کب تک یوں تڑپاؤ گی تم

جھوٹے وعدوں کے جھولوں میں — مجھے جھلائے جاؤ گی تم

برسوں گزرے اور جُگ بیتے — کب تک یوں بہلاؤ گی تم

اپنے تبسم کے پھولوں کی — مالا کب پہناؤ گی تم

میں چیخوں اور مور پکاریں

دکھیا کوئل شور مچائے

بیتی جائے، پیاری بیتی جائے، جوانی بیتی جائے

غم کی فطرت شاد نہ ہوگی ۔۔۔ نئی خوشی ایجاد نہ ہوگی

غم کی دولت لافانی ہے ۔۔۔ مٹ کر بھی برباد نہ ہوگی

میں کیا تو بھی اپنے غم سے ۔۔۔ تا بہ ابد آزاد نہ ہوگی

میرے تیرے عشق کی دُنیا ۔۔۔ نذرِ برق و باد نہ ہوگی

دل کی دنیا وہ دنیا ہے ۔۔۔ اُجڑی تو آباد نہ ہوگی

جان پہ بنتی ہے بن جائے ۔۔۔ ہم سے تو فریاد نہ ہوگی

دیکھیں تیری بزم میں کب تک ۔۔۔ دیوانوں کی یاد نہ ہوگی

آنسو آنکھوں میں لہرائیں

ساغر دل کا چھلکا جائے

بیتی جائے، جوانی بیتی جائے، پیاری بیتی جائے

میں دیوانہ، تو دیوانی ۔۔۔ دونوں پگلے پن کے بانی

وہ پگلا پن جسکی پیاری — دنیا نے کچھ قدر نہ جانی
اک دن خط کے بدلے آجا — کب تک یہ پیغام رسانی
آ دل کو فردوس بنا دے — بن جا دردِ محل کی رانی
دنیا افسانوں کی بسائیں — میں بھی قصہ تو بھی کہانی
وقت کسی کا یار نہیں ہے — کرلیں دنیا میں من مانی
آہ کہاں ملتے ہیں بچھڑ کر — بادہ و ساغر، عشق و جوانی

دل کی کلی جب مُرجھا جائے
کوئی بھونرا پاس نہ آئے

بیتی جائے، جوانی بیتی جائے، پیاری بیتی جائے

آ وہ نغمے گا گائیں — عرش پہ جائیں جسکی صدائیں
ساز وہ چھیڑیں جسکی لَے پر — سورج ناچے، تارے گائیں
چاند کے نورانی ہالے میں — بوسوں کے سورج چمکائیں

عشق کا جام رنگیں پی کر مذہب سے اونچے ہو جائیں
عرش کی چوٹی جسکا کلس ہو ایسا اک آشرم بنائیں
برسوں دنیا نے ٹھکرایا آ ہم دنیا کو ٹھکرائیں
ساغرؔ کا پیغام بھی سُن لے پھر نہیں آئینگی یہ صدائیں

نغمے سارے بکھرے جائیں
سازِ ہستی ٹوٹا جائے
بیتی جائے، جوانی بیتی جائے، پیاری بیتی جائے

---

# حُسن کی تڑپ

پھر تو کہنا ہائے چُپکے سے یہ تم نے کیا کہا
صبر تم پہ بھی پڑے اے کاش اک بے صبر کا

# نقطہ

اِک مختصر مربّع توسیع و اختصار
رخسارۂ حیات کا خالِ فروغ بار

آغازِ ابتدا کا وہ اِک نقشِ اوّلیں
انجامِ انتہا کا تتمہ مآلِ کار

دیباچۂ فسانۂ موہوم کائنات
سرنامۂ صحیفۂ منشائے کردگار

یک قطرۂ چکیدۂ ابرِ ازل محیط
صہبائے نابِ ساغرِ کُن خالقِ خمار

ٹپکا ہوا اک اشکِ تمنائے بے پناہ
بھٹکا ہوا سا عاشقِ تنہائے بیقرار

نابود اور مشرقِ خورشیدِ ہست و بود
محدود اور موجۂ دریائے بے کنار

عکسِ سیاہ مردمکِ چشمِ دو جہاں
صورت نگارِ کون و مکاں دُرِّ شاہوار

قندیلِ عرش شمعِ حرم نجمِ بُتکدہ
ماہِ کنشت، مہرِ کلیسا، گُلِ بہار

تکوینِ کائنات کا نقشہ کہیں جسے
صد نکتہ در کنار ہے نقطہ کہیں جسے

# الہام

جب سکوں کا دور ہوتا ہے اندھیری رات میں — اور سو جاتے ہیں تارے چاند کے لمعات میں

رُوحِ بیداری تڑپ اُٹھتی ہے حسیات میں — شاعری لیتی ہے انگڑائی مرے جذبات میں

عرش سے آتا ہے سامانِ نوا میرے لئے

در فلک کے کھول دیتا ہے خدا میرے لئے

میں فرشتوں کی صدا سنتا ہوں گوشِ ہوش سے — دل لرز جاتا ہے میرا انتہائے جوش سے

خود اُچھل پڑتا ہے کوثر قلب کی آغوش سے — آبشارِ نطق بہتا ہے لبِ خاموش سے

زور دیتی ہے طبیعت پردۂ احساس پر

غیب سے گرتی ہیں بوندیں صفحۂ قرطاس پر

بے حجاب آتا ہے کوئی منظرِ افلاک پر — حیرتیں ہوتی ہیں طاری خامۂ چالاک پر

گونجتا ہے ذہن میرا سرحدِ ادراک پر — ٹوٹ کر تارے سے گر پڑتے ہیں فرشِ خاک پر

کانپتا ہے ہر نفس کیفیتِ آواز سے
باہر آجاتے ہیں کچھ نغمے حجابِ ساز سے

---

# شفقِ زارِ وطن

(سنہ ۱۹۲۹ء)

طلوعِ مہرِ گلستاں مرے وطن کی شفق سے
ظہورِ خونِ شہیداں مرے وطن کی شفق سے

مرے وطن کی شفق سے نمودِ لالہ و سوسن
شہودِ سنبل و ریحاں مرے وطن کی شفق سے

مرے وطن کی شفق سے جمالِ نور نمایاں
چراغِ طور فروزاں مرے وطن کی شفق سے

ہے انعکاسِ مہ و انجم و فلک کا زمیں پہ
اک آئینہ ہے بیاباں مرے وطن کی شفق سے

وہ چاند ہو کہ ستارے، بہار ہو کہ گلستاں
ہر ایک شے ہے فروزاں مرے وطن کی شفق سے

فلک پہ ماہِ منوّر کی روشنی پہ نہ جاؤ — یہ شمع بھی ہے فروزاں مرے وطن کی شفق سے

ہزار میکدہ در بر ہے برف زارِ ہمالہ — ہے بام و در پہ چراغاں مرے وطن کی شفق سے

فضا تمام زمانے کی لالہ زار بنی ہے

شفق کے رنگ سے اور نور سے بہار بنی ہے

یہ آرزو ہے شفق اک زمین پہ بھی کھلا دوں — وطن کی خاکِ مقدس پہ اپنا خون بہا دوں

اُٹھاؤں سینۂ زخمی سے تار تار گریباں — میں اپنے دامنِ خونیں کو فضا میں اُڑا دوں

جو میرے سینۂ مجروح میں امانتِ غم ہے — کوئی کہے تو وہ خونیں آئینہ بھی دکھا دوں

اگر عروسِ وطن کی جبیں تلک سے ہو خالی — تو دل کو چیر کے دریائے رنگ و نور بہا دوں

اگر شفق کا تخیّل نہ اس پہ بھی ہو مکمل — تو اُٹھ کے لشکرِ ہستی میں تیز آگ لگا دوں

شدید آگ سے روشن ہوں خیمہ ہائے غلامی — ہر ایک حلقۂ زنجیر کو فتیلہ بنا دوں

اُدھر فلک پہ شفق ہو اِدھر زمیں پہ شفق ہو

نمودِ خوں سے مرے چہرہ و جبیں پہ شفق ہو

# محسُوسَات

کعبہ کیا ہے تربیت گاہِ بتانِ آذری — دیر کیا ہے برہمن کی مستقل جادوگری

الاماں سود و زیاں کاری عہدِ اقتصاد — پردۂ مذہب میں ہے ہر گام پر سوداگری

صبحِ منعم شامِ بیکس کی ہوتی ہے طلوع — مرگِ یک عالم ہے آغازِ شبابِ قیصری

ہے یہ تیرا معجزہ اے خونِ مزدورِ غریب — ہے بہاروں پر جو اتنا لالہ زارِ قیصری

لامکاں ٹھوکر میں ہے ہفت آسماں ٹھوکر میں ہے — اللہ اللہ یہ غرورِ انبساطِ سروری

نغمۂ مزدور میں تکمیل کے آثار ہیں — کوئی دم میں ٹوٹنے والا ہے سازِ قیصری

وہ مقدس دن بھی آنے کو ہے اے نخوت پرست — پائے دہقاں میں پڑا ہوگا شکوہِ سروری

مجھ میں تجھ میں امتیازِ خاص ہے اے مولوی — بت پرستی میرا مذہب تیرا پیشہ بُت گری

شاعرِ خوش فکر کیا کہنے ہیں تیرے آفریں
فلسفہ تیری خموشی گفتگو افسوں گری

# رودادِ چمن

یہی اک مختصر حاصل ہے میری سیرِ گلشن کا
میں اپنے رنگ کے دو پھول چن لاتا ہوں گلشن سے

ہمیں ان بجلیوں سے آشیاں میں شعلہ برپا ہیں
ہمیں ان بجلیوں کا لطف لیتے تھے نشیمن سے

عجب کیفیتِ پرواز تھی آزاد تھے جب ہم
کبھی آنا نشیمن پر کبھی اُڑنا نشیمن سے

قفس اک تنگنائے مختصر وسعت خیالوں میں
ذرا کوئی مری آزادیاں لانا نشیمن سے

مجھے خاموش فضائے گلستاں کی سیر کرنی تھی
دھندلکے میں سحر کے گر پڑا گلچیں کے دامن سے

---

کہیں نہ حُسن کے شعلوں سے صحنِ باغ جلے
یہ بے حجاب کہاں تم چلے چراغ جلے

# تجدیدِ بغاوت

صبحدم میری اسیری اور پھر اس شان سے — ذرّے ذرّے کو چمن کے ناز ہونا چاہیئے

پھر مرے ٹوٹے پروں میں خون لہرانے لگا — انتظامِ جلسۂ پرواز ہونا چاہیئے

پھر قفس اُڑتے ہوئے آئیں نظر چاروں طرف — پھر چمن میں محشرِ پرواز ہونا چاہیئے

نشترِ شعلہ چکاں ہو اور گُلِ دوزخ فشاں — آتشیں اک دور کا آغاز ہونا چاہیئے

ہاں بنا دو مدفنِ سرمایہ داریِ چمن — منتظرِ انجام کا آغاز ہونا چاہیئے

لامکاں کو پھاند کر ہم سانس لینگے باغباں — کیا کہا اندازۂ پرواز ہونا چاہیئے

جس سے کانپ اُٹھا تھا گلشن اور چیخ اُٹھے تھے پھول

پھر بغاوت کا وہی انداز ہونا چاہیئے

# غزل

ہر لمحہ اک تبسمِ شیریں ادا فریب ہر لحظہ اک ترنمِ رنگیں نوا فریب

ہر وقت وہ قصیدۂ عشق و وفا غلط نغموں پہ میرے حسن کا وہ جھومنا فریب

وہ چاندنی میں روز ترے قہقہے فضول تاریکیوں میں خندۂ انجم نما فریب

دھوکا مری نگاہِ محبت کا حسنِ شوخ عشوہ فریب، غمزہ و ناز و ادا فریب

دھوکے میں عمرِ عشق و محبت بسر ہوئی تو کیا کہ ہم نے دل کو دیے بارہا فریب

سب جذبۂ حصول کی تھیں خامکاریاں میری وفا فریب تھی تیری جفا فریب

ہستی تمام پرتوِ نورِ فریب ہے جلوہ فریب و صورتِ جلوہ نما فریب

سب جلوہ ہائے باطلِ حیرت اثر ہیں یہ آئینہ ساز و عکس غلط آئینا فریب

ساغر حدودِ منزلِ الفت سے بھی گزر

اے بیوقوف یہ بھی ہے احساس کا فریب

# رُوح کا شوالہ

## پٹ مندر کے کھول

پریم نگر سے آئی ہوں اسی پٹ مندر کے کھول

ہیرے موتی لائی ہوں اسی پٹ مندر کے کھول

وہ موتی ہیں تیج سے جنکی چندرماں چھپ جائے

وہ ہیرے ہیں جوت جنہوں کی سورج کو شرمائے

نین کا کانٹا ہے ان کو اس کانٹے میں تول

پٹ مندر کے کھول

صبح سویرے چھیڑا کس نے بھنی کا یہ راگ

آنکھ کھُلی ایسے میں میری یہ بھی میرے بھاگ

کوئل مور پپیہا شاما سب سوویں نر ناری

گہرے سپنے میں ڈوبی ہے سپنے کی متواری

سارا جگ مردہ ہے پجاری ہیرے موتی رول

پٹ مندر کے کھول

دور کہیں اک جھرنا گاوے سپنے کے سے راگ

لٹنے کو ہے دن کے ہاتھوں تاروں کا سہاگ

سکھیاں اپنے ہٹ میں لیٹیں کریں دلوں کی کھود

جمنا دھندلا درپن ہے اور پنگھٹ سونی گود

پنگھٹ پر ہر کوئی چپ ہے، گگری، گگری، ڈول

پٹ مندر کے کھول

دو نینن میں سو آنسو ہیں دیوانی کی بھینٹ

نین مرے ماٹی ہیں کیول بھینٹ ہے یہ ان میٹ

اُس مندر کے کھول ذرا پٹ جس میں ہیں گردھاری

وہ گردھاری جن پر ساری دنیا ہے بلہاری

کب سے میں چیخوں بیچاری سُن تو میرے بول

پٹ مندر کے کھول

جیون میرا رُوپ بدل کر بن جائے اِک ہار

اُن کے گلے کا ہار پُجاری میرا من سنگھار

مجھکو گلے یوں پڑتے دیکھیں دیویں وہ من ہار

گندھ جاویں اک ہار میں دونوں سنسار اور ساکار

تجھکو کیوں ہے عار پُجاری کچھ تو مُنھ سے بول

پٹ مندر کے کھول

جیون کیا ہے ایک رسیلا اور امر سنگیت

پریم نگر میں نہیں پُجاری مرجانے کی ریت

جھانجھ کی لَے پر دھرتی ناچے اور جھومے آکاس

تال پہ میرے گھنگرؤ کی ترلوک میں ہووے راس

میرے مدکے آگے پُجاری دُنیا کا کیا مول

پَٹ مندر کے کھول

میں پگلی اب جاؤں کدھر کو چھوٹے منھ سے بول

پٹ مندر کے کھول پجاری پٹ مندر کے کھول

جوبن اور جوبن کی مستی سب کچھ بھینٹ چڑھاؤں

جگ ڈھونڈے ہر یُگ میں مجھکو میں اُس میں کھو جاؤں

پاگل، کامی چنچل، پاپی مت ہو ڈانواں ڈول

پَٹ مندر کے کھول

# نغمہ سنجانِ چمن

## مصطفٰے کمال

اے کہ انسانیتِ کبریٰ کا اِک مظہر ہے تو
عہدِ موجودہ کا انسانِ ملک پیکر ہے تو

تیری تابش سے منوّر شمعِ ایوانِ وطن
سرزمینِ ترکیہ کا بے بہا گوہر ہے تو

قیصریت کے بتوں کو جس نے غارت کر دیا
سومناتِ ترک کا وہ بُت شکن قیصر ہے تو

اضطراب انگیز، محشر خیز اور افسانہ خیز
انقلابِ مشرق و مغرب کا اِک دفتر ہے تو

کی تجھے مقسوم قدرت نے حیاتِ جاوداں
چشمۂ جاوید پر سیرابِ سکندر ہے تو

ترک کو جس نے دکھایا ارتقا کا راستہ
وہ جواں قائد ہے تو وہ رہبرِ اکبر ہے تو

ہے سکاریہ کا ہر اک قطرۂ خونیں گواہ
ذوالفقارِ حیدری کا بہتریں جوہر ہے تو

ترک پر پھونکا ہے تو نے ایک افسونِ حیات  مغرب و مشرق کا حیرتناک جادوگر ہے تو
وہ ثمر نا ہو کہ انگورہ ہے تجھ سے نور بار  آسمانِ ترکیہ پر امن کا خاور ہے تو

تجھ سے حُریت کا میخانہ بہار انگیز ہے
تیری بیداری کا سارا فلسفہ پر خیز ہے

# کمالیّت

"اشتراکیت" کہ اک مذہب شکن معمار ہے  "قیصریت" جسکا ہر انداز فتنہ کار ہے
کر دیا دونوں کا تیری قوتوں نے انہدام  ترکیہ میں صرف اب جمہوریت بیدار ہے
اے کہ تو نے وہ نظامِ معتدل پیدا کیا  جو مساوات و محبت کا علم بردار ہے
امنِ انسانی کے اے سلجھے ہوئے پیغامبر!  حریت کا جسم ہے تو سید الاحرار ہے
قلبِ مشرق میں ترا نورِ محبت جلوہ ریز  دوشِ مغرب پر ترا گرزِ سیاست بار ہے
اے مفکر، اے مبصر، اے مدبر، اے کمال  ہر دسیسہ کار تیرے سامنے بیکار ہے

اتحادِ ایشیا کے اے علم بردارِ خاص — تیرے دم سے ترکیہ اک مہبطِ انوار رہی

مطلقاً تو روحِ ایوبی ہے لباسِ نو میں ہے — اک نئے پیکر میں تو اسلام کی تلوار رہی

چارہ ساز و دل نوازِ قوم اے نبّاضِ قوم! — "طبِ مغرب" تیری ہی تجویز سے بیمار رہی

غازیانِ رفتہ کا محبوب ہے، ممدوح ہے

عسکریت تیرے سنگیں بازوؤں کی روح ہے

کاش ہندستاں بھی تجھ سا اک جواں پیدا کرے — یہ زمیں بھی حریت کا آسماں پیدا کرے

ریت کے ٹیلوں پہ کب تک اصلِ رفعت کا گماں — وسعتِ صحرا کوئی کوہِ گراں پیدا کرے

زندگی جہد و عمل کی بجلیوں کا نام ہے — جسمِ بے جاں اپنے اندر نو جاں پیدا کرے

جادۂ تاریکِ ہستی سوز سے معمور ہے — کوئی ذرّہ پھر چمک کر بجلیاں پیدا کرے

فرض ہے نشترگہِ ہستی میں تجدیدِ حیات — دل کا ہر زخمِ کہن خونِ جواں پیدا کرے

اے اسیرِ باغ تعریفِ اسیری ہے یہی — بے پر و بالی قفس میں آشیاں پیدا کرے

گردشِ دوراں سے گلشن بادیہ ہونے کو ہے — خیر اسی میں ہے کہ صحرا بوستاں پیدا کرے

خاک کے آوارہ ذرّوں ہی میں ہے اک آفتاب
کارواں کاوش سے میرِ کارواں پیدا کرے

کب تک آخر موت کی سی خامشی اور انجمن
انجمن کی خامشی پھر داستاں پیدا کرے

نورِ آزادی سے روشن ہو چراغِ ہند بھی
طرّۂ فرقِ ثریّا ہو دماغِ ہند بھی

---

# محمد بنِ عبدالکریم خطّابی

اُٹھی اک موجِ بحرِ رُوم[۵۱] کے خاموش ساحل سے
ملیلہ[۵۲] کی مقیّد اور اک ویران منزل سے

وہ موجِ حُرّیت جو جزو ہے بحرِ شرافت کا
وہ موجِ قومیت جو ہے جوہر انساں کی فطرت کا

کبھی بکھرائی کیفیت میں دامانِ غمارہ[۵۳] سے
کبھی بڑھ کر گلے مل آئی امواجِ ربیعہ[۵۴] سے

کبھی سیلاب کی صورت فضائے ریف پہ چھائی
کنارِ آبنائے طارقِ اکبر کو چھو آئی

---

۵۱ بحیرۂ روم۔
۵۲ بحیرۂ روم کے ساحلی مقامات میں سے اک مقام۔
۵۳ ریف کا ایک پہاڑ۔
۵۴ ام الربیعہ۔ سرحد مراکش کے قریب ایک ندی۔

جو بڑھ کر مغربِ اقصیٰ کے بام و در سے ٹکرائی ۔۔۔ عبید[۵۱] و زیر[۵۲] کی خوابیدہ موجوں کو جگا آئی

جو دوڑی ملّتِ کہسار میں جانِ عمل بن کر

بلادِ مغربی پر چھائی طوفانِ عمل بن کر

نئے پیکر میں قدرت نے کیا پھر اک صقرؔ[۵۳] پیدا ۔۔۔ ہوا پھر طارقِ اعظم بہ اندازِ دگر پیدا

لرز اُٹھا تمام اسپین جسکے تند حملوں سے ۔۔۔ نیستانِ جلالت میں ہوا وہ شیرِ نر پیدا

وہ معمارِ وطن وہ حریت کا ایک جادوگر ۔۔۔ کہ ویرانوں میں جس نے کر دیے سو بام و در پیدا

قفس میں جس نے اک تاریخ آزادی مرتب کی ۔۔۔ نظر سے کر دیے چاروں طرف شاہیں جگر پیدا

ہوا ثابت تری تنویر سے اے شعلِ صحرا ۔۔۔ کہ خاکستر ہی کرتی ہے بالآخر اک شرر پیدا

کماں اَحدیر[۵۴] پر کیا بربروسا[۵۵] نے سنبھالی تھی

جو نقشہ تھا ہلالی تھا جو صورت تھی ہلالی تھی

---

۵۱ و ۵۲ مراکش کے قریب دو ندیاں ۱۲ ۵۳ عبدالرحمٰن داخل بادشاہِ اندلس کا لقب ۔ ۱۲

۵۴ ریف کا مجاہدِ جنگ ۔ ۱۲ ۵۵ خیرالدین پاشا باربروس ۔ ۱۲

یکایک اُمّتِ صیّاد نے آزاد کو گھیرا
تمام اہلِ قفس نے اک چمن آباد کو گھیرا

جو لیتا تھا کبھی دادِ شجاعت فاس[۵۱] و طنجہ[۵۲] پر
وہ اب نظریں اُٹھا سکتا نہ تھا اک حرف بیجا پر

مگر ہوتا ہے زنداں ہیں قوی ایمانِ آزادی
اسیری اصل میں ہے حاصلِ عرفانِ آزادی

صداقت اور آزادی کے جلوے یاد رہتے ہیں
مجاہد قید میں بھی شاد اور آزاد رہتے ہیں

زمانہ آئیگا جب ختم یہ جلّادیاں ہونگی
وطن آزاد ہوگا ہر طرف آزادیاں ہونگی

نہ ہوگا وہ تو اُسکی خاک کو افراد لائینگے
امیرِ کاروانِ مغرب اقصٰے بنائینگے

جنہیں روکے ہوئے اب تک عرب ہے اپنی غفلت سے
شمالی ساحلوں سے وہ سمندر پھوٹ نکلینگے

کنارِ ریف سے ہوگا طلوعِ صبحِ آزادی
بجیگا عشرتوں کی گود میں پھر بیط شادی

کہ روحیں طارق و داخل کی سرشندگی ہونگی
سفر کامیابی سے فضائیں جھومتی ہونگی

غرورِ اسلام کے نقشِ قدم پر سر جھکائیگا
پھر اسپین اپنے نورِ اوّلیں سے جگمگائیگا

---

۵۱ و ۵۲ ریف کے محاذاتِ جنگ۔ ۱۲

پھر اکدن خندہ زن شمعِ حرم ہو گی کلیسا پر شعاعیں آفتابِ امن کی پھیلینگی دنیا پر

عجب ہنگامۂ انوار ہوگا بزمِ انساں میں

بہارِ رفتہ پھر آجائیگی اُجڑے گلستاں میں

---

# گاندھی

تونے مغرب پر محقق کر دیا حقِ وطن باغباں سے کھولکر کہدی حدیثِ یاسمن

کامگارِ حرّیت اے شہریارِ حرّیت اے رئیسِ حرّیت اے تاجدارِ حرّیت

ہندیوں کے جذبۂ قومی کی اک صورت ہے تو چلتا پھرتا پرچمِ رنگینِ حرّیت ہے تو

رکھدیا قدرت نے کاندھے پر ترے بارِ وطن کرلیا تسلیم تجھکو سب نے سردارِ وطن

اے دماغِ ظلم پر اک ضربِ کاریٔ شدید مستبد دنیا کے سر پر ژالہ باریٔ شدید

کس قدر آزاد ہے کتنا بہادر دل ہے تو خود سروں میں ساعیِ آزادیٔ کامل ہے تو

محفلِ اغیار تیرے ذکر سے آباد ہے
بزمِ دشمن میں بھی تو آزاد سا آزاد ہے

خوب واقف اس حقیقت سے ہیں دیوانے ترے
بادۂ فطرت سے ہیں لبریز پیمانے ترے

وہ تاثر ہے ترے اک نعرۂ آزادی میں
زلزلہ آیا ہوا ہے قصرِ استبداد میں

دیکھئے مشرق کو کیا ملتا ہے مغرب سے خراج
کوئی زنجیرِ غلامی یا کوئی کانٹوں کا تاج

---

# اِمام الہند ابُوالکلام آزاد

وہ اک رخِ چمن افروز جانِ سوسن و لالا
وہ بلبل جس نے سارا باغ نغموں سے ہلا ڈالا

چمن والوں کو رحمت ہے پیامِ نوبہار اُسکا
تخیّل عرش بوس اُسکا تصور لالہ کار اُسکا

وہ اک کوہِ وقار و تمکنت اک بطلِ حریّت
وہ سازِ پیکرِ انساں میں اک آوازۂ قدرت

طلاقت جسکی خاموشی ہے غفلت جسکی بیداری
عیاں جسکے تکلّم سے خطابت کی فسوں کاری

تکلم جس پہ صدقے ہے ترنم جس پہ قرباں ہے
ستاروں اور پھولوں کا تبسم جس پہ قرباں ہے

نزاکت جس کی فطرت ہے لطافت جس کی فطرت ہے
مقدس ہر نفس جس کا نسیم باغِ جنت ہے

وہ سید جس نے تعمیرِ سیادت کی بنا ڈالی
وہ قائد جس نے توقیرِ قیادت کی بنا ڈالی

مفکر جس کی فکری قوتیں جانِ سیاست ہیں
مدبر جس کے محسوسات ایمانِ سیاست ہیں

زمانے میں وہ قربانی کی اک تصویر ہے زندہ
وہ چرخِ حریت کا اک ستارہ ہے درخشندہ

وہ مشہودِ حقیقت اور آزادی کا شاہد ہے
مفسر ہے، مقرر ہے، مدبر ہے، مجاہد ہے

وہ اِک ذاتِ مقدس جو مجسم علم و عرفاں ہے
حریم روح میں جس کے منور شمعِ ایماں ہے

وہ جس کا سینۂ اقدس امینِ رازِ یزدانی
وہ اک مواج بحرِ بیکرانِ علمِ قرآنی

وہ نائب ہے حقیقی علم کے افرادِ عالی کا
وہ اصلی جانشیں ہے آج رازی و غزالی کا

سیاست اور تاریخ و ادب کی ایک دنیا ہے
عطارد جس کے کلکِ گوہریں کو بوسہ دیتا ہے

وہ آزادِ حقیقی جس کو نفرت ہے نمائش سے
وہ روحِ معنوی جو دور ہے دنیا کی کاوش سے

وہ نباضِ حقیقی قوم کے امراضِ کہنہ کا
وہ اصلی رازداں حالات و احساساتِ دنیا کا

وہ ارضِ ہند میں واحد امامِ قومِ مسلم ہے — قوی ہاتھوں میں آج اس کے زمامِ قومِ مسلم ہے

نگہبانِ حقوقِ اُمّتِ اسلامیہ ہے وہ

امیرِ کاروانِ ملّتِ اسلامیہ ہے وہ

---

## سیّد محمود

اے نگہبانِ وطن اے مردِ میدانِ وطن — تیرے دم سے ہے بہاروں پر گلستانِ وطن

تو نے ثابت کر دیا ایمانِ مسلم کا جلال — تیرا استقلالِ سیرت لاکلام و لازوال

صاحبِ احساس ہے اک جسمِ حرّیت ہے تو — ہم تہی مایانِ ملّت کی بڑی دولت ہے تو

خفتہ بختوں کیلئے سامانِ بیداری ہے تو — خوابِ سرسیّد کا اک عنوانِ بیداری ہے تو

دل ترا ہندوستاں کے عشق سے لبریز ہے — روح میں اک آگ ہے اسلام کی اور تیز ہے

تجھ پہ جان و دل فدا ہستی فدا ہستی فدا — تجھ پہ ہم بیکس غلاموں کی یہ کُل ہستی فدا

آہ تیری ارجمندی کو پہنچ سکتا ہے کون؟
تیری روحانی بلندی کو پہنچ سکتا ہے کون؟

تیرا پیکر راہِ آزادی میں خاکستر ہوا
جھک جھکا کر مادّہ آئینہ جوہر ہوا

عندلیبانِ چمن میں تو ہے وہ بلبل خموش
جسکے دل میں ہے ازل سے جزنِ طوفانِ جوش

بارہا رکھ دیا ہے جس نے سینہ خار پر
خونِ دل سے رنگ دوڑایا ہے برگِ بار پر

ہاں مگر لب تک نہ آیا ادّعائے عشقِ گل
گو رہی سر میں جنوں افزا ہوائے عشقِ گل

اقتضائے سوزِ بلبل نغمہ سامانی نہیں
ذکر جس کا لب تک آجائے وہ قربانی نہیں

---

# جواہر لال

اے جواہر! اے بہارِ گلستانِ آریہ
ہے ترے پیکر میں کیا روحِ درونا جاریہ

اے کہ تو ہے گوہرِ جیبِ گریبانِ وطن
نور سے تیرے منور ہے شبستانِ وطن

بازوئے ارجن کی شکتی بھیم کی طاقت ہے تو ‏ ‏ ابھمنیو کے دلِ خوددار کی غیرت ہے تو

ساتکی کی طرح تو ہے مردِ میدانِ وفا ‏ ‏ تو نے رکھ لی ابھمنیو کی طرح شانِ وفا

سینۂ ہندی میں پھر تجدیدِ سازِ سوز ہے ‏ ‏ سوم دت کیا تیرے پیکر میں حیات افروز ہے

جس طرح سہدیو نے پشپک بجایا تھا کبھی ‏ ‏ جس طرح ارجن وغا میں گڑگڑایا تھا کبھی

تو بھی ہے ہندوستاں میں نغمہ خوانِ حریت ‏ ‏ زندہ باد اے شانِ آزادی جانِ حریت

بحر و بر لرزے میں ہیں کون و مکاں لرزے ہیں ‏ ‏ تیرے نغموں سے دلوں کے آسماں لرزے ہیں

تیرے نغمے گرم کرتے ہیں محبت کا لہو ‏ ‏ روپ میں انسان کے گوپال کی بنسی ہے تو

شاہکارِ صنعتِ بتخانۂ آذر ہے تو ‏ ‏ جذبۂ ایثار و قربانی کا اک پیکر ہے تو

جس کے دم سے ہے بہاروں پر شبابِ رنگ و بو ‏ ‏ ہند میں وہ عندلیبِ باغِ آزادی ہے تو

تیرے ہاتھوں میں کوئی دیدے جو ارجن کی کماں ‏ ‏ زندہ ہو جائے مہابھارت کی خونیں داستاں

پھر مدھوسودھن سا ہادی ہو ہدایت کیلئے ‏ ‏ پھر زمانہ ہو کمربستہ شہادت کے لئے

اے سراسر جوشِ آزادی مجسم انقلاب ‏ ‏ زندگی تیری ہے اک سنگین بغاوت کا شباب

سانس لیتا ہے ترے پیکر میں طوفاں کا شباب آندھیوں کی نوجوانی، زلزلوں کا پیچ و تاب

بے حقیقت ہے تری دنیا میں غم کا ماجرا موت ہے موجِ تبسّم، زندگی اک قہقہا

قیدو بندِ ظاہری ہے تیری فطرت تیری خو خود اسیری جس کی مجنوں ہے وہ زندانی ہے تو

آئینہ میرے تصوّر میں ہے مستقبل ترا لے اُڑیگا تجھکو آخر جذبۂ کامل ترا

کیفِ موسم سے فضائے گلستاں مجنوں یہ ہے جذبۂ آزادئ ہندوستاں موجوں پہ ہے

تیری ہستی اک نئے احساس کی تمہید ہے یاس کے عالم میں تو اک مرکزِ اُمّید ہے

جس قدر قطرے ہیں اُن قطروں کو پھر دریا کریں

آ کہ میخانے میں پھر ماحولِ نو پیدا کریں

---

# عبدالغفّار خاں

نہ کیوں روباہ خانوں میں ہو بیم شور و شر پیدا کہ نیستانِ افغاں میں ہوا اک شیر نر پیدا

بہشتِ انقلابِ نو سرِ گنجِ شہیداں ہے
تبسم غازیانِ رفتہ کے ہونٹھوں پہ رقصاں ہے

معطر بوئے نو سے ہو گیا گلخانہ حسرت
نئی مے ہے نیا ساقی، نیا میخانہ حسرت

حیات و حریت کی روح دوڑی کوہساروں میں
وہ آتش گرم لگادی آگ حسن نے برف زاروں میں

سراپائے رضا ہے وہ مجسم پیکرِ خوبی
ادائیں جسکی سجادی ہیں تیور جسکے ایوبی

حسینؑ ابنِ علیؑ کی شاہراہِ عشق کا راہی
ہے جسکے فقر کے ایوان کی لونڈی شہنشاہی

اسیری جسکی آزادی ہے آزادی اسیری ہے
امیری ہے فقیری اور فقیری جسکی میری ہے

جلالت عکس ہے اک جسکے اجلالِ فراواں کا
حکومت ایک سقفی آئینہ ہے جسکے ایواں کا

وہ روحِ شانِ آزادی ہے اور شایانِ آزادی
ہے اسکی مٹھیوں میں نقشۂ میدانِ آزادی

ندیم و پاسبانِ سرحدِ ہندوستاں ہے وہ
خدا رکھے مدبر، پاسبان و رازداں ہے وہ

**عدم میں کروٹیں لیتی ہے روحِ انقلاب ابھی**

**یہ عالم ہے تو آسکتا ہے خیبر پر شباب ابھی!**

# یادِ رفتگاں

## محمد علی

حجلۂ قدس بنا گوشۂ آرام ترا — تیرے آغاز سے بہتر ہوا انجام ترا

بن گئی مشرقِ جاوید تری صبحِ حیات — طنطنہ پھیل گیا ہند سے تا شام ترا

زندگی کرنے لگی رشک ترے مرنے پر — یوں ہوا عرصۂ کونین میں کہرام ترا

نازشِ گبر و مسلماں ہے ترا مشربِ خاص — حرم و دیر میں ہے مستند اسلام ترا

امتداد آئے مٹانے تو کبھی مٹ نہ سکے — نقش یوں صفحۂ گیتی پہ ہوا نام ترا

کجروی بھی تری آسودۂ منزل نکلی — کچھ زیاں کر نہ سکی گردشِ ایام ترا

ہم نشیں طائرِ سدرہ کی ہوئی روحِ لطیف — قصرِ کسریٰ سے سرفراز رہا بام ترا

جسمِ پاکت کہ از آلودگیِ خاک گزشت
دفن شُد زیرِ زمیں و ز سرِ افلاک گزشت

---

## عبدالقادر گرامی

مجھے زمانے کی کشمکش سے ترقیوں کا گِلا نہیں ہے
مجھے تمدن کی کاوشوں سے سکون کی التجا نہیں ہے

فروغِ نسرین و نسترن کی دعائیں کیوں اور کس سے مانگوں
میں جانتا ہوں کہ اس چمن کو دماغِ نشو و نما نہیں ہے

نہ جام میں ہے شرابِ شیراز ہی نہ بادۂ اصفہاں ہے باقی
میں اپنی حالت کو دیکھتا ہوں کہ کیف پورا ہوا نہیں ہے

جنہیں ضرورت قیام کی ہے انہیں قضا کھینچتی ہے پہلے
یہ شعبدہ زارِ ہستی ہے یہاں کسی کو بقا نہیں ہے

کہاں وہ نغمے کہ جن سے تکمیل تشنہ کامیِ روح کو ہو
کہاں اب ان مسرتوں کی ہستی جن سے دل آشنا نہیں ہے

میں دیکھتا ہوں کہ جب ہر اک طرف سے انسان پہ ہے طاری
میں جانتا ہوں مذاقِ فطرت ابھی مکمل ہوا نہیں ہے

ہر ایک ذرہ سے جلوۂ کیفِ دوش ہوتا ہے اے ہوس!
یہ خاکِ میخانۂ خمستاں ہے، نسخۂ کیمیا نہیں ہے

رہیگا کچھ روز دورِ چرخ اور گردشِ صبح و شام باقی

کہ ہے ابھی میرے ہاتھ میں بھی شکستہ سا ایک جام باقی

وہ واقفِ سرِّ زندگانی وہ عالمِ ہستی و عدم تھا — وہ ساقیِ بادۂ معانی وہ قاسمِ کیفِ جامِ جم تھا

وہ ماہرِ قدرتِ تکلُّم وہ شاعرِ محفلِ محبّت — جو اپنی ہستی کے سامنے خود عزیز تھا اور محترم تھا

وہ پردۂ غیب کا مغنّی وہ عرش کی سیر کرنے والا — وہ طائرِ گلشنِ ثریّا جسے فلک ایک ہی قدم تھا

تھی برہمن سے بھی اسکی یاری خلوص اسکا تھا شیخ سے بھی — کبھی پرستارِ بتکدہ تھا کبھی خرابِ غمِ حرم تھا

وہ اُس تخیل میں گُم ہوا ہے جو اُسکو واپس نہ لائیگا اب — اُسے تھی خود بھی یہی تمنّا کہ آشنائے مذاقِ رم تھا

رسائیِ فکر کیلئے ڈھونڈھ لیں حدیں ختم ہونے والی — وہ ایک قطرہ تھا مضطرب جسکے سامنے اک سوادِ یم تھا

نہ فکر اسکو تھی زندگی کی نہ موت کی اور نہ بیکسی کی — وہ ایک مستِ الستِ بقا اور بلند از ہر نشاط و غم تھا

کلیم کو خدشۂ فنا کیا اگر ہے اس کا کلام باقی

کہ شعریت زندگی کی بن کر رہیگا شاعر کا نام باقی



# موتی لال نہرو

کل کوئی کہتا تھا با صد نالہ و آہ و فغاں
دور ہے ہم سے بہت آزادیِ ہندوستاں

صید کیا صیاد کیا، ہے باغباں بلبل فروش
بلبلیں ہیں اِس چمن کی لالہ سوز و گل فروش

پھول اس گلشن کے ہیں پابند اور تارے غلام
چاند قیدی، آسماں قیدی ہے سیارے غلام

بادباں کو کیا کہوں، موجِ ہوا کو کیا کہوں؟
ناخدا دشمن سہی، لیکن خدا کو کیا کہوں؟

"صبح" ہے روشن جنازہ ہندی بیمار کا
رات کی تاریکیاں تابوت ہیں انوار کا

مندروں کو پھونک دے کیا پرارتھنا کیا آرتی
زندگی ناخوش ہے تجھ سے دیکھ اُدھر اے بھارتی!

اس پرستش کے غلو ہی نے مٹایا ہے تجھے
آسمانوں سے بلندی کے گرایا ہے تجھے

رام تو خود کیوں نہ بن اور خود کنہیا کیوں نہ ہو
زندگی کے بتکدے میں تیری پوجا کیوں نہ ہو

اے مسلماں! اے مجاہد! اے حقیقت کے امیں!
کب تک آخر سجدۂ بے روح اور تیری جبیں

"کیف" امرِ لازمی ہے عشق کے آداب میں
"حریت" ہے شرطِ اول زندگی کے باب میں

اب کہاں وہ سالکِ رفتہ وہ جذباتی کہاں ‏ ‏ ‏ ‏ میکدے میں اب وہ اگلے سے خراباتی کہاں

داس ہے اب نہ وہ جوہر ہے نہ موتی لال ہے ‏ ‏ ‏ ‏ میکشانِ حریت کا میکدہ میں کال ہے

آہ وہ موتی! کہ جس کی ضو سے روشن تھا وطن ‏ ‏ ‏ ‏ جس کی ہستی تھی صداقت کی شعاعوں کا چمن

فطرتِ تدبیر جسکی ہر ادا پہ لوٹ تھی ‏ ‏ ‏ ‏ عشرتِ تقدیر جسکی ہر ادا پر لوٹ تھی

جس کے سینہ میں امانت تھی بلند اخلاق کی ‏ ‏ ‏ ‏ جسکے دل میں تھی سمائی وسعتِ آفاق کی

وہ جواں جو خوش تھا قصرِ نوجوانی پھونک کر ‏ ‏ ‏ ‏ مسکراتا تھا متاعِ زندگانی پھونک کر

غم گدائے آستاں تھا عیش دربانِ حیات ‏ ‏ ‏ ‏ ہمسرِ چرخِ بریں تھا جس کا ایوانِ حیات

روح جس کی جذبۂ آزاد سے سرشار تھی ‏ ‏ ‏ ‏ زندگی میخانۂ احرار کی مے خوار تھی

خاک ہونے، خاک کرنے کیلئے تیار تھا ‏ ‏ ‏ ‏ آدمی کے بھیس میں برقِ سرِ کہسار تھا

ہے وطن شانوں پہ جسکے مثلِ اطلس آج بھی ‏ ‏ ‏ ‏ رہبری کرتی ہے جسکی روحِ اقدس آج بھی

گرم تھا دل جذبۂ عشقِ وطن کی آگ سے ‏ ‏ ‏ ‏ سازِ خود بے چین تھا سوزِ وفا کے راگ سے

جس نے اپنے صبرِ محکم سے یہ ثابت کردیا ‏ ‏ ‏ ‏ مرتے مرتے بھی نہیں جھکتا ہے سر آزاد کا

زندگی بازی ہے دنیا ایک بازی گاہ ہے — موت بھی آزادی کی منزل نہیں، راہ ہے

ہے جو اہر حسن کے مجمر کا اک سوزِ تمام — صبح جس سے آتش افگن ہے تو سوز آگیں ہے شام

اِک نوائے شعلہ ہے صد شعلۂ آوازہ ہے — جس کا "دل" آتشکدہ ہے "روح" مجمر ساز ہے

ذوقِ بربادی ملا، آفاق ایجادی ملی — دستِ قدرت سے جسے توریثِ آزادی ملی

مرکزِ صد آرزو، گہوارۂ اُمید ہے — اسکی ہر موجِ تبسم، ہندیوں کی عید ہے

آئیگا اے دوست! اک وہ بھی زمانہ آئیگا — یہ سیہ دارِ غلامی خود بخود گر جائیگا

چرخ کو چومے گا آزادی کا مندر ایکدن — دیوتاؤں کے بھی یاں جھک جائیں گے سر ایکدن

بُت نئے ہونگے، نیا بُت خانہ، بُتگر بھی نئے — آستاں ہوگا نیا، سجدے نئے، سر بھی نئے

عظمت و اقبال ہونگے خاکروبِ آستاں — وقت ہوگا مجرئی دیگا سلامی آسماں

پھر صبا لیکر پیامِ زرنگار آجائیگی — ایشیا کے گلستاں میں پھر بہار آجائیگی

بادیہ صد رشکِ صحنِ بوستاں ہو جائیگا — نوجواں ہندوستاں، بالکل جواں ہو جائیگا

دبدبہ اپنا جہاں کو تھرتھرا دیگا کبھی — طنطنہ اپنا زمانے کو ہلا دے گا کبھی

# تصدّق احمد خان شروانی

افتخارِ ہند اور اے فخرِ شرواں ہائے ہائے
ذرہ ذرہ ہے تری فرقت میں گریاں ہائے ہائے

عشق ہے نالہ کناں و حسن گریاں ہائے ہائے
دیکھ اٹھکر یہ بہارِ برق و باراں ہائے ہائے

پھوٹ کر روتی ہے ہر دیوارِ زنداں ہائے ہائے
کون آئیگا یہاں اب پا بجولاں ہائے ہائے

نغمۂ آزادیِ ہندوستاں گائیگا کون؟
کون ہوگا میری خلوت میں غزلخواں ہائے ہائے

طوطیِ باغِ محبت بلبلِ بستانِ شوق
گل فشان و گل چکان و گل بداماں ہائے ہائے

پختہ جاں پختہ نظر پختہ اثر پختہ خیال
پختہ دل پختہ جنون و پختہ ساماں ہائے ہائے

یوں بھی ہوتی ہے شہادت مردِ مومن کو نصیب
ہے جلو میں ہر قدم پر کفر و ایماں ہائے ہائے

زندگی تیری جہادِ مستقل تھی اے شہید!
موت ہے صد عظمتِ گنجِ شہیداں ہائے ہائے

زخم ابھی جوہر[1] کا تازہ تھا کہ اے جانِ وطن
ہوگیا ہندوستاں پر تو بھی قرباں ہائے ہائے

---

[1] فدائے وطن محمد علی جوہر۔ ۱۲

مادرِ ہندوستاں کی بے کسی تو دیکھئے! ایک سینہ اور سَو داغِ عزیزاں ہائے ہائے

تجھکو آزادی نے آزادِ دو عالم کر دیا اے بعید از گوشۂ ملکِ غلاماں ہائے ہائے

مرتے مرتے تیرے لب پر تھا پیامِ اتحاد ہائے اے دیوانۂ توحیدِ انساں ہائے ہائے

آہ! تیرے مذہبِ آزاد کو سمجھے گا کون؟ تیرا مذہب تھا بلند از کفر و ایماں ہائے ہائے

اُٹھ کے پھر دستِ جنوں کو فرصتِ اعجاز دے منتظر ہے اب بھی ظالم کا گریباں ہائے ہائے

اے تصدق ہے اُسی مٹی سے میرا بھی خمیر جس نے بخشا تھا تجھے اک آبِ حیواں ہائے ہائے

مجھ میں بھی ہے اک جنونِ فتنہ ساماں غم نہ کر

چاک کر ڈالوں گا ظالم کا گریباں غم نہ کر

غم نہ کر اے نوبہارِ باغِ رضواں غم نہ کر ایکدن آزاد ہو جائیگا بُستاں غم نہ کر

ہے قفس اپنے تخیّل ہی کا سنگیں سومنات ہے دلِ محمود پر یہ رازِ عریاں غم نہ کر

میرے حصے میں بھی آئی ہے وہ میراثِ جنوں جو سرِ بازار لٹوائیگی داماں غم نہ کر

فطرتِ سودا میں ہیں ذوقِ نمو کی بجلیاں دھجیاں ہو جائیگا خود ہی گریباں غم نہ کر

رُخ کمندِ عشق کا بے لاگ ہونا چاہیے　　صید ہو جائینگے اِک دن کفر و ایماں غم نہ کر

گرمیٔ خونِ دلِ دیوانہ ہے مانیٔ مزاج　　کھل اُٹھیگی خود بخود دیوارِ زنداں غم نہ کر

وہ بھی دن آنے کو ہیں اے ہم جلیسِ قدسیاں　　میں نہ جاؤنگا مگر چینچیگا زنداں غم نہ کر

آج میں ہوں اور زلیخا کے غلامی اے عزیز!　　کل یہ ہوگا اور مجھ یوسف کا داماں غم نہ کر

خود بخود چھلکیگا فرطِ شوق سے تیرا لہو!　　جب کبھی کھینچی گئی تصویرِ زنداں غم نہ کر

ظالموں کے قلب ہونگے اور پیکانِ وطن

کھل اُٹھیگا خون کے چھینٹوں سے امانِ وطن

---

# محمد صادقؒ

عمر بھر ذوق ولا سے جو وفا کوش ہوئے — آج وہ فرضِ محبت سے سبکدوش ہوئے

غالبِ حال تھا جذبہ جو فدائیت کا — آخرِ کار شہادت سے ہم آغوش ہوئے

زندگی دلقِ ریاضت میں گزاری لیکن — حُلۂ گور میں جب آئے تو گل پوش ہوئے

"دادخواہے بجہاں حسرتِ بسمل باقیست

قطرۂ خوں بسرِ دامنِ قاتل باقیست"



لہ خسرِ حضرت خواجہ حسن نظامی - ۱۲

# ساغرستان

# غزلیات

## (... سے ۱۹۳۳ء تک)

## گیارھواں باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُنا مغنّی مجھے وہ نغمہ کہ جُھوم جائے شباب تیرا
اگر ذرا بھی کیا تکلّف تو چھین لونگا رباب تیرا

غرور کر نغمہ ریزیوں پر مگر مغنّی یقین فرما
وہیں بنا ہے یہ سازِ دل بھی جہاں بنا ہے رباب تیرا

صبیح کلیوں میں میں نے سونگھی ترے تبسم کی بوئے نازک
عمیق چشموں سے میں نے دیکھا اُبل رہا ہے شباب تیرا

بلند ہر بند و بست سے تھی حدود میں تیری خوابگہ کی
وہ اک نگاہِ خیال میری جو لوٹ لائی حجاب تیرا

نہ میری آنکھیں سکوں تماشا نہ تیرے جلوے قرار فرما
ہیں ایک سی کشمکش میں دونوں نگاہ میری شباب تیرا

"جنونِ ہنگامہ" میری آہیں "فسادِ عریاں" تری نگاہیں
تباہیٔ کائنات ٹھہری مری جوانی شباب تیرا

لبوں سے مَس کر کے تو نے ساقی کیا تھا لبریز جو ازل میں
نظر میں اب تک چھلک رہا ہے وہ ایک جامِ شراب تیرا

حساب کی فرصتیں کسے ہیں مگر یہ دنیا کا فیصلہ ہے
وفا جو ہو بے حساب میری ستم جو ہو بے حساب تیرا

یہ تیری روشن نگاہیاں ہیں کہ رات بجلی بنی ہوئی ہے
لطیف پردوں میں سونے والے چمک رہا ہے شباب تیرا

پہاڑ تمکین کے کھڑے ہیں حیا کے چشمے چھلک رہے ہیں
عجیب دلچسپ منظروں سے گزر رہا ہے شباب تیرا

کچھ اس متانت سے جھوم کر چل کہ ٹوٹ جائے نظامِ گلشن
شگفتگی بن کے پھوٹ نکلے کلی کلی سے شباب تیرا

یہ تیری ساغرؔ سیاہ مستی یہ حسن کیشی یہ مے پرستی
کہیں نہ دنیا تباہ کر دے مذاقِ خانہ خراب تیرا

دینے مجھے پیغام تری جلوہ گری کا — جھونکا ابھی آیا ہے نسیم سحری کا
آوارگیِ عشق کی حسرت کا بھلا ہو — مقصد ہی نہیں کچھ مری دریوزہ گری کا
ہر ذرّۂ بے قدر تری راہ گزر میں — ہے نقطۂ آخر مری عالی نظری کا
کہتے ہیں جسے موت سب اہلِ دہر میں ساغرؔ
دھندلا سا تخیّل ہے مری بے خبری کا

دل میں لے روحِ بیتاب اِک حشر آواز اُٹھا — عشق کا کوئی سوز سنا او متوالی ساز اُٹھا
اوّل و آخر کی پروا عشق میں پوری وحشت ہے — یا فکرِ انجام نہ کر یا قیدِ آغاز اُٹھا
روح سے گویا دل ساغرؔ سوز آبادِ ترنّم تھا
آتشِ محفل سرد ہوئی جب محفل سے ساز اُٹھا

عشق ہنگامہ فروش و حسن ہنگامہ نواز — رنگِ محفل مانعِ نظّارۂ محفل ہوا

نصف قطرہ خونِ حسرت کا بنا دنیائے عشق — قطرۂ باقی سوادِ جلوہ گاہِ دل ہوا

ڈوب کر اُبھری پھر آئی لاش دوشِ موج پر — ناخدا مژدہ کہ میں آسودۂ ساحل ہوا

سامنے آتے ہی اُنکے آنکھ پُرنم ہوگئی — جانے کیا دیکھا کہ ضبطِ آرزو مشکل ہوا

---

یہ محفل میں کس نے مدھر گیت گایا — سنبھالو سنبھالو مجھے وجد آیا

سیہ خانۂ غم میں یہ کون آیا — زمیں مسکرائی فلک جگمگایا

بڑی بھول کی حُسن سے دل لگایا — دوانے یہ ہے ایک سپنے کی مایا

مجھے دیکے دعوت اُنہیں بھی بُلایا — الٰہی چمن پر گھٹاؤں کا سایا

محبت میں ہم پر یہ کیا وقت آیا — نظر بھی پرائی ہے دل بھی پرایا

محبت میں سود و زیاں کی نہ پوچھو — بہت ہم نے کھویا بہت ہم نے پایا

ادائیں تری کوئی سمجھا نہ سمجھے — ہنسا کر رُلایا، رُلا کر ہنسایا

نہ میں ہوں نہ وہ ہیں نہ دین اور دُنیا — جنونِ محبت کہاں کھینچ لایا

غزل میری ساغر وہ نغمہ ہے جسکو

جوانی نے لکھا محبت نے گایا

جو تیرے لب پہ باندازِ مطربانہ ملا — زبانِ طائرِ سدرہ پہ وہ ترانہ ملا

ہر ایک سانس پہ کرنے پڑے مجھے سجدے — قدم قدم پہ تمہارا ہی آستانہ ملا

قفس کے بعد ہم آزادِ ہست و بود رہے — نہ آشیانے کو ڈھونڈا نہ آشیانہ ملا

جو ساری رات مرتب کیا ستاروں نے

دمِ سحر ورقِ گل پہ وہ فسانہ ملا

بُری طرح مری تردامنی ہوئی محجوب — نظر اُٹھا کے جو دیکھا تو آفتاب نہ تھا

جہاں پڑی وہیں اک چوٹ کھا کے بیٹھ گئی — مری نگاہ کو اندازۂ شباب نہ تھا

ترے فراق کے جاگے ہوئے تھے کیا سوتے — ہماری قبر کا سبزہ بھی محوِ خواب نہ تھا

حسن آب و رنگ میں چاہا اُسی میں دیکھ لیا!

اِک اعتبارِ نظر تھا ترا شباب نہ تھا

میں نے جو کبھی دل سے اک سجدہ کیا ہوتا کعبہ مری عظمت پہ سجدے میں گرا ہوتا

کیوں وک دیا تم نے آنکھوں کے اشاروں سے دلچسپ افسانہ کہنے تو دیا ہوتا

یہ آنسوؤں کی بارش اور جوشِ تصوّر میں اے ڈوبی ہوئی آنکھو! میں ڈوب گیا ہوتا

تو نے جسے اے ظالم تلووں سے مسل ڈالا شاید یہی اِک آنسو تاریخِ وفا ہوتا

مارا مجھے اے ساغرؔ فطرت کی عنایت نے

یا وہ نہ ملے ہوتے یا دل نہ ملا ہوتا

انتخابِ جمال نے مارا جلوۂ خال خال نے مارا

قربتِ حسن کو ترستا ہوں دُور کی دیکھ بھال نے مارا

پُرسشِ حال کا گلہ معلوم کوششِ عرضِ حال نے مارا

رہ گزر میں کہاں بچئے ہستیٔ پائمال نے مارا

کیا ہو عزمِ گناہ اے ساغرؔ

روز کے انفعال نے مارا

زینتِ دستِ حسیں رونقِ محفل ہوتا	تم نے جس پھول کو توڑا وہ مرا دل ہوتا
کثرتِ کشمکشِ شوق نے روکا مجھکو	ورنہ ابتک میں کبھی کا سرِ منزل ہوتا
نہ تم اُٹھکر مری آغوش سے رسوا ہوتے	نہ مرتب یہ فسانہ نہ سرِ محفل ہوتا
ناخدا کی روشِ فکر نے مارا ورنہ	غرق ہوتا میں جہاں پر وہیں ساحل ہوتا

کھل گئے بزم پہ اسرارِ محبت ساغر
اور کیا محویتِ دید سے حاصل ہوتا

کیوں گرفتار مجھے لے مرے صیاد کیا	اور بھی فطرتِ آزاد کو آزاد کیا
یہ تری بزم کا انداز یہ نظروں کا فریب	ہر غم اندوز یہ سمجھا کہ مجھے شاد کیا
اللہ اللہ رے تری بزم کی عاشق طلبی	ہر نفس پر میں یہ سمجھا کہ مجھے یاد کیا
دل کی بربادی کا غم کیوں ہو حقیقت یہ ہے	غم نے آباد کیا غم ہی نے برباد کیا
میں کہ تھا روحِ قفس جانِ قفس شانِ قفس	کس کمی پر مجھے صیاد نے آزاد کیا
غنچے نے نکہت و شبنم نے شمیم و گُل نے	سارے گلشن نے تجھے وقتِ سحر یاد کیا

میری پروازِ بہاریں جو چمن میں دیکھی　　باغباں چیخ اُٹھا کیوں اسے آزاد کیا

نہ ملا نام کو ایجادِ محبت کا جواب　　عمر بھر تجزیۂ عالمِ ایجاد کیا

قیدِ ہستی بھی ہے فطرت کی غلامی ساؔغر
کاش یہ حکم سُنوں جا تجھے آزاد کیا

جلوۂ ماہتاب نے لُوٹا　　تیرے اندازِ خواب نے لُوٹا

روئے سیمیں نقاب نے لُوٹا　　ملحدانہ کتاب نے لُوٹا

عشقِ خانہ خراب نے مارا　　حُسنِ رنگیں نقاب نے لُوٹا

بے حجابی کے سب تِنکار ہوئے　　ہم کو تیرے حجاب نے لُوٹا

عافیت تیرے احترازمیں تھی　　عدمِ اجتناب نے لُوٹا

زہد اُن پہ لُٹا دیا ساؔغر
جو بچا وہ شراب نے لُوٹا

اُن کے ہونٹھوں پہ تبسم ہی نہایت بے حجاب　　ہو گیا شاید مرا حالِ تباہی کامیاب

یہ مری مایوسیاں اور اِس قدر ہنگامہ خیز
یہ مری ناکامیاں یارب ذرا اتنی کامیاب

میں اُس اک لمحہ کو عمرِ جاوداں سمجھا کیا
جس میں آیا اور رخصت ہو گیا عہدِ شباب

---

پتہ منزل کا اب کے ڈھونڈتا ہے آسماں ہو کر
میں پھر انگڑائی لیتا ہوں غبارِ کارواں ہو کر

ابھی سے تنگدل ہے کیوں زمانہ بدگماں ہو کر
مجھے تو پھیلنا ہے زندگی کی داستاں ہو کر

مجھے اُٹھنا ہے اِس آتشکدے سے سرگراں ہو کر
حوادث نے بجھایا بھی تو پھیلوں گا دھواں ہو کر

غمِ امروز پر کیوں نذر کردوں عشرتِ فردا
بہاروں کا مٹا دوں کیف مغمومِ خزاں ہو کر

مزہ ملتا تھا مجھکو زندگی میں دردِ الفت کا
رہے تھے کچھ دنوں وہ شاملِ رگ ہائے جاں ہو کر

اِسی شیرازۂ برہم سے پھر تعمیرِ نو ہو گی
یہی ذرّے کبھی سورج بنینگے رائگاں ہو کر

وہ معراجِ ترقی کیا جو رفعت سے میسّر ہو
اُبھرنا تو اُسی کا ہے جو اُبھرے بےنشاں ہو کر

بسیرے کے لئے کیا نخلِ طوبےٰ مل نہیں سکتا
نظر کیوں رہ گئی محدودِ شاخِ آشیاں ہو کر

زمانے میں رہے کچھ یادگار اے فطرتِ فانی
اگر مٹنا مقدر ہے تو مٹ جا آسماں ہو کر

مری مٹی میں قدوسی شرافت ہے مگر ساغرؔ
لڑوں کیوں آسماں سے خانہ زادِ آسماں ہو کر

ق

کہاں جاتے ہیں اے ساغرؔ ذرا دل سے جُدا ہو کر — مرے حیرت کدے میں رہ گئے ہیں آئینا ہو کر
لبوں پر مُسکراہٹ انکھڑیوں میں شوق کی مستی — جوانی اور محبت کا مجسم میکدا ہو کر
نگاہوں سے ہویدا تو گرفتاری کی کچھ شانیں — محبت کے مصائب میں یکایک مُبتلا ہو کر
نظر سے مجھ پہ مٹ جانے کی لاکھوں حسرتیں پیدا — سراپا آرزو بنکر مجسم التجا ہو کر
جبیں پر سرخ ٹیکا دوش پر بکھرے ہوئے گیسو — شرت کا چاند بن کر اور ساون کی گھٹا ہو کر

کہاں ہے عشق، ظالم عشق، کمسن عشقِ بے پروا؟
یہ ظلمِ ناروا، اور حُسن پر! اِک دیوتا ہو کر!

چھپینگے وہ کہاں تک مجھ سے محجوبِ حیا ہو کر — کسی دن سامنے آجاؤنگا میں آئینا ہو کر
ملا یہ اُن کے جلووں پر فدا ہو کر فنا ہو کر — نظر میں بجلیوں کا سا تماشا رہ گیا ہو کر
خود اپنا رہنما ہو کر خود اپنا ناخدا ہو کر — میں جا پہنچا سرِ منزل غبارِ زیرِ پا ہو کر

مری پابندیِ اُلفت پہ یوں طعنے نہ دے مجھکو
تمام آزادیاں حاصل ہوئیں ہیں مبتلا ہوکر

فراق اک نام ہے الفت کی تعبیرِ خیالی کا
وہ جاتے ہیں مگر دل سے نہیں جاتے جُدا ہوکر

نگاہیں تو اُٹھاؤ کب تک آخر یہ حیا کوشی
مجھے بالکل ہی کھو دوگے پشیمانِ جفا ہوکر

عدم کے گوشۂ محفوظ سے بھی کھینچ لاؤنگا
کہاں جاکر چھپوگے میری دُنیا سے جُدا ہوکر

قفس ہی میں اُٹھالاؤ گلستان و نشیمن کو
یہیں آخر ہمیں اک دن پھر آنا ہے رہا ہوکر

مری موجیں، مری کشتی، مرا دریا، مرا طوفاں
پہنچ جاؤں گا ساحل تک خود اپنا ناخدا ہوکر

مکاں سے لامکاں پھر ماورائے لامکاں پہنچا
زمیں پر کیوں ٹھہرتا میں تمہاری خاکِ پا ہوکر

خدا حافظ ہے اب موجوں کا دریا کا تلاطم کا
کہ میں داخل ہوں کشتی میں مزاجِ ناخدا ہوکر

ہمارا نغمۂ جانِ حزیں کچھ بھی نہ تھا ساغر
مگر گونجا یہی اک عمر تک بانگِ درا ہوکر

حُسنِ صبیح ہے ترا یاسمن و سمن فروز
آتشِ گلستاں ہے تو تیری ضیا چمن فروز

آپ کا پرتوِ جمال شعلۂ بزمِ حسن ہے
آپ فروغِ شمع ہیں، شمع ہے انجمن فروز

سوزشِ عشق نے دیا خوب چراغِ تیرگی　　داغِ دلِ حزیں ہوا زیرِ لحد کفن فروز
رنگ لئے صبا چلی آتشِ گُل بھڑک اٹھی　　آگ بہار سے لگی پھول ہوئے چمن فروز

---

تیری نگاہِ ناز ہے بزم میں نشتر فروش　　آئینے ہیں شکستہ دل اور ہے شمع سر فروش
ختم ہوئی متاعِ نور آئیں کلیم کیا ضرور　　بند ہوئی دکانِ طور کوئی نہیں شرر فروش
لطفِ خلش ہو ختم کیوں زخمِ جگر کو چھیڑ دوں　　نشترِ غم خرید لوں ہے کوئی نیشتر فروش
مول لیا ہے دردِ دل ذوقِ نگاہ بیچ کر　　جلوہ سرائے حسن میں میں ہی تو ہوں نظر فروش
سب کو ہیں خدمتیں سپرد بارگہِ بہار میں　　موجِ صبا ہے گل فروش ابرِ چمن گہر فروش
نقدِ دعا کے زعم میں جانے لگی فغاں کہاں　　کہہ دو کہ بامِ عرش پر کوئی نہیں اثر فروش
تیرا شبابِ خودنما خالقِ صبح و شام ہے　　زلف تری شب آفریں تیری جبیں سحر فروش

ساغرِ کشتۂ جفا خلق میں نام کر گیا
معرکۂ وفا میں پھر کوئی ہوا نہ سر فروش

مجھے ذوقِ تماشا ہے حدودِ دیر و حرماں تک
مری سیرِ نظر محدود ہے خوابِ پریشاں تک

نہ پوچھو وسعتِ جذباتِ وحشت مختصر یہ ہے
ہزاروں کوس کا چکر ہے دامن سے گریباں تک

ہجومِ جلوہ سے پیدا تھے لاکھوں حشر رستے میں
نگاہیں کیا پہنچتیں اُن کی بزمِ فتنہ ساماں تک

کوئی ایسا بھی کانٹا ہے مری قبرِ شکستہ پر
سلامِ شوق لے جائے بہارِ گل بداماں تک

ابھی ٹھہرو کہ ہے نظارۂ دامانِ تر باقی
ابھی تو چار آنسو آئے ہیں چاکِ گریباں تک

محبت کس کو لے آئی خراب آبادِ عبرت میں
لرز اُٹھے مری تربت کے ذرّات پریشاں تک

فضائے نے سے نغمے پھوٹ نکلینگے محبت کے
ربابِ دل کی آوازیں پہنچنے دو نیستاں تک

مری تنہائیوں کی خوف سامانی ارے توبہ
کہ پروانے نہیں آتے چراغِ شامِ ہجراں تک

چمن سے وہ تبسم ریز ادائیں ساتھ لائے ہیں
کھلی کلیوں کا عالم ہے مرے گھر سے گلستاں تک

مرے مٹتے ہی مٹ جائینگی شانیں حسنِ برہم کی
تری زلفوں کے چرچے ہیں مرے حالِ پریشاں تک

---

ہُشیار ہو اے فطرت برباد رہوں کب تک
آخر دلِ آوارہ مائل بہ جنوں کب تک

سیلابِ تبسم سے درمانِ جراحت کر — ٹکڑے دلِ بسمل کے آلودۂ خوں کب تک

ہر سانس سے پیدا ہے اک عالمِ نو دل میں — دنیا مری حسرت کی یوں بوقلموں کب تک

دم وقت پہ نکلے گا عشرت ہو کہ فرقت ہو — جینا تو بجا لیکن مر مر کے جیوں کب تک

فریاد کو سب دل کی تسکین تو کہتے ہیں — یہ کوئی نہیں کہتا فریاد کروں کب تک

ساغر مری مینوشی مجبورِ تفکر ہے!

آخر نہ پیوں کب تک پھر یہ کہ پیوں کب تک؟

میں تری یاد میں ہوں صبحِ ازل سے بیکل — مختصر تذکرۂ غم بھی ہے اک طولِ عمل

نہ تردد، نہ تفکر، نہ جہنم، نہ عذاب — کس فضا میں لیے پھرتا ہے مرا حسنِ عمل

رنگ ہے جزوِ غلط عالمِ بے رنگی کا — اسے کیا کہیے جو سمجھا مجھے نقشِ مہمل

میری خودداریٔ احساس، الٰہی توبہ — خود ہی رہگیرِ شبِ تار ہوں خود ہی مشعل

---

جانِ ہر کاشانہ ہم سامانِ ہر ویرانہ ہم — ہم ہیں بزم آرائے ہستی اے دلِ دیوانہ ہم!

توڑ دیں گر عینِ مستی میں اک پیمانہ ہم — از سرِ نو ڈال دیں بنیادِ صد میخانہ ہم

ہو نہیں سکتے اسیرِ کعبہ و بتخانہ ہم — ہیں براہِ راست محوِ جلوۂ جانانہ ہم

مر ہی جائیں گر خبر پائیں کہ تو آنے کو ہے — خون سے اپنے کریں روشن چراغِ خانہ ہم

شمع بھی سنتی رہی پروانے بھی سنتے رہے — اور وہ سوتے رہے کہتے رہے افسانہ ہم

اپنی محفل میں نہ طعنِ بے زبانی دے ہمیں — وقت آئیگا تو کہدینگے ترا افسانہ ہم

کب تک آخر جرعہ جرعہ قطرہ قطرہ ساقیا — لا اُلٹ لیں آج پیمانے میں کل میخانہ ہم

عینِ مستی میں اے ساقی اگر انگڑائی لیں — عرش پر رکھدیں اُٹھا کر ساغر و پیمانہ ہم

سر نہیں اُٹھتا ہے ساغرؔ پائے ساقی سے کبھی

پھر بھی ہیں ناقابلِ یک سجدۂ میخانہ ہم

لوٹ کر نیند لے گیا میری — نرگسِ نیم خواب کا عالم

کھلے پھولوں میں صبح کا منظر — بند کلیوں میں خواب کا عالم

وہ تبسم کی چاندنی ساغرؔ — وہ شبِ ماہتاب کا عالم

شوق بیکار و جذبِ دل ناکام	ہیں یہی خود اپنے عشق کا انجام

آہ وہ صبح اور ہائے وہ شام	جب ترا عشق تھا نشاط انجام

اُس کو کیا بھیجئے کوئی پیغام	دل میں بھی لے سکیں نہ جسکا نام

شعلہ اُٹھ اُٹھ کے نغمہ گاتا ہے	زندگی سر بسر ہے سوزِ تمام

عصمتِ حُسن اے معاذ اللہ	بھولنا چاہتا ہوں تیرا نام

تیری نظروں نے کر دیا کامل

ورنہ ساغرؔ تھا ایک شاعرِ خام

اللہ اللہ یہ میکدے کا نظام	مقتدی ہے کوئی نہ کوئی امام

جام پر لب ہے لب پہ تیرا نام	روز و شب، شام و صبح، صبح و شام

ہے یہ دنیائے عاشقی کا نظام	مرگ آغاز، زندگی انجام

دلِ نازک امینِ سوزِ تمام	عشق فطرت کا آتشیں پیغام

ہے مآلِ جفا، وفا انجام	عشق آزاد اور حُسن غلام

ماسوا کا بھلا یہاں کیا کام　　کعبۂ عشق میں ہے حسن امام

ان کا جلوہ نشاطِ ہستی و کیف　　موج در موج، اور جام بہ جام

گردشِ روزگار بھی ہے شہید　　صرف میں ہی نہیں قتیلِ خرام

جس پہ قربان کُل جہانِ نیاز　　ہاں ذرا مسکرا کے پھر وہ سلام

میں خود اپنے خیال سے آزاد　　تو اسیرِ غمِ حلال و حرام

اب کہاں نورِ قشقۂ رنگیں　　اب کہاں جلوہ ہائے ماہِ تمام

زندہ رہنا ہے اِک جہادِ عظیم　　خودکشی ہجر میں ہے جذبۂ خام

مر کے بھی ہم دکھائے دیتے ہیں　　پھر نہ دینا ہمیں کوئی الزام

مر گیا بُتکدے میں ساغرؔ آج

وہ مُریدِ تبسّمِ اصنام

جلوۂ صبح ریز ہے شامِ چمن طراز میں　　جاگ رہی ہیں نکہتیں پھول ہیں خواب ناز میں

لغزشِ شوق دیکھئے حُسن کی بزمِ ناز میں　　غیر کے پاؤں پڑ گیا بیخودیٔ نیاز میں

وضع کی پاسداریاں شوق کی غم گساریاں — عشرتِ غزنوی کہاں غم کدۂ ایاز میں

حسرتِ دید چھوڑ دوں میں بھی کوئی کلیم ہوں — جان پہ کھیل جاؤنگا معرکۂ نیاز میں

درد کی برق پاشیاں آہ کی دل خراشیاں — ہونے لگیں تلاشیاں پردہ سرائے راز میں

ربط نے بوئے گل کے ساتھ کھینچ لی روحِ عندلیب — چونک پڑی کلی کلی دامنِ عطر ساز میں

اے مرے ذوقِ بیخودی اب تو یہی بات بن گئی — بے خبروں کی مانگ ہے دشتِ جنوں طراز میں

تیری نگاہِ مست نے دعوتِ جذبِ ہوش دی — جب سے تری نظر لگی جی نہ لگا نماز میں

مستِ سرورِ عشق ہے سرخوشِ کیفِ حسن ہے
جذبۂ مے کشی کہاں ساغرِ "پاکباز" میں!؟

کشتگانِ نگہِ ناز کو رسوا نہ کریں — دیکھنے والوں سے کہدو کہ تماشا نہ کریں

حشر والے مرے جذبات کا چرچا نہ کریں — حسن کو منفعلِ وعدۂ فردا نہ کریں

حسن آمادۂ پرسش ہے باندازۂ غم — کاش ہم آج بھی اظہارِ تمنا نہ کریں

ہجر مہلک ہی سہی وصل کی راحت معلوم — کاش ہم یہ بھی محبت میں گوارا نہ کریں

آنکھ نے سیکھ لیا ہی عملِ جذبِ جمال
آپ اب طور پہ آنے کا ارادا نہ کریں

نیچی نظروں سے گزر جائیں گزرنے والے
دل کی ٹھہری ہوئی دنیا تہ و بالا نہ کریں

قدرتِ حسن میں ہے جزر و سکونِ جذبات
آپ امید سے ڈرتے ہیں تو پیدا نہ کریں

کیوں خموشی میں کٹے لمحۂ بربادیٔ دل
اتنی فرصت میں مرتّب نئی دُنیا نہ کریں

عہدِ ساغر میں یہ فرمان ہے تقدیسِ سُرور
لوگ بے حرمتیٔ ساغر و مینا نہ کریں!

نغمۂ حسن نہیں درد کی آواز نہیں
کیا قیامت میں کوئی انجمنِ ناز نہیں؟

رقص میں برق ہی مدّت سے پروانے ہیں
کیا تری شوخ نظر صاعقہ پرداز نہیں؟

وسعتِ ذوقِ تماشا نے جسے دیکھا ہے
ہاں میں کہتا ہوں کہ تجھ میں بھی وہ انداز نہیں

میری تخلیق پہ نازش ہے مقدر کو مرے
باوجودیکہ مقدّر پہ مجھے ناز نہیں

تیرے نغموں سے ہی ہر رگ میں ترنّم پیدا
عشرتِ روح ہی ظالم تری آواز نہیں

فیصلہ یہ ہے کہ جو چاہے اسے لے جائے
واقعہ یہ ہے کہ اب دل پہ ہمیں ناز نہیں

عشق تکمیلِ دو عالم ہے مگر نقص یہ ہے　　اس کے انجام میں کیفیتِ آغاز نہیں

---

کرتا ہوں یوں وسیع فریبِ نظر کو میں　　ذرّوں میں ڈھونڈتا ہوں تری رہگزر کو میں

رسوا کرونگا سوزشِ داغِ جگر کو میں　　اُٹھا ہوں لیکے حشر میں دامانِ تر کو میں

مقسومِ دل کروں خلشِ نیشتر کو میں　　اب تری نظر سے لڑا دوں نظر کو میں

میرا مذاقِ عشق زمانے پہ کھُل گیا　　مجبور تھا چھپا نہ سکا چشمِ تر کو میں

دل مستئ نگاہ سے اک چیز ہو گیا　　سرشار دیکھتا ہوں خرابِ نظر کو میں

خاموشئ جمود میں پھونکونگا صورِ حشر　　تیری خبر سُنا کے دلِ بے خبر کو میں

یا آرزو نے عمرِ محبت سنوار دی　　یا دستِ آرزو سے گیا عمر بھر کو میں!

کتنی گداز بخش ہے صبحِ تجلّیات　　پاتا ہوں ہر نفس میں نسیمِ سحر کو میں

گریہ نشاطِ شبنم ہے اے بیخودی مگر　　کس دھوپ میں سکھاؤنگا دامانِ تر کو میں

کس درجہ غم کی موت میں ہیجانِ یاس ہے　　اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہوں رُخِ نوحہ گر کو میں

ساغرؔ یہ ہے شباب میں معیارِ مے کشی!
آنکھوں سے کھینچتا ہوں شرابِ نظر کو میں!

یاد ہیں خوب یاد ہیں بھولی ہوئی کہانیاں
عشق کی جبہہ سائیاں حسن کی لن ترانیاں

حسن اور اس گداز کا عشوہ اور اتنا دلربا
ایک ترے شباب پر مٹ گئیں سو جوانیاں

ذوقِ نظر وصال میں سرخوشِ کیف ہو تو کیوں
شامِ فراق کی ابھی یاد ہیں خونچکانیاں

حسرتِ قتل ہو گئی شوقِ نیاز میں فنا
دامنِ ناز پر ترے چھوڑ گئی نشانیاں

ساغرِؔ مستِ عشق کو درگہہِ حسن سے ملیں
فکر کی یہ بلندیاں نظم کی یہ روانیاں

نغمے ہوا نے چھیڑے فطرت کی بانسری میں
پیدا ہوئیں بانیں جنگل کی خامشی میں

اس وقت کی اداسی ہے دیکھنے کے قابل
جب کوئی رو رہا ہو افسردہ چاندنی میں

کچھ تو لطیف ہوتیں گھڑیاں مصیبتوں کی
تم ایک دن تو ملتے دو دن کی زندگی میں

ہنگامہ تبسم ہے ہر ہر ی ہر خموشی
تم مسکرا رہے ہو دل کی شگفتگی میں

خالی پڑے ہوئے ہیں پھولوں کے سب صحیفے  رازِ چمن نہاں ہے کلیوں کی خامشی میں

کس درجہ عبرت افزا ساغر کی مے کشی ہے

لرزے پڑے ہوئے ہیں دنیائے بیخودی میں

تھی سر بمہر جو مے میخانۂ کہن میں  اب وہ چھلک رہی ہے پیمانۂ انجمن میں

خاموشیٔ فضا سے تیری سُنی ہیں باتیں  کاٹی ہیں میں نے راتیں تاروں کی انجمن میں

میری شگفتگی میں ویرانیاں نہاں ہیں  کھوئے ہوئے ہیں لاکھوں صحرا مرے چمن میں

سرگشتۂ حرم کی ہو بتکدے میں دعوت  بھر دو اذانِ کعبہ ناقوسِ برہمن میں

کعبہ بھی بتکدہ بھی خلوت بھی انجمن بھی  دل اِک عجیب شے ہے پردہ سرائے تن میں

---

کسلِ ہستی سے حجابِ عالمِ ایجاد ہوں  جانے کب سے اس جہانِ خواب میں آباد ہوں

ہم صفیروں پر قیامت ہے مری گم گشتگی  اور میں آسودۂ طوفانِ ابر و باد ہوں

ہرنفس کے ساتھ ہے ہستی کو میری سوگداز  گھلنے والی ایک شمعِ محفلِ ایجاد ہوں

دیکھئے کیا آفتیں لائے فریبِ انبساط　　آج میں کچھ بھی ضرورت سے زیادہ شاد ہوں

داستانِ کیف ہیں ساغر مری بے کیفیاں

بزمِ ہستی میں نشاطِ دوش کی روداد ہوں

سازِ پروانہ نہیں شمعِ سرِ محفل نہیں　　میرے سوزِ عاشقی کا کوئی حاصل نہیں

اب حقیقت سے کسی ادراک کا سائل نہیں　　میں ہوں اُس منزل پہ باطل بھی جہاں باطل نہیں

وہ سوالِ لطف پر پتھر نہ برسائیں تو کیوں؟　　اُن کو پروائے شکستِ کاسۂ سائل نہیں

خونچکاں، غرقِ تمنا، زار سا، بیمار سا　　آپ اس کو کیا بنا لائے یہ میرا دل نہیں

میرے آنسو ان کے دامن پر ستارے بن گئے　　کون کہتا ہے کہ یوں رونے سے کچھ حاصل نہیں

شمع ہے فانوس میں بجلی کنارِ ابر میں　　سینۂ گرمِ محبت میں نمودِ دل نہیں

تجھکو کیا معلوم انجامِ شکستِ آرزو　　تو خدا رکھے ابھی فطرت شناسِ دل نہیں

تم بلاؤ بھی تو کہنے حالِ دل آتا ہے کون　　اب نیازِ عشق بزمِ ناز کے قابل نہیں

ناخدا پہنچیگی ساحل پر نہ کشتی کیا کہا؟　　ناخدا ہے تو خدا کے کشتی و ساحل نہیں

ہے رہا قیدِ تعین سے مری فکرِ عبور　　اے زہے قسمت کہ میرے بحر کا ساحل نہیں

یہ مری توہینِ پروازاور یہ ناکامیاں　　اُڑ کے منزل تک جو پہنچا ہوں تو اب منزل نہیں

شمع کو خاموش اور پروانوں کو رخصت کرو　　جس سے محفل ہے عبارت وہ سرِ محفل نہیں

ختم ہو جائے نہ گویائی کی قوت دیکھنا

یہ حدیثِ حُسن ہے ساغرؔ حدیثِ دل نہیں

وہ زندگی کے مزے اکیلے گلستاں میں نہیں　　کوئی بہار سے کہہ دے ہم آشیاں میں نہیں

کبھی وہ دن تھے کہ ہر سانس تھا سرودِ نشاط　　اب ایک نغمے کی قوت ربابِ جاں میں نہیں

روا نہیں ہے ترا ہمت آزما ہوتا　　کہ تابِ صبر مری جانِ ناتواں میں نہیں

سکوتِ صبحِ اسیری ارے معاذ اللہ　　کہ ایک پھول بھی بیدار گلستاں میں نہیں

پتہ ہی منزلِ مقصود کا نہیں ملتا　　چھپی ہوئی تو کہیں گردِ کارواں میں نہیں

میں کیا بتاؤں وفا کا مآل کیا ہو گا ؟　　وہ تیرے علم میں ہے جو مرے گماں میں نہیں

یہ کہہ دو برق سے تکلیفِ آشیاں نہ کرے　　بہار باغ میں ہے میرے آشیاں میں نہیں

جو سوچتا ہوں وہی تجھ سے کہہ نہیں سکتا
مرے خیال کی قوّت مری زباں میں نہیں

بے رنگ و بو کے حجابوں سے بے نیاز نظر
وہ پھول دیکھ رہا ہوں جو گلستاں میں نہیں

بدل گئی ہیں فغاں میں حسیں کی آوازیں
کوئی خرابِ محبت تو کارواں میں نہیں

مذاقِ دہر ہے لب تشنۂ سکوں ساغر
مگر شرابِ سکوں ساغرِ جہاں میں نہیں!

اب رو رہا ہوں عصمتِ رازِ نہاں کو میں
پہلے ہی کیوں سمجھ نہ گیا رازداں کو میں

سجدوں میں کر کے جذب ترے آستاں کو میں
کعبہ بناؤں گا سرِ سودا نشاں کو میں

کس طرح دوں پیامِ غمِ جاوداں کو میں
قابو میں ہو تو روک لوں عمرِ رواں کو میں

رو کے ہوئے ہوں قوتِ آہ و فغاں کو میں!
جب جا رہا ہوں اس دھوئیں میں ڈبو دوں جہاں کو میں

سمجھا ہوں تیرے پاس دلِ نیم جاں کو میں
خود آ رہا ہوں پرسشِ دردِ نہاں کو میں

سجدے مری جبیں کے نہیں اس قدر حقیر
کچھ تو سمجھ رہا ہوں ترے آستاں کو میں

شکوہ ترا ہے شرکِ محبت مرے لئے
جنبش بھی ہو تو کاٹ کے رکھ دوں زباں کو میں

اب پوچھتے ہیں کیا تجھے میری تلاش ہے　　جب ساری عمر چھان چکا خاکداں کو میں

باقی اب امتحانِ وفا میں ہے اور کیا　　لے ضبط کر گیا ترے دردِ نہاں کو میں

اِک عالمِ عجیب میں آخر پہنچ گیا　　طے کر کے منزلِ قفس و آشیاں کو میں

ہے اسکے بعد عالمِ بیداری عظیم　　سمجھا لحد میں حکمتِ خوابِ گراں کو میں

محفل خموش صبح کے آثار جلوہ گر

اب حکم ہو تو ختم کروں داستاں کو میں

خیال میں مسکرا رہے ہیں دماغ میں جگمگا رہے ہیں

میں اُن کو دل سے بھلا رہا ہوں وہ اور بھی یاد آ رہے ہیں

میں ردِّ روحانیت کی دھن میں عمل کی دنیا بنا ہوا ہوں

وہ ہیں کہ ساری لطافتوں سے دماغ پر چھائے جا رہے ہیں

سحر ہے پُر نور رات روشن حیات روشن ممات روشن

اثر سے ہے کائنات روشن وہ اس طرح مسکرا رہے ہیں

دشت میں قیس نہیں کوہ پہ فرہاد نہیں — ہے وہی عشق کی دنیا مگر آباد نہیں

رسمِ الفت میں روا شکوۂ بیداد نہیں — یہ تو کمظرفیٔ جذبات ہے فریاد نہیں

وہ مری خاک نشینی کے مزے کیا جانے — جو مری طرح تری راہ میں برباد نہیں

ڈھونڈنے کو تجھے او میرے نہ ملنے والے — وہ چلا ہے جسے اپنا بھی پتہ یاد نہیں

ایک زنجیرِ طریقت میں بندھے ہیں دونوں — عشق پابند سہی حُسن بھی آزاد نہیں

عرش والے نہ سنیں ساری خدائی سُن لے — اس قدر پست مذاقِ لبِ فریاد نہیں

رُوحِ بُلبُل نے خزاں بن کے اُجاڑا گلشن — پھُول کہتے رہے ہم پھول ہیں صیّاد نہیں

حُسن سے چوک ہوئی اسکی ہے تاریخ گواہ — عشق سے بھُول ہوئی ہو یہ مجھے یاد نہیں

بربطِ ماہ پہ مضرابِ فغاں رکھدی تھی — میں نے اِک نغمہ سُنایا تھا تمہیں یاد نہیں

قفس و بلبل و گل سب ہیں یہ فانوسِ خیال — تیری ہستی سے زیادہ کوئی صیّاد نہیں

کھول قاموسِ محبّت ورقِ عشق اُلٹ — حسُن کو معنیٔ یک لفظِ وفا یاد نہیں

لاؤ اِک سجدہ کروں عالمِ بدمستی میں

## لوگ کہتے ہیں کہ ساغرؔ کو خدا یاد نہیں

شکستِ باقیِ لوحِ سرِ مزار ہوں میں — نشانِ ہستیِ فانی کی یادگار ہوں میں

جوان جس سے بہاریں تھیں وہ بہار ہوں میں — کہ اپنے عہدِ جوانی کی یادگار ہوں میں

مری نگاہ سے تقسیم کیف ہوتی ہے — کسی کی آنکھ کا چڑھتا ہوا خمار ہوں میں

خزاں کا خوف نہ اندیشۂ فنا مجھکو — نگاہِ حُسن سے برسی ہوئی بہار ہوں میں

جو عمر بھر رہے شاداب وہ چمن تم ہو — جو آئے اور گزر جائے وہ بہار ہوں میں

تصوّرات سے دوشیزگی نمایاں ہے — یہ کس عروسِ حقیقت کا انتظار ہوں میں

سوادِ عالمِ امکاں ہے جام میرے لئے — کہ مےستانِ حقیقت کا بادہ خوار ہوں میں

قدم قدم پہ ہوں آزاد اور پھر مجبور — اسیرِ کشمکشِ جبر و اختیار ہوں میں

بہار مجھ سے، چمن مجھ سے، رنگ و بو مجھ سے

جہانِ کیف میں اِک مرکزِ بہار ہوں میں

اِک آنسو دل کی گہرائی سے اُبھرا چشمِ حیراں میں — سمندر ہو گئے پیدا خیالاتِ پریشاں میں

محبّت جھلملاتی ہے سوادِ حُسنِ جاناں میں
یہ کس نے بجلیاں بھر دیں مذاقِ چشمِ حیراں میں

تحیّر جب ہوا مجھکو ضیائے ماہِ تاباں پر
تبسم ان کا بول اُٹھا کہ میں ہوں ماہِ تاباں میں

شبابِ فتنہ زا آئینہ دارِ خال و خد نکلا
تری اُٹھتی جوانی میں ترے حُسنِ فراواں میں

مذاقِ درد کو جو بے نیازِ جستجو کر دے
کوئی ایسی خلش پیوست ہو جائے رگِ جاں میں

محبت بن کے پھوٹا آنکھ کے رنگین پردوں سے
وہ اِک جذبہ جو موجیں لے رہا تھا ذوقِ پنہاں میں

مجھے پامال کر کے باغباں چاہے جہاں پھینکے
میں سبزہ بن کے پھر اُگ آؤنگا صحنِ گلستاں میں

جو میں کہہ دوں تو ہوں دارو رسن میں جنبشیں پیدا
تمہیں کہتے ہیں جو کچھ اصطلاحِ اہلِ ایماں میں

مرا بحرِ تصوّر اصل میں پایاب ہے ساغرؔ
بہت دشوار ہے تمیز آنسو اور طوفاں میں

مجھ سا بے تاب کوئی طالبِ دیدار نہیں
تم ابھی میری تمنّا سے خبردار نہیں

حُسن نے دستِ کرم کھینچ لیا خوب کیا
اب مجھے بھی ہوسِ لذتِ آزار نہیں

گُل چمن جاگ اُٹھا نغمۂ بلبل سے مگر
ہائے وہ غنچۂ خوابیدہ جو بیدار نہیں

نقشۂ دوریِ منزل میں اضافہ کر دو　　　کہ مرے پاؤں کے چھالے ابھی گُل کار نہیں

مستی و بیخودی و جذب و سلوک و ہستی　　　تیرے آزاد کسی غم میں گرفتار نہیں

جلوہ ہے جزوِ نظر اور نظر جزوِ جمال　　　اب مجھے تیری قسم حسرتِ دیدار نہیں

کس مپرسی متاعِ غمِ الفت تو یہ　　　خود میں اپنے دلِ غمگیں کا خریدار نہیں

پھول ہیں جام بکف تارے ہیں پیمانہ بدست　　　اب تو ایمان کو بھی جرأتِ انکار نہیں

اللہ اللہ رے مانوسیِ اربابِ قفس !　　　اب تو دامانِ تخیل میں بھی گلزار نہیں

سر ہے اور پائے بتاں آج یہ کیا ہے ساغر

کیا ترے ساتھ تری فطرتِ خوددار نہیں؟

بنالیں گلستاں دل کو نظر کو باغباں کر لیں　　　ہمارے بس میں ہو تو اپنی دنیا جاوداں کر لیں

تعین و جہ تسکیں ہے تجاوز وجہ بربادی　　　قفس کو کیوں خیالوں میں حریفِ آشیاں کر لیں

ہوا طوفانِ رنگ و بو کا ساماں لیکے آئی ہے　　　چمن والے ابھی سے انتظامِ گلستاں کر لیں

جنہیں مدِ نظر ہو امتحاں معیارِ وحشت کا　　　وہ پہلے اپنے معیارِ نظر کا امتحاں کر لیں

میں ناواقف سہی منزل سے منزل مجھ سے واقف ہے | مجھے بھی قافلے والے شریکِ کارواں کر لیں
چمن میں جانے کل کس برق وش کی حکمرانی ہو | ابھی سے عندلیب و گل کو اپنا رازداں کر لیں
ہمارا حق ہی لے صیاد ہر غنچہ یہ ہر گل پر | جو ہم چاہیں تو ہر شاخِ چمن پر آشیاں کر لیں
گل اپنے، غنچے اپنے، گلستاں اپنا، بہار اپنی | گوارا کیوں چمن میں رہ کے ظلمِ باغباں کر لیں
اسی خاکِ چمن سے ابر خونیں بنکے اٹھونگا | وہ میرے خون سے رنگیں قبائے گلستاں کر لیں
یہ اک بجلی کہ رقصاں ہے، یہ اک شعلہ کہ عریاں ہے | جو مل جائے تو ہم روشن چراغِ آشیاں کر لیں
ہمارے سجدوں میں روحانیت ہے تیرے جلووں کی | جبیں جس ذرے پر رکھدیں مرتب آستاں کر لیں
نیا نوحہ لکھیگا کون مرگِ نوجوانی کا | مرا اک شعرِ غم ہی یاد میرے نوحہ خواں کر لیں

نہ دے پھر کوئی غربت میں ثبوتِ آبلہ پائی
وہ ساغر کاش کانٹوں کو بھی اپنا ہم زباں کر لیں

زہے نصیب جو دیوانۂ وفا ہوں میں | یہ ہوش ہے کہ بڑا کام کر رہا ہوں میں
ہلاکِ نغمہ گری، کشتۂ صدا ہوں میں | کسی نے آہ بھی کی ہے تو مٹ گیا ہوں میں

تری طرف جو محبت سے دیکھتا ہوں میں نصیبِ ذوقِ نظر آزما رہا ہوں میں

یہ آنسوؤں کی جھڑی یہ سکون محویت ترے خیال کو جھولا جھلا رہا ہوں میں

نظر کرم کی فراوانیوں پہ پڑتی ہے پھر اپنے دامنِ خالی کو دیکھتا ہوں میں

مجھے قیودِ دو عالم سے جو رہا کر دے تری نگاہ سے وہ کیف چاہتا ہوں میں

تعلقاتِ محبت یہ تیری ذات سے ہیں کسی نے نام لیا ہی تڑپ گیا ہوں میں

تو میرے سامنے دامن اٹھا اٹھا کے نہ چل خرامِ ناز کی ترکیب جانتا ہوں میں

ہے برہمی میں نظامِ حیات اے ساغر

کہ ایک جزو ندِ عالمِ فنا ہوں میں

وہ تصوّر میں گائے جاتے ہیں نغمۂ غم سنائے جاتے ہیں

مستقل مسکرائے جاتے ہیں روح کو جگمگائے جاتے ہیں

روح و دل میں سمائے جاتے ہیں وہ تو ہستی پہ چھائے جاتے ہیں

مجھ سے دامن چھڑائے جاتے ہیں شوق کو آزمائے جاتے ہیں

سازِ راز و نیاز چھیڑ کے وہ — مست و بیخود بنائے جاتے ہیں

رخصت اے کاروانِ ہوش کہ وہ — مجھ سے نظریں ملائے جاتے ہیں

جان و دل خاک ہو چکے کب کے — اور وہ مسکرائے جاتے ہیں

میری سنتے نہیں کوئی دیکھے — مجھکو اپنی سنائے جاتے ہیں

ہوشیار اے فریبِ گم شدگی — آج وہ مجھکو پائے جاتے ہیں

میں مجسم رسیدگی ہوں مگر — وہ مسلسل بلائے جاتے ہیں

پیکرِ کفر بن کے وہ ساغر

دین و دنیا پہ چھائے جاتے ہیں

دل سے دل کو ملائے جاتے ہیں — ہم انہیں آزمائے جاتے ہیں

ہوش رخصت ہوئے کبھی کے مگر — آنکھ سے وہ پلائے جاتے ہیں

اُن کی ساقی گری معاذ اللہ — چپکے چپکے پلائے جاتے ہیں

یہ جمالِ جبیں یہ قشقہ سرخ — روح و دل تھرتھرائے جاتے ہیں

عشق محدود و حُسن لا محدود　　ہم سے آگے وہ پائے جاتے ہیں

شک نہ کر میری خشک آنکھوں پر　　یوں بھی آنسو بہائے جاتے ہیں

پردۂ شعر میں اُنہیں ساغر

دل کے قصّے سُنائے جاتے ہیں

حدِ شوق و عشق سے آگے بڑھا جاتا ہوں میں　　حُسنِ لامحدود کی رو میں بہا جاتا ہوں میں

جب تصوّر میں بغیرِ علم آ جاتے ہو تم　　ایک نامعلوم عالم میں چلا جاتا ہوں میں

برہمیِ حسن برحق دل کی ناراضی بجا　　اکثر اُس محفل میں بے پوچھے چلا جاتا ہوں میں

شوق کی پرواز ہے اور حُسنِ رنگیں کا خیال

اپنے مرکز سے فضاؤں میں اُڑا جاتا ہوں میں

وہ ستاروں میں جگمگاتے ہیں　　چاند میں روز آتے جاتے ہیں

خود بھی سوتے نہیں گھڑی بھر کو　　رات بھر مجھ کو بھی جگاتے ہیں

دل کا افسانہ بھول جاتا ہوں　　اپنی باتیں وہ جب سُناتے ہیں

یہ فراموش کاریاں توبہ مجھے رہ رہ کے بھولے جاتے ہیں

رُوح و دل ہیں کہ چشم و گوشِ خیال ہر مکاں میں وہ پائے جاتے ہیں

وہ بھی ہوتی ہے اک گھڑی غمؔما

ہم خود اپنے کو بھول جاتے ہیں

جرعۂ جامِ مے ہوشربا لیتا ہوں اور ہر گھونٹ پہ میں نامِ خدا لیتا ہوں

تم نے اِک شام جو گایا تھا نظر سے اپنی میں شبِ غم وہی نغمہ کبھی گا لیتا ہوں

نہیں ہوتا جو میسر ترا گلرنگ رباب نشئے میں چاند کا بربط ہی بجا لیتا ہوں

جب سُلاتے ہیں طربناک ہوا کے جھونکے میں تمہیں اپنے خیالوں میں جگا لیتا ہوں

جب تصور میں تم آتے ہو قیامت بن کر اپنی آغوشِ محبت میں چھپا لیتا ہوں

جذبۂ وصل پریشان جو کرتا ہے مجھے شمع کی لَو کو کلیجے سے لگا لیتا ہوں

اپنے کوچہ میں مرا جذبۂ تحریم تو دیکھ ایک اک ذرّہ کو آنکھوں سے اُٹھا لیتا ہوں

جب کبھی تشنگیٔ ذوق ستاتی ہے مجھے تیری تصویر کو میخانہ بنا لیتا ہوں

خواب میں روز وہ آتے ہیں تو میں بھی ساغرؔ
روز سوئی ہوئی قسمت کو جگا لیتا ہوں

لرزتے ہاتھ میں جس وقت جام لیتا ہوں
غمِ حیات سے اک انتقام لیتا ہوں

جو دیکھتا ہوں کبھی پائے شوق میں لغزش
خیال میں ترے دامن کو تھام لیتا ہوں

---

نظر میں، روح میں، دل میں سمائے جاتے ہیں
ہر ایک عالمِ امکاں پہ چھائے جاتے ہیں

ہر اک قدم کو وہ منزل بنائے جاتے ہیں
تعیّنات کی وسعت بڑھائے جاتے ہیں

نگاہ مست ہے اور مسکرائے جاتے ہیں
دو آتشہ مجھے بھر کر پلائے جاتے ہیں

نشانِ بتکدۂ دل مٹائے جاتے ہیں
وہ اپنے کعبۂ دیریں کو ڈھائے جاتے ہیں

جو اُٹھ سکے تھے نہ خود حُسن کے اُٹھائے سے
وہ پردہ ہائے دوئی اب اُٹھائے جاتے ہیں

جو گر سکے تھے نہ خود عشق کے گرائے سے
وہ سب حجابِ محبت گرائے جاتے ہیں

چھپا چھپا کے جنہیں مصلحت نے رکھا تھا
وہ جلوے اب سرِ محفل دکھائے جاتے ہیں

سنبھل کر اے نگہِ شوق بزمِ دوست ہے یہ
یہاں خرابِ نظر آزمائے جاتے ہیں

نہ پوچھ کارگہِ عشق کا طلسم نہ پوچھ
قدم قدم پہ تماشے دکھائے جاتے ہیں

پتہ نہیں کہیں ان کا اور ان کے دیوانے
تصورات کی محفل سجائے جاتے ہیں

کہاں کی لغزشِ پا اب یہ حال ہے ساقی
کہ سر سے تا بقدم ڈگمگائے جاتے ہیں

یہ میکدہ ہے ترا مدرسہ نہیں واعظ
یہاں شراب سے انساں بنائے جاتے ہیں

اُٹھا رہا ہوں میں گرمیِ شوق بنکے نقاب
وہ اپنے سر کو مسلسل جھکائے جاتے ہیں

جگر بھی شق ہے یہاں شدتِ تجلی سے
وہ دیکھتے ہیں مگر مسکرائے جاتے ہیں

حجابِ حُسن پھر اس پر حجابِ شرم و شباب
جو پردے اُٹھتے ہیں گویا گرائے جاتے ہیں

یہ قصرِ حسن ہے آتشکدہ محبت کا
بجائے شمع یہاں دل جلائے جاتے ہیں

تمام عالمِ محسوس کانپ اُٹھتا ہے
جب آنکھ سے کہیں آنسو بہائے جاتے ہیں

ہمارا حال تو دیکھا ہمارا ظرف بھی دیکھ
نگاہ اُٹھتی نہیں غم اُٹھائے جاتے ہیں

تلاش لازمۂ عاشقی نہیں ساغر
نہ ڈھونڈنے پہ بھی وہ ہم میں پائے جاتے ہیں

بلبل کہاں، بہار کہاں، گلستاں کہاں
سامانِ نغمہ ختم ہوا نغمہ خواں کہاں

پرواز کا وہ شوق وہ آزادیاں کہاں
یارب ہے میری زندگی گلستاں کہاں

غم کی خلش ہے دل میں مگر جاوداں کہاں
تیری طرح ہے میری محبت جواں کہاں

کاشانۂ حیات پہ جو شعلہ بار تھیں
تیرے تبسموں کی ہیں وہ بجلیاں کہاں

آغوش میں کہاں ہے کوئی قشقہ بر جبیں
میرے لبوں پہ قطرۂ مے کا نشاں کہاں

جاں دیکے بھی ملے تو یہ سمجھیں کہ مفت ہے
اس بھاؤ ہے متاعِ محبت گراں کہاں

وہ بھی تھا ایک روپ محبت کے سوز کا
خانہ خرابِ دل سے اٹھا تھا دھواں کہاں

تسکین بن گئی ہیں مرے دل کی دھڑکنیں
دہرائی جا رہی ہے مری داستاں کہاں

اک سردِ آگ دل میں جہنم فروز ہے
آتشکدے میں عشق کے چنگاریاں کہاں

تاریک ہے فراق میں دنیا ترے بغیر
اب ساغرِ شراب میں عکسِ جہاں کہاں

ٹھکرا نہ یوں جبینِ محبت کو رحم کر
لے جائیں گے اٹھا کے ترا آستاں کہاں

لیلےٰ ہے اور اک بدیٔ گفتگوئے شوق
مجنوں کو فکرِ برہمیٔ ساربان کہاں

ساغرِ غمِ حیات سہی گرمیِ حیات لیکن غمِ حیات بھی ہے جاوداں کہاں؟

ساغر یہ بمبئی یہ صنم زارِ زندگی

تم اور یہ ایں جوانی و مستی یہاں کہاں

جو یہ ہو تو شمع کے سوز میں عجب اک حسین گداز ہو

مرا شعرِ غم ہو سرود میں ترے دستِ ناز میں ساز ہو

نہ زبانِ شکوہ کھلے کبھی نہ صدائے نالہ دراز ہو

یہ ہیں احتیاط کی کوششیں کہ وفا یہ صیغۂ راز ہو

تری ایک بندشِ زلف میں ہیں ہزار عقدۂ پُرشکن

یہ گھٹا جو کھُل کے برس پڑے تو جہاں یہ بارشِ راز ہو

ہو تمہیں لطافتِ گل کدہ نہ کرے طواف نسیم کیوں

تمہیں پھول سجدے نہ کیوں کریں کہ بہارِ خلوتِ ناز ہو

جو تو ہم سفر ہو مرا تو میں سحرِ بہشت بھی دیکھ لوں

کسی سبزہ زار کی رات میں ترا حسن صبح طراز ہو

تو فروغِ حسن میں بھر کے آشبِ تارِ ہجر میں پھیل جا

ترے بال اور حسین ہوں تری زلف اور دراز ہو

مجھے شرع سے کوئی ضد نہیں پھر اس اتفاق کو کیا کروں

کہ جو وقت بادہ کشی کا ہو وہی عین وقتِ نماز ہو

مرے ہاتھ میں ہو اگر جہاں تو یہ حالتیں ہوں جہان کی

کہیں رنگ ہو کہیں چنگ ہو کہیں نغمہ ہو کہیں ساز ہو

---

جو سہے وفا کی صعوبتیں وہ کرے دلوں پہ حکومتیں

یہ طلسمِ ربط نہ ہو تو کیوں دلِ غزنوی میں ایاز ہو

اس ادا سے ساغرِ بادہ کش میں طوافِ صحنِ حرم کروں

مرے ساتھ محوِ خرامِ شب کوئی مستِ ارضِ حجاز ہو

کسی پہ کھل جائے رازِ دل کیوں کوئی طبیعت شناس کیوں ہو
اثر سے بھیگا ہوا پسینہ کسی کی پلکوں کے پاس کیوں ہو

خموشیوں میں ہراس کیوں ہو چراغ تصویرِ یاس کیوں ہو
جو ہو مجھے اعتبارِ وعدہ تو شام اتنی اُداس کیوں ہو

میں گل کی ہر پنکھڑی میں چھپ کر خزانِ انجام دیکھتا ہوں
خرابِ رنگینیِ دو روزہ نگاہِ فطرت شناس کیوں ہو

پلائے جا تند و تیز ساقی کہاں کا شکر اور سلام کیسا؟
جو ہو سزاوارِ بے نیازی نیاز مندِ سپاس کیوں ہو

سبک روانِ بساطِ فطرت سبک سرِ بارِ رہگذر رہیں
لطیف موجوں کے آئینوں میں حبابِ کا انعکاس کیوں ہو

بشارتیں کون موت کو دے مجھے طلوعِ سحر سے پہلے
کہ جو مرا رازدارِ شب ہو وہی ستارہ شناس کیوں ہو

زبانِ خاموش و چشمِ حیراں طلب کے ہیں دو ہی طریقے
جسے یقیں ہو تجلّیوں کا وہ خستۂ التماس کیوں ہو

حسین چہرہ رُستا ہوا ہے کھلے ہوئے بال ہیں پریشاں
شگفتگی اس ادا پہ صدقے اِدھر تو آؤ اُداس کیوں ہو

لطافتیں میری داستاں کی اگر نہوں نزہتِ صحافت
تو میرے جذباتِ دل کا ساغر جگہ جگہ اقتباس کیوں ہو

خود حسن جس کی شانِ وفا پر فدا نہ ہو
وہ عشق کیا جو حاصلِ ہر دو سرا نہ ہو

شرما رہا ہوں اُن کی نگاہوں سے نزع میں
گھبرا رہا ہوں یہ بھی فریبِ وفا نہ ہو

یہ تشقۂ جمیل تبسّم یہ موج موج
توبہ کہیں تصادمِ برق و ہوا نہ ہو

مٹنے دے اپنے جلوۂ رنگیں پر آج ہی
کیا جانے کیا ہو کل تری محفل میں کیا نہ ہو

اک شعلۂ تابناک ہو ہر وقت روح میں
اے کاش آرزو کا کبھی خاتمہ نہ ہو

آئینگے لوٹ کر اثرِ بے وفا کے ساتھ
ہم آپ کیے خود ہی جائینگے اپنی دعا کے ساتھ

کس درجہ سادہ لوح ہے تیرا گناہگار
ہے اعترافِ جرم امیدِ عطا کے ساتھ

اے حشر میرے جوش کی دنیا سنبھالنا
اُٹھتا ہوں آج جذبۂ بے انتہا کے ساتھ

کیا جانے عین یاس میں کیا یاد آگیا
آنسو نکل پڑے خلشِ مُدعا کے ساتھ

وہ میری منتیں وہ تری شوخ برہمی
سو عشرتیں ہیں ایک نگاہِ خفا کے ساتھ

ساغر سب اپنی راہ لیں امید و آرزو
اب کیوں یہ چھیڑ ہے دلِ بے مُدعا کے ساتھ

میں بھی کیا محفلِ ساقی کا شناور نکلا
ڈوب کر ساغرِ مے میں لبِ کوثر نکلا

مرکزِ ناز سے تیرے نہ مرا سر نکلا
سجدہ جس در پہ کیا میں نے ترا در نکلا

محنتِ عشق و محبت کبھی ضائع نہ گئی
خونِ فرہاد محبت کا پیمبر نکلا

اس پہ مرتے ہیں کہ جب راہ میں پہچان گیا
اور بھی ہم سے وہ دامن کو بچا کر نکلا

بجلیاں کوندگئیں روح میں لرزش آئی
کون آغوشِ محبت سے تڑپ کر نکلا

درد دل میں ہوئی اک ٹیس سی پیدا ساغر
مسکراتا ہوا جب چاند فلک پر نکلا

دل کی آنکھیں کھلتی ہیں چشم ظاہر سوتی ہے
بے ہوشی کے پردے میں سیر عالم ہوتی ہے

— کافر گیسو والوں کی رات بسر یوں ہوتی ہے
حسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے

— مجھ میں تجھ میں فرق نہیں، مجھ میں تجھ میں فرق ہے یہ
تو دنیا پر ہنستا ہے، دنیا مجھ پر روتی ہے

اس معمور خزانے سے ضبط ذرا ہشیار رہے
دل کی ہر گہرائی میں ایک اچھوتا موتی ہے

صبر و سکوں دو دریا ہیں بھرتے بھرتے بھرتے ہیں
تسکیں دل کی بارش ہے ہوتے ہوتے ہوتی ہے

جینے میں کیا راحت تھی مرنے میں تکلیف ہے کیا

جب دُنیا کیوں ہنستی تھی ؟ اب دُنیا کیوں روتی ہے ؟

دل کی تو تشخیص ہوئی چارہ گردں سے پوچھوں گا

دل جب دھک دھک کرتا ہے وہ حالت کیا ہوتی ہے

ساون آئے پھول کھلے ، اک افسردہ بول اُٹھا

جس میں دل کھل جاتے ہیں وہ برکھا کب ہوتی ہے

ذرّے اور تارے مل کر جا دو رد ر جگا تے ہیں

فطرت کی بیداری میں ساری دنیا سوتی ہے

رات کے آنسو اے ساغرؔ پھولوں میں بھر جاتے ہیں

صبحِ چمن اس پانی سے کلیوں کا مُنھ دھوتی ہے

شمع بھی سازِ محفل ہے زینت ہی پروانہ بھی — حسن کی شانیں دیکھ ذرا راز بھی ہی افسانہ بھی

آنکھ تمہاری مست بھی ہی مستی کا پیمانہ بھی — ایک چھلکتے ساغر میں مے بھی ہے میخانہ بھی

بیخودیِ دل کیا کہنا سب کچھ ہی اور کچھ بھی نہیں — ہستی سے مانوس بھی ہوں ہستی سے بیگانہ بھی

حسن نے تیرے دنیا میں کیسی آگ لگا دی ہے — برق بھی شعلہ برپا ہے رقص میں ہے پروانہ بھی

وسعتِ وحشت تنگ ہوئی بگڑا گھر دیوانوں کا — نجد کے اک سودائی نے لوٹ لیا ویرانہ بھی

آج محبت سوا ہی ہاتھوں سے ہشیاروں کے — عشق کی پہلی دنیا میں تھا کوئی دیوانہ بھی

دل کی دنیا ملتی ہے رکوا اپنی نظروں کو — کافر لوٹے لیتی ہیں آج تجلی خانہ بھی

گردشِ مست نگاہوں کی آخر وجد انگیز ہوئی

چکر میں ساغر بھی ہے دور میں ہے پیمانہ بھی

راتوں کو تصور ہے اُن کا اور چُپکے چُپکے رونا ہے

اے صبح کے تارے تو ہی بتا انجام مرا کیا ہونا ہے

ان نورس آنکھوں والوں کا کیا ہنسنا ہے کیا رونا ہے

برسے ہوئے بیچے موتی ہیں بہتا ہوا خالص سونا ہے

دل کو کھویا خود بھی کھوئے دنیا کھوئی دین بھی کھویا

یہ گم شدگی ہے تو اِک دن اے دوست تجھے بھی کھونا ہے

تمیزِ کمال و نقص اُٹھا یہ تو روشن ہے دُنیا پر

میں چندن ہوں تو کُندن ہے میں مٹّی ہوں تو سونا ہے

ہر آنسو بحرِ گوہر ہے، ہر موجِ تبسّم اک آنسو

رونا بھی تمہارا ہنسنا ہے، ہنسنا بھی ہمارا رونا ہے

تو یہ نہ سمجھ للہ کہ ہے تسکین ترے دیوانوں کو!

وحشت میں ہمارا ہنس پڑنا دراصل ہمارا رونا ہے

ماتم ہے مری آوازِ شکستِ سازِ دلِ صد پارہ کا

ساغرؔ میرا نغمہ گویا دیپک کے سُروں میں رونا ہے

اگر تو اپنی تجلّیوں کو حیا نشینِ حجاب کر دے

تو پھر مجھے وہ پسند جس کو تری نظر انتخاب کر دے

ہر ایک ذرّے کو چھانتا ہوں کہ ہو محبّت اسی میں شاید

خدا کرے کاوشِ حقیقت مجاز کو بے نقاب کر دے

سحر کی معصوم طلعتوں میں نقاب بر چہرہ سونے والے

نظر کو دے اک خفیف جنبش نمودِ صد آفتاب کر دے

تمہاری آنکھوں کی گردشوں سے اُس ایک گردش کی التجا ہے

جو میری دنیائے آرزو میں نیا کوئی انقلاب کر دے

یہ میری بیتابیِ مسلسل کہ صبح ہے اور تڑپ رہا ہوں

خموشیِ مرگ تو ہی آ کر تلافیِ اضطراب کر دے

یہ چاہتا ہوں کہ وسعتِ غم سمٹ کے رہ جائے میرے دل میں

نہ جانے دنیا کا حال کیا ہو اگر خدا کامیاب کر دے

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں وہ نظر ہے

اُٹھے تو تجلی پناہ مانگے جھکے تو دنیا خراب کر دے

تکلفاتِ حیات کیسے نہ سوچ کچھ حسنِ فتنہ ساماں

خرابیوں میں عجب مزہ ہے خراب کر دے خراب کر دے

خرابیاں باعثِ بنائے دو عالم آرزو ہیں ساغر

نویدِ تعمیر ہے اُسی کو جو اپنی ہستی خراب کر دے

یہ عذرِ ساقی، یہ سُست دستی، یہ ذوقِ مے کش یہ ظرفِ مستی

اگر ہو کچھ اختیارِ ساغر تو خون کو بھی شراب کر دے

لذت آگیں کس قدر قاتل تری تعذیر ہے
ہر گنہگارِ وفا کو نازشِ تقصیر ہے

ہمتِ دل فتح کر سکتی ہے ساری کائنات
ہاں مگر اک حسن جو ناقابلِ تسخیر ہے

ہے عجب اک چیز ساغر کیف گاہِ میکدہ

مے پرستوں کو یہاں کی خاک بھی اکسیر ہے

صہبا کفِ ساقی میں اکسیر نظر آئی ۔۔۔ شیشہ میں جوانی کی تصویر نظر آئی

تدبیر سے وحشت کی درماں طلبی کی تھی ۔۔۔ تقدیر سے ہاتھوں میں زنجیر نظر آئی

جب تبصرتاً پڑھا مجنوں کی کہانی کو ۔۔۔ اک لفظِ تمنّا کی تفسیر نظر آئی

طاری ہوئے وحشت کے آثار نشیمن پر ۔۔۔ بل کھائی ہوئی ڈالی زنجیر نظر آئی

عالم ترے جلووں سے معمورِ اثر نکلا ۔۔۔ دنیا تری محفل میں دلگیر نظر آئی

ویرانِ تمنّا کی مایوس نگاہوں میں ۔۔۔ بربادِ دو عالم کی تعمیر نظر آئی

آ غنچۂ افسردہ پہلو میں تجھے رکھ لوں! ۔۔۔ تجھ میں دلِ فانی کی تصویر نظر آئی

---

خلوت میں چپ رہوں سرِ محفل کہا نہ جائے ۔۔۔ اُن کی خوشی یہ ہے کہ غمِ دل کہا نہ جائے

دلبر کہوں اُنھیں تو خیالِ وداعِ دل ۔۔۔ قاتل کہوں تو خوف سے قاتل کہا نہ جائے

بیدادِ عہدِ حُسن میں اس درجہ عام ہے ۔۔۔ دنیا میں کون رحم کے قابل کہا نہ جائے

اب جنسِ دل کی قدر نہیں عہدِ عشق میں ۔۔۔ اُس دل کی آرزو ہے جسے دل کہا نہ جائے

تضحیکِ دوست ہے شنوائیِ اہلِ بزم — اے کاش قصۂ دلِ بسمل کہا نہ جائے

آئینہ بھی حسیں ہے حقیقت میں گل بھی — کیا کیجئے جو تیرے مقابل کہا نہ جائے

چمکے نہ اور نشترِ نازشِ جمال — یوسف سے حالِ قطعِ انامل کہا نہ جائے

غارتگریِ حسن کرے شکریہ قبول — اب دل مراوہ دل ہے جسے دل کہا نہ جائے

محفل کو کر رہی ہے وہ کافر نظر خراب — صرف اسلئے کہ زینتِ محفل کہا نہ جائے

ساغرؔ لبوں پہ جان ہے پلکوں پہ اشکِ یاس
کیوں کارواں کو اب سرِ منزل کہا نہ جائے

ہم بھی کھڑے ہیں تیری تمنا لئے ہوئے — اوطلعتوں میں حشرِ سراپا لئے ہوئے

آئی ہیں کچھ ہوائیں تری بزمِ ناز سے — دل کے لئے پیامِ تمنا لئے ہوئے

میرے تاثرات کی دنیا سنبھالنا — اُٹھتا ہوں حسرتوں کا جنازا لئے ہوئے

ہے کوئی اہلِ درد کہ دے آنسوؤں کی بھیک — بیٹھا ہوا ہوں دل کا جنازا لئے ہوئے

ساغرؔ خیالِ یار رہا عشرتِ بہار — ہونٹھوں میں اک دُتے تگفتا لئے ہوئے

پریشاں ہو کے سوزِ حسن خود دیوانہ ہو جائے — تماشا ہو جو ساری انجمن پروانہ ہو جائے

رواں رگ رگ میں اک کیفیتِ مستانہ ہو جائے — وہ جس دل پر نگاہیں ڈال دیں پیمانہ ہو جائے

مرتب جب ہماری خاک سے پیمانہ ہو جائے — تو بنتے ہی خرابِ لغزشِ مستانہ ہو جائے

کچھ اس ترکیب سے ترویجِ بادہ چاہتا ہوں میں — کہ مذہب خود شریکِ مشربِ رندانہ ہو جائے

خرابِ کُن ہے سارا دورِ عالم جانتا ہوں میں — جسے دیوانہ کہہ دو تم ابھی دیوانہ ہو جائے

دلِ برباد قسمت کاروانِ غم کی خاطر کر — کہیں ایسا نہ ہو خالی مسافر خانہ ہو جائے

وہ لفظِ آرزو دل میں گھٹے تو کیا قیامت ہو — جو لب تک آتے آتے محشرِ افسانہ ہو جائے

پھرا تی ملتفت ہوں یا نہوں وحشت فروش آنکھیں — جسے دیوانہ ہونا ہو ابھی دیوانہ ہو جائے

ہمارے دل کی بربادی سے ہی تخلیقِ ویرانہ — جہاں ہٹ جائیں ہم پیدا وہیں ویرانہ ہو جائے

تری کافر نظر کی مست سامانی ارے توبہ! — رہے خاموش اور ہنگامۂ میخانہ ہو جائے

اُٹھے اُنکی نظر تو آسماں پر میکدے جھومیں — جھکے تو انجمن میں بارشِ پیمانہ ہو جائے

فلک کی گردشیں خود دستِ تنگ کیف ہیں ساغر — مقدر کیوں خلافِ ساغر و پیمانہ ہو جائے

پُہنچا ہوں جلوہ گہ تک کس دقتِ نظر سے — سو طور پھوٹ نکلے ہر سنگِ رہگزر سے

آجائیگا سمجھ میں رازِ قیامِ ہستی — جس روز تو نے دیکھا سُلجھی ہوئی نظر سے

شاید تری سمجھ میں رودادِ غم نہ آئے — ڈرتا ہوں آرزو کی تشریح مختصر سے

مانا کہ فتنہ گر ہو بجلی سے شوخ تر ہو! — بچکر نکل تو جاؤ ہنگامۂ نظر سے

وہ سامعہ نوازی وہ زمزمہ چکانی — ساغر برس رہے تھے ہر جنبشِ نظر سے

بھولے نہ مرتے مرتے آداب کوئے جاناں — جب سب نے ساتھ چھوڑا سجدے کئے نظر سے

خانہ خراب قسمت آخر ہٹا کے مانی — اس کو بھی تھا گزرنا تیری ہی رہگزر سے

ساغرؔ جب اس نے چاہی تشکیلِ حُسنِ کافر
لی شام سے ملاحت رنگینیاں سحر سے

محبت میں شکایت ہو رہی ہے — یہ کیوں توہینِ الفت ہو رہی ہے

بس اب شکوہ کی اصلیت نہ پوچھو — مجھے خود بھی ندامت ہو رہی ہے

زمانے میں بہت کافر ہیں ساغرؔ — مجھی کو کیوں نصیحت ہو رہی ہے

جس قدر دل دوز سازِ آشکارِ نغمہ ہے — اُتنی ہی جاں سوز صوتِ پردہ دارِ نغمہ ہے

راز گوئے بیخودی ہر مے گسارِ نغمہ ہے — موجِ بادہ آج شاید ہمکنارِ نغمہ ہے

اک خلشِ غم کی سبب ہے صد نوا و رنگ کا — ایک خارِ دردِ خلّاقِ بہارِ نغمہ ہے

ہر نظر کانوں میں گا جاتی ہے اک رودادِ مست — تیری آنکھوں سے رواں اک آبشارِ نغمہ ہے

ہے جو موسیقیِ فطرت کارواں در کارواں — ہر سماعت اصل میں اک رہگزارِ نغمہ ہے

چھیڑ دے مطربُ وداعِ ہوش کی پروا نہ کر — میرے ہر تارِ نفس کو اعتبارِ نغمہ ہے

حسن کا فریں لبِ رنگیں میں چشمِ مست میں — ہے تبسم جس جگہ پروردگارِ نغمہ ہے

رنگ اُڑایا تھا ازل میں مطربانِ حسن نے — آج تک چھایا ہوا دل پر غبارِ نغمہ ہے

آج پھر ہیں وہ کسی کے ساتھ سرگرمِ سرود — پھر مرا نالہ فضا میں ہمکنارِ نغمہ ہے

تیرے ہر انداز سے پیدا ہے سامانِ غزل — تو مجسم ایک نظمِ خوشگوارِ نغمہ ہے

طائرِ سدرہ سے سیکھی ہے نوائے وجد خیز

میرا جو نغمہ ہے ساغر کردگارِ نغمہ ہے

تو آئیگا شبِ غم کون اعتبار کرے
جسے یقین ہو تیرا وہ انتظار کرے

ہمیں تو آپ دکھا دیں ہمیں جمال اپنا
جو کر سکے وہ قیامت کا انتظار کرے

مزاجِ عرش پہ ہے آج داد خواہی کا
وہ اور پرسشِ حالِ گناہگار کرے

ہمیں تو کیفِ نمو نے بنا دیا بیخود
جو ہوش میں ہو وہ اندازۂ بہار کرے

یہ سبزہ زار یہ کلیوں کا منظرِ عریاں
کسے ہے تاب کہ نظارۂ بہار کرے

میں آپ کی نگہہِ شرمگیں سے ڈرتا ہوں
کہیں یہ روزِ قیامت نہ شرمسار کرے

---

نہ کرے گلہ تو جفا سہے، جو گلہ کرے تو سزا ملے
جسے یوں ستم کا ہو سامنا اُسے خاک دادِ وفا ملے

یہ ہیں شہرِ عشق کے قاعدے یہ دیارِ حُسن کی رسم ہے
نہ تجھے جفا کا عوض ملے نہ مجھے وفا کا صلا ملے

ترا ظلم چاہتے ہیں جو ہم نہیں لطف خیز ترا کرم

ہمیں کیوں رہے ہوسِ ستم جو ترے کرم میں مزا ملے

نہ ملا کسی سے ترا پتہ نہ حریمِ حسن کا راستہ

ہمیں راہِ عشق میں جا بجا کئی ایک آبلہ پا ملے

بغیرِ قتل کسی کو نہ چھوڑنا باقی　　رہے نہ آج کوئی درد آشنا باقی

ستائیگا ترے دامانِ ناز کو قاتل　　جو میری خاک کا ذرہ بھی رہگیا باقی

خدا کے سامنے دینے ہیں دل کو کچھ طعنے　　ابھی ہے ایک قیامت کا ماجرا باقی

میں خود ہی مٹ گیا رسمِ وفا مٹا نہ سکا　　یہ کام مجھ سے محبت میں رہ گیا باقی

وہ اپنا دامنِ الفت سمیٹ کر رکھ لیں　　سرِ نیاز پہ ہے سایۂ خدا باقی

ملالِ دل نہیں مجھکو یہی غنیمت ہے　　کہ یادگار ترا درد رہ گیا باقی

الٰہی میں نہیں مایوس فرطِ حرماں سے　　کہ دل کو ہے تری رحمت کا آسرا باقی

قفس سے ہوں نہ اسیرانِ ہم نوا آزاد　　ابھی ہے میری اسیری کا فیصلا باقی

فنا کے گورِ غریباں میں کھیل ہیں ساغر　　ہر ایک قبر پہ لکھا ہوا ہے "یا باقی"

طنابیں دو جہاں کی باندھ لی ہیں ہر رگِ دل سے / تجھے ضد ہے تو ہم بھی اب کہاں اُٹھتے ہیں محفل سے

اک آنسو کھنچ کے آیا آنکھ میں یک قطرۂ خونِ دل سے / کہ نکلا آخری نغمہ شکستِ سازِ محفل سے

نزاعِ کفر و ایماں کیا، برہمن کیا مسلماں کیا / بہت آگے ہوں اب میں کارزارِ حق و باطل سے

اہانت ہو حقارت ہو مگر پھر بھی یہ حسرت ہے / بطورِ خاص وہ اک دن اُٹھائے اپنی محفل سے

ہے شب رنگیں، سحر رنگیں، ہوئے ہیں بام و در رنگیں / زمانہ رنگ پر ہے اک مری رنگینیٔ دل سے

کہیں ہستی میں نور و نار وابستہ نہ ہو جائیں / اُٹھانا اپنے دامن کو بچانا شمعِ محفل سے

مری فطرت ہی طوفان اور میں آشوبِ فطرت ہوں / تصور کا بھی دامن تر نہیں کرتا میں ساحل سے

پرستش ہو جہاں ہر وقت اک شمعِ محبت کی / برہمن آج وہ مندر بنا خاکسترِ دل سے

عجب اک چیز ہے غربت میں پروازِ تخیل بھی / کبھی مرکز پہ ہوں اپنے کبھی آگے ہوں منزل سے

مکاں پُر نور ہو، اور لامکاں معمور ہو جائے / اُٹھا تو رُخ سے پردہ میں اُٹھاؤں خلوتِ دل سے

نہ پوچھو اب دماغِ آرزو کس آسماں پر ہے / اُڑا لایا ہوں اک کیفِ تمنا اُن کی محفل سے

مسافر کا تخیل کیا، تصور کیا، تعین کیا / پھر آغازِ سفر ہو انتہائے حدِ منزل سے

نہ ہنس بربادیِ پروانہ پر اے حُسنِ بے پروا　　جنازہ شمع کا بھی صبح تک نکلیگا محفل سے

تبسم مستقل بجلی، ترنم شعلہ بکسیر　　کہیں اے غارتِ کونین یوں اُٹھتے ہیں محفل سے

مرے ہونٹھوں پہ جو نغمات بن بن کر چھلکتی ہے
یہ ساغر کھینچ کے آئی ہے ابھی مے خانہ دل سے

جب چمن ریز نظر اُن کی گل افشاں ہو جائے　　کیوں نہ اندیشۂ کوتاہیِ داماں ہو جائے

محفل سوز میں اس دل کی نموداری کیا　　جو بھڑکتے ہی چراغِ تہِ داماں ہو جائے

کیا یہ ممکن نہیں اے گردشِ بزمِ فطرت　　عشق پردے میں رہے حُسن نمایاں ہو جائے

بار بار آئے تصور ترا تغئیر کے ساتھ　　کم سے کم ایک ہی تصویر کا ساماں ہو جائے

اُس پہ قربان ہے آسودگیِ ہر دو جہاں　　جو تری یاد میں کچھ دیر پریشاں ہو جائے

یہی رہبر یہی منزل ہے یہی جادہ ہے　　آدمی دل پہ کرے غور تو انساں ہو جائے

نہ سہی شمع مری خلوتِ غم میں نہ سہی　　کوئی ڈوبا ہوا تارا ہی فروزاں ہو جائے

کثرتِ اشکِ مسلسل کی ہوس کون کرے　　ایک قطرہ مجھے کافی ہے کہ طوفاں ہو جائے

آج گل خانے میں تقسیمِ سکوں ہے ساغر
دل کو لازم ہے کہ اِس وقت پریشاں ہو جائے

حیاتِ ناگہاں میری نہ مرگِ ناگہاں میری
مرتّب ہوگئی ہے خود بخود اک داستاں میری

نشاطِ جاوداں میری حیاتِ جاوداں میری
مُبارک ہیں مقدّس ہیں فنا سامانیاں میری

بڑے جذبوں کا حاصل ہیں یہ شب بیداریاں میری
سحر ہوگی وہیں آواز پہنچیگی جہاں میری

یہ تیرا آستانِ ناز، یہ نقاشیاں میری
مجھے مانی بنا دیگی جبینِ خونفشاں میری

فقط ہے کارفرما اک کششِ طوفان و ساحل کی
نہ موجوں میں روانی ہے نہ کشتی ہے رواں میری

جنازے ہیں پپیہوں کے شرارے ہیں ستارے ہیں
بسائی جا رہی ہے آج دُنیائے فغاں میری

اندھیری رات اور دامن پہ اشکوں کی درخشانی
ستاروں نے تو دیکھی ہے بساطِ کہکشاں میری

میں جانِ زندگی ٹھیرا نشانِ زندگی ٹھیرا
جہاں کا ذرّہ ذرّہ کہہ رہا ہے داستاں میری

مقید دیکھکر مجھکو چمن پرواز کرتا ہے
یہ دارو گیرِ صیاد اور یہ آزادیاں میری!

کلیم و طور کی تاریخ پھر زندہ نہ ہو جائے
یہ تیرا مستقل ہنسنا یہ جانِ ناتواں میری

دماغ آزاد، دل آزاد، روحِ ناتواں آزاد — جو ہمت ہو تو کوئی چھین لے آزادیاں میری

تمہاری روح احساسِ وفا سے تھرتھرائیگی — اِدھر آؤ مرے کہنے سے سُن لو داستاں میری

زبانِ حُسن اور ذکرِ محبت کیا مقدّر ہے
وہ خود دہرا رہے ہیں آج غمناک داستاں میری

نالاں جبینِ شوق سے کچھ آستاں بھی ہے — اور کچھ مرا رقیب ترا پاسباں بھی ہے

رنگین بھی ہے شرحِ وفا، خونچکاں بھی ہے — یہ میری داستان تری داستاں بھی ہے

ساری فضائے باغ ہے گل پوش و ضو فروش — اس وقت برق بھی ہے مرا آشیاں بھی ہے

اللہ رے معنویتِ یک حرفِ آرزو! — خود داستان و حاشیۂ داستاں بھی ہے

کہہ دو کہ ہوشیار رہے محشرِ بہار — طوفانِ رنگ و بو میں مرا آشیاں بھی ہے

ہو کاش مستقل کہ یہ طوفانِ ابر و باد — جانِ بہار و زندگیِ آشیاں بھی ہے

اک نالۂ وفا کی ہمہ گیریاں نہ پوچھ — بانگِ اذاں بھی ہے جرسِ کارواں بھی ہے

اللہ رے نگاہِ تخیّل کی وسعتیں! — کنجِ قفس ہی میرے لئے آشیاں بھی ہے

آغوشِ خاک ہو کہ وہ ہو دوشِ جبرئیل
اِک کائنات ہے مری ہستی جہاں بھی ہے

نشّہ میں چور چور ہے ساغر کو دیکھنا
کمبخت اُسکے ساتھ ہی کچھ سرگراں بھی ہے

میرے ایوانِ تصوّر میں کوئی آنے کو ہے
ساری موجودات اک آغوش بن جانے کو ہے

تازہ ترنغموں سے میری روح گرمانے کو ہے
رات کو پچھلے پہر کوئی غزل گانے کو ہے

جلوہ مُفتِ نظر بھی رائگاں جانے کو ہے
باش اے ذوقِ تماشا حُسن شرمانے کو ہے

شکریہ اے فطرتِ صنّاع تیرا شکریہ
دل کے ہر پردے پہ اک تصویر کھنچ جانے کو ہے

کیف نہ مجھ تک آسکا بادہ چکاں نگاہ سے
جلووں نے جان توڑ دی دوریِ جلوہ گاہ سے

دیر سے کچھ ہوئے شروع کچھ درِ خانقاہ سے
مل گئے سب یہ راستے عشق کی شاہراہ سے

عشق نے لیں ہزیمتیں، حسن نے کیں حکومتیں
عشوۂ بے دریغ سے، غمزۂ بے پناہ سے

حسن بھی تھا لطیف تر رنگ بھی غازۂ سحر
پھر بھی تجلیوں کا بار اُٹھ نہ سکا نگاہ سے

بعدِ فنا بڑھاؤں گا شامِ لحد کی مستیاں!
لوٹ کے لے چلا ہوں "کچھ" آپ کی جلوہ گاہ سے

خانہ خرابیوں میں اِک رنگ سا دوڑنے لگا
کِس کی نگاہ لڑ گئی میرے دلِ تباہ سے

کرلی چمن میں منضبط ایک کتابِ معرفت
چُن لئے میں نے کچھ حروف ہر ورقِ گیاہ سے

ان کے ستم جتائے کیوں بن کے طبیب آئے کیوں
درد کچھ اور بڑھ گیا پرسشِ درد خواہ سے

دیوانہ بنادے کبھی فرزانہ بنادے ہنس ہنس کے مجھے عشق کا ہر راز بتادے

تو اپنی نگاہیں جو ندامت سے جھکادے خاکِ دلِ مرحوم کا ہر ذرّہ دعا دے

ہو جاؤں پشیمانِ شکایاتِ محبت ہاں پھر اُسی انداز سے سر اپنا جھکا دے

خود حُسن کی فطرت میں ہے دردِ نگہِ شوق میں دیکھ لوں اُسکو تو ہر اک جلوہ دعا دے

ہے گم شدگی لازمہ رہبریِ شوق کھویا ہو جسے وہ تری محفل کا پتا دے

اک اشکِ وفا ہوں سرِ دامانِ محبت ہے کوئی جو دنیا سے مرا نام مٹادے

نازک ہے بہت روح کی پرواز کا لمحہ اس وقت وہ للّٰہ نہ دامن کی ہوا دے

اللہ رے یہ نغمہ گری تیری نظر کی پڑ جائے زمیں پر تو ہر اک ذرّہ صدا دے

دزدیدہ نگاہی سے مجھے دیکھ رہے ہو ایسا نہ ہو دل مجھکو گنہگار بنا دے

وہ چاہتے ہیں اپنی تجلّی کا تماشہ کوئی مجھے آئینۂ دیوار بنادے

اللہ رے اُس جلوہ گہِ ناز کے آئین سو پردے گریں عشق جو اک پردہ اُٹھادے

ہوتا ہوں یونہی بارگہِ حسن میں داخل اس بیخودیِ شوق میں اک کون صدا دے

ہے میکدہ دُور اور فضا مستِ محبت — ساغر سے نہیں آج تو ہونٹوں سے پلا دے

ذوقِ طلبِ دل ہے غرض ہی نہیں کچھ اور — دنیا اُسے دیدوں جو مجھے دل کا پتا دے

اب قیدِ مراتب نہ رہی عشق میں باقی

وہ چاہے جہاں بزم میں ساغر کو بٹھا دے

دے ہوش کا پیغام کہ دیوانہ بنا دے — جو چاہے تری نرگسِ مستانہ بنا دے

ہلکا سا تبسم وہی ہلکا سا تبسم — ہر ذرۂ ہستی کو جو دیوانہ بنا دے

میخوارِ محبت ہوں مجھے جام سے کیا کام — اپنے لبِ گلرنگ کا پیمانہ بنا دے

تشنہ ہے بلانوشِ ازل دیر سے ساقی — اُٹھ عالمِ موجود کو پیمانہ بنا دے

پھر باغ و بیاباں کی فضا ہے تری تشنہ — آ دوسری دنیا کو بھی دیوانہ بنا دے

تاروں سے برسنے کو ہے بادہ شبِ عید — ایسے میں کوئی چاند کو پیمانہ بنا دے

پھر دیکھ طرب خیزیِ رنگینیِ محفل — بھر بھر کے نظر میں مجھے پیمانہ بنا دے

رکھتا ہوں نہاں فطرتِ دل میں وہ کرشمہ — جو تیرے طرب خانے کو غم خانہ بنا دے

پامال محبت یہی معراج بقا ہے — ہستی کو غبارِ درِ جانانہ بنا دے

لا سایۂ طوبیٰ میں اُڑے آج تو ساقی — ہاں رحمتِ مقسوم کو پیمانہ بنا دے

اعجاز نہ پوچھ اُس نگہِ مست کا ساغر

چاہے تو فرشتوں کو بھی دیوانہ بنا دے

دور ترا دراک سے تیرا حریم ناز ہے — یہ تو سنگِ آستاں کا فرشِ پا انداز ہے

دل تری خلوت سرا ہے اسلئے ممتاز ہے — ورنہ ہر ذرّہ کے دل میں اک جہانِ راز ہے

کہکشاں کیا ہے ترا اک فرشِ پا انداز ہے — لامکاں اِک تنگ میدانِ خرامِ ناز ہے

کیا شریکِ صور تیری آہِ محشر ساز ہے — آج تو ساری خدائی گوش بر آواز ہے

رازِ اندر راز ہے یہ زندگی انسان کی — ہیں بہت سے راز دل میں اور دل خود راز ہے

جن کو ہے اپنی تجلی پر غرور نا روا — ان سے کہدو دل کا ہر گوشہ تجلّی ساز ہے

ہے فنائے عاشقی دیباچۂ معراجِ عشق — تو جسے انجام سمجھا ہے وہی آغاز ہے

کیا کہوں لبیک میں دعوت یہ تجلِ طور کی — جانتا ہوں مجھ میں جتنی قوّتِ پرواز ہے

پر نکلنے تک بہاریں کتنی گزریں دیکھئے — اور میرا رنگ ابھی سے مائلِ پرواز ہے

منزلِ دل کی صدائیں حسن والے کیا سنیں — میرا پیامِ وفا اک دور کی آواز ہے

ہر قدم پہ بجلیاں ہیں حسن کی نظارہ سوز — اک مرے دل کے لئے اتنا ہجومِ ناز ہے

جانبِ دل کوئی آتا ہے بہ اندازِ لطیف — کہہ نہیں سکتا یہ تو ہے یا تری آواز ہے

اللہ اللہ میرے نغماتِ خودی کی وسعتیں — ہر طرف اب میں ہی میں ہوں یا مری آواز ہے

ختم ہوتی ہے جہاں سرحد خودی ہوش کی — اُس سے کچھ آگے نکلکر جلوہ گاہِ ناز ہے

نالہ کہتے ہیں جسے اصطلاحِ عشق میں — ساری دنیائے وفا کی متحد آواز ہے

چھت قفس کی پستیِ تقدیر سے کچھ ہے بلند — بیکسی مژدہ ابھی گنجائشِ پرواز ہے

آؤ سُن جاؤ وہ نغمہ ہے جو ہچکی موت کی — یہ شکستِ سازِ دل کی آخری آواز ہے

اسکے آگے بزم میں ذکرِ وفا ہوتا نہیں

جانتے ہیں وہ کہ ساغر آشنائے راز ہے

ساون کی رُت آ پہنچی ، کالے بادل چھائیں گے
کلیاں رنگ میں بھیگینگی ، پھولوں میں رس آئیں گے
سامنے اُن کے آتے ہی سب شکوے مٹ جائیں گے
کچھ میں بھی شرماؤں گا ، کچھ وہ بھی شرمائیں گے
ہاں وہ ملنے آئیں گے ، رحم بھی کچھ فرمائیں گے
حسن مگر چُٹکی لیگا ، پھر قاتل بن جائیں گے
سرد ہوائیں آتی ہیں ، تیری یاد دلاتی ھیں
جس دن تو خود آئے گا وہ ساون کب آئیں گے
شام خزاں ہے پھولوں کو دیکھ کے نالے کیا کھینچوں
میرے لب سے نکلیں گے ایرِ چمن بن جائیں گے
نالے کھوئے دھند لکے میں شام ہوئی رات آ پہنچی
پریم کے سونے مندر میں آخر وہ کب آئیں گے

ہستی کی بدمستی کیا، ہستی خود اِک مستی ہے
موت اُسی دن آئیگی ہوش میں جب دن آئیں گے

میری آنکھیں کچھ بھی نہیں تیرے جلوے ہیں
تو جب سامنے آئیگا، پردے سے پڑ جائیں گے

تارے کتنے ہی جھٹکیں، جگنو کتنے ہی چمکیں
شمع کی زردی کہتی ہے، رات گئے وہ آئیں گے

تم اپنے دروازے سے کیوں للکارے دیتے ہو؟
ایسی بھی کیا جلدی ہے جاتے جاتے جائیں گے

حسن کی موجیں اے ساغرؔ اُٹھیں جوشِ تصور سے
آغوشِ نظارہ میں پھر کوثر لہرائیں گے

برسات کی کالی راتوں میں جب کوئی نالے کرتا ہے
ڈوبا ہوا تارہ بادل میں کیا ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے

بجلی کے حسنِ تبسم میں بادل کے شور تخیل میں

اِک صورت سامنے ہوتی ہے اِک شخص محبت کرتا ہے

---

جھلکتا ہے مرے ہر رنگ میں عنوانِ بربادی
وہ جامِ عیش ہوں میں جسکا ہر قطرہ ہے فریادی

فضائے عرشِ اعظم میں فرشتے محو و ساکت ہیں
مرے پیکر میں جھولا جھولتی ہے روحِ آزادی

رضا و صبر کی منزل میں ٹھوکر یہ عبرت ہے
ارے او راہرو ہشیار یہ جادہ ہے سجادی

جہاں طور و حرم جلووں کے آگے رقص کرتے ہیں
یہ بت خانہ اسی محفل کا اِک پتھر ہے بنیادی

اگر گنجائشیں ہوتیں نہ میرے رازِ خلقت میں
کہاں انگڑائیاں لیتی تمہاری عالم ایجادی

---

قفس آباد ہوتے ہیں چمن برباد ہوتا ہے
یہ سب کچھ بر بنائے خاطرِ صیاد ہوتا ہے

گُل اسکے غنچے اسکے گلستاں اسکا بہار اسکی
جو قانونِ گلستاں توڑ کر آزاد ہوتا ہے

بہا دو خونِ دل کچھ غم نہیں لیکن قلق یہ ہے
کہ میرا حاصلِ عمرِ وفا برباد ہوتا ہے

تجھے پروا نہیں حبا بنے آزردہ نصیبوں کی
ترا غم کیوں انہیں خاطرِ ناشاد ہوتا ہے

یہ اک دیوارِ زنداں کیا اگر ہوں لاکھ دیواریں    مقید کب ہمارا جذبۂ آزاد ہوتا ہے

تصور جب کرم کرتا ہے اُن بُت کیف آنکھوں کا
ہمارے دل میں ساغرؔ میکدہ آباد ہوتا ہے

پاس ہوتا ہے دور ہوتا ہے    وہ شبِ غم ضرور ہوتا ہے

دل میں اُن کا ظہور ہوتا ہے    میرا سینہ بھی طور ہوتا ہے

کچھ حقیقت نہ ہو محبت کی    نشہ سا اک ضرور ہوتا ہے

سجدہ کرتا ہوں اُنکو مستی میں    کتنا رنگیں قصور ہوتا ہے

تیرا قشقہ ارے معاذ اللہ    شامِ دار السرور ہوتا ہے

جتنا اُسکی طرف میں کھنچتا ہوں    اور وہ مجھ سے دور ہوتا ہے

تیری آنکھیں ارے معاذ اللہ    بے پیئے بھی سرور ہوتا ہے

کیا حدیثِ نقاب و رُخ کہئے    نور بالائے نور ہوتا ہے

ہم بھی جاتے ہیں جو غم سے تنگ آکر    تو کہاں دل سے دور ہوتا ہے

جب بھی آتا ہے بزم میں ساغؔر
نشہ میں چُور چُور ہوتا ہے

پریشاں ہوں حجابِ جسم و جاں سے — یہی پردے نہ اُٹھّے درمیاں سے
عبارت آستاں سجدوں سے میرے — مرے سجدے عبارت آستاں سے
زمانہ بھر نے ٹھکرایا ہے ہم کو — اُٹھا دو تم بھی اپنے آستاں سے
پتہ اب کیا ترے مستوں کا ساقی! — اُدھر پہنچے حدودِ لامکاں سے
قفس خود چل کے آئے آشیاں تک — کہ اُڑ سکتے نہیں ہم آشیاں سے
جبیں تو پھر جبینِ عشق ٹھیری — نظر اُٹھتی نہیں ہے آستاں سے

اب آوارہ ہے ذوقِ سجدہ ساغؔر
نہ اُٹھنا تھا کسی کے آستاں سے

کہیں اگ شعلہ داماں سے سیلِ اشک رُکتا ہے — کہ یہ رونا نہیں اک دن کا رونا عمر بھر کا ہے
مآلِ عشرتِ یک عمر ہے خاکسترِ ساغؔر — نہ ساقی ہے نہ پیمانہ نہ ساغر ہے نہ صہبا ہے

یہ وفا کا صلہ دیا تم نے
دل سے بالکل بھلا دیا تم نے

جو تصور نے کچھ اُٹھایا تھا
وہ بھی پردہ گرا دیا تم نے

مسکرا کر مرے خیالوں میں
اور دل کو جلا دیا تم نے

چھیڑ کر سازِ روحِ غمگیں کو
بیٹھے بیٹھے رُلا دیا تم نے

گُنگُنائے نہ ساز کو چھیڑا
اور نغمہ سنا دیا تم نے

پھر ہو فرمائشِ غزل خوانی
مجھکو شاعر بنا دیا تم نے

دل میں رہنے کی آرزو تھی ہمیں
آنکھ سے کیوں گرا دیا تم نے

کیوں مرے حال پہ ہے اب حیرت
آئینہ کیوں بنا دیا تم نے

خواب میں بھی تو اب نہیں آتے
مجھے اتنا بھلا دیا تم نے

کیوں ہے اب شکوۂ نظر بازی
دیکھنا کیوں سکھا دیا تم نے

ہم تو گم کردہ راہ تھے لیکن
راستے پر لگا دیا تم نے

عشق حسن کو چھپائے پھرتا تھا
راز وہ بھی بتا دیا تم نے

سوچتا ہوں سمجھ نہیں سکتا	کہ مجھے کیا بنا دیا تم نے
پھینک کر اک نگاہِ صاعقہ سوز	لامکاں تک جلا دیا تم نے

اپنی محفل سے اپنے شاعر کو
کیا سمجھ کر اُٹھا دیا تم نے

ہم کو تم سے تم کو ہم سے کام ہے	ماسوا کا غم جنونِ خام ہے
آؤ گردن میں وہ باہیں ڈال دو	پریم جھولا جن کا اصلی نام ہے
پھر اُٹھو پہلو سے دامن کھینچکر	پھر مرا ذوقِ تجسّس خام ہے
پھر نگاہِ مست سے دیکھو مجھے	پھر مجھے فکرِ شکستِ جام ہے
پھر پلاؤ دستِ رنگیں سے شراب	پھر مجھے اندیشۂ انجام ہے
پھر گرا دو میرے دل پر بجلیاں	بجلیاں جن کا تبسّم نام ہے

پھر ہو پھولوں اور ستاروں پر خرام
پھر وہی ٹھنڈی ہوا ہے شام ہے

فکرِ حاصل اِک جنونِ خام ہے      عاشقی بے حاصلی کا نام ہے

دل تو دل اب خاک تک دل کی نہیں      اے جزاک اللہ کیا انجام ہے

آہ ملتا ہے یہ سرمایہ کسے      غم بڑی دولت بڑا انعام ہے

ساقیا اِک جام بھر کر اور دے      جانتا ہوں کیا مرا انجام ہے

اللہ اللہ عشق کی بیکاریاں      ہم ہیں اور آٹھوں پہر اک کام ہے

ہے ترا سحرِ تبسّم فتنہ ساز      اور مری دیوانگی بدنام ہے

اضطرابِ بندگی پر شک نہ کر      میری بیتابی کا سجدہ نام ہے

لمحۂ آغاز کی عشرت نہ پوچھ      عشق کہنے ہی کو غم انجام ہے

یا فقط دھوکا ہے دامانِ کرم      یا مرا ذوقِ طلب ہی خام ہے

مدّعی اور ریختہ کاری کا فریب

مدّعا ساغرؔ خیالِ خام ہے

اللہ اللہ یہ سحرِ تشنہ لبی      ہر نظر ہے فسُردہ غنچی

سہ گئے سوزِ عشق کو ، ہم تو — حسن سے کب مگر یہ آگ دبی

کرمِ ساقیہ ہے جام بہ جام — موج در موج میری تشنہ لبی

نگہِ شوق و جلوۂ معصوم — حسن کے سامنے یہ بے ادبی

شعلۂ طورِ حسن کا یہ تو ہے — حسن کے دل میں ہے وہ آگ دبی

جام کوثر بھی زہر ہے ہم کو — کوئی دیکھے مآلِ تشنہ لبی

ایک دن لے دیا تھا نام ترا — بات یہ پھر دبائے سے نہ دبی

کاش ہو اُن کے ہار کا موتی — حاصلِ ہجر اشکِ نیم شبی

آرزو ناتمام و عمر تمام — زندگی مستقل ہے تشنہ لبی

احترامِ حریمِ حسن نہ پوچھ — سجدہ بھی ہے کمالِ بے ادبی

بے کہے کیوں نہ آپ رحم کریں — کیوں ہو رسوا مری کرم طلبی

بارگاہِ جنوں میں اے ساغر

ہے ادب بھی کمالِ بے ادبی

وہ عالم آج دل پر چھا رہا ہے — ہمیں جینے پہ رونا آ رہا ہے

یہ ناکامی محبت کی الٰہی! — محبت سے بھی دل گھبرا رہا ہے

خمارِ نامرادی، اللہ اللہ — زمانے پر دھواں سا چھا رہا ہے

دلِ مایوس کا عالم نہ پوچھو! — کنول اِک صبحدم مرجھا رہا ہے

جبِ اعلانِ وفا تم نے کیا تھا — مجھے وہ وقت کیوں یاد آ رہا ہے

وہ لمحے! آہ، وہ رنگین لمحے!! — ابھی تک دل پہ کوئی چھا رہا ہے

مسلسل وہ نیازِ حسن ساغرؔ

محبت کو پسینہ آ رہا ہے

اِک تبصرہ حیاتِ گزشتہ پہ کر گئی — جب خشک آنسوؤں پہ مری چشم تر گئی

چشمِ وفا میں آج کہاں رنگِ التفات — رنگینیٔ نگاہِ محبت اتر گئی

تیری نگاہ گرم میں وہ جوشِ نشتر تھا — جمعیتِ ہجومِ تمنا بکھر گئی

ہر شورشِ حیات میں مضمر ہے لطفِ عشق — زخم اب ہوئے ہیں زخم کہ جب خاک بھر گئی

کیا چیز ہے نوازشِ موجِ خیال بھی — آج آنسوؤں سے دامنِ اُمید بھر گئی
دُنیا یہ آسماں کی جوانی برس پڑی — جب بادلوں کے پاس تمہاری نظر گئی
دُنیا تحیّرات میں گم ہو گئی، مگر — تا جلوہ گاہِ دوست ہماری نظر گئی
میرے لئے تو حاملِ صد برقِ طور تھی — تیری وہ اک جھلک جو مرا کام کر گئی

ساغرؔ جنوں نواز رہی چشمِ مستِ یار
دیوانگی میں عمرِ محبت گزر گئی!

ترا جلوہ جو اکدن شعلۂ ہر بام ہو جائے — مری حیرت تری جلوہ گری بدنام ہو جائے
جو وہ اِکدن فضا افروزِ بزمِ عام ہو جائے — نگہ قاصد بنے اور ہر نفس پیغام ہو جائے
ستم سے بھی تمہارے دیوانگانِ جور منہ موڑیں — کرم کی طرح گر تیرا ستم بھی عام ہو جائے
ہمارے ایک حرفِ آرزو کی وسعتیں توبہ — سحر کو کہنے بیٹھیں کہتے کہتے شام ہو جائے
اسیری نام ہے آزادیِ خود اختیاری کا — بڑا آزاد ہے جو خود اسیرِ دام ہو جائے
ستارہ بن کے چمکے بیکسی کے آسمانوں پہ — وہ اک آنسو جو غربت میں چراغِ شام ہو جائے

تعالیٰ اللہ کیا معجز نمائے میکدہ ہم ہیں
کہ جس شے پر نگاہیں ڈالدیں وہ جام ہو جائے

بڑی عزت ہے تیرے نام پر بدنام ہو جانا
وہ خوش قسمت ہے جو میری طرح بدنام ہو جائے

وہ میکش ہیں کہ گر ہم عزم مے نوشی کریں ساغرؔ
فضائے میکدہ سمٹے سمٹ کر جام ہو جائے

ہے جو یہ سوز یک نفس سازِ تمام ہے یہی
نغمۂ صبح ہے یہی نالۂ شام ہے یہی

موت جہانِ عشق میں ایک شدید کفر ہے
اے دلِ نا اُمید سُن جذبۂ خام ہے یہی

میرے لبِ خموش پر حُسن کو حیرتیں ہیں کیوں
کہہ سکو کوئی کہ عشق کا طرزِ کلام ہے یہی

منکرِ حشر ایک دن حشر کو مان جائینگے
حُسن صبح کا اگر طرزِ خرام ہے یہی

ذکرِ رہائی پر مرے اہلِ قفس پکار اُٹھے
اس کو رہا نہ کیجیے حاصلِ دام ہے یہی

خونِ حیات نذر دے لُعبتِ نو بہار کو
بلبلِ نغمہ ریز کو گُل کا پیام ہے یہی

جام بدست رقص میں بیخود و مست رقص میں
ساغرِؔ مست زندہ باد گردشِ جام ہے یہی

# رُوحِ بآرہ

# بارھواں باب

# ساقی سے خطاب

دُنیا اِک پرتوِ سیاست ساقی
مذہب تخلیقِ آدمیت ساقی
الہام ہوا یہ میکدہ میں مجھکو
تو ہے ذی روح اِک حقیقت ساقی

---

پینا دستورِ حریت ہے ساغر
مستی جاوید کیفیت ہے ساغر
ذی ہوش غلام ہیں تہی دامن ہیں
احرار کے پاس شش جہت ہے ساغر

---

ماحولِ جہاں ہے آفتابی ساغر
سارا عالم ہوا گلابی ساغر
محو و مصروفِ میکشی ہے شاید
میخانۂ ہند کا شرابی ساغر

---

اسطرح بھی شغلِ مے کی تمہید سہی — میخانے میں زندگی کی تجدید سہی
ساقی پابندِ ظرف ہونا کیسا! — ساغر جو نہیں تو جامِ خورشید سہی

---

یہ قشقۂ پُرضیا کا عالم ساقی — اللہ اللہ یہ زلفِ برہم ساقی
ساماں جو یہ ہیں تو ایکدن دنیا پر — لہرائیگا میکدہ کا پرچم ساقی

---

ہے پیکرِ عیش و کامرانی ساقی — تجھ میں ہنستی ہے زندگانی ساقی
جام و ساغر یہ تیرے دم سے ہے شباب — تو ہے میخانے کی جوانی ساقی

---

زندہ رہے تیرا نام اور کام اُٹھا — آجائیگی رات تو سرِ شام اُٹھا
لرزش ہے ترے ہاتھ میں آج بیدِ مجنوں کی طرح — جو مجھ سے نہ اُٹھ سکا وہی جام اُٹھا

---

کیسی دُنیا واہلِ دُنیا ساقی
کیا مذہب اتقا کا جھگڑا ساقی
سیّال سی شے جو ہے ترے ساغر میں
دنیا ہے یہی یہی ہے عقبیٰ ساقی

---

کر آج شراب کا تماشا ساقی
بہنے لگے میکدے میں دریا ساقی
سب دیکھتے ہوں ترے کرم کا منظر
ہم ہوں، پینا ہو اور جینا ساقی

---

طوطے کی طرح بہت پڑھایا ساقی
ہر نکتۂ زندگی بتایا ساقی
لیکن مجھکو ہوا نہ عرفان حیات
جب تک تو نے نہ کچھ پلایا ساقی

---

دنیا ہوئی جنگ جو و گمراہ پلا
مغرب کو بھی آج تو بہ اکراہ پلا
ساقی حاضر ہے روحِ چغتائی بھی
یہ بھی تھی کبھی یہاں شہنشاہ پلا

---

بھر دے بھر دے سبو کو بھر دے ساقی — مے آج مجھے جہاں نگر دے ساقی
امریکہ و روس ہوں کہ جاپان و فرنگ — سب کو بدمستِ عشق کر دے ساقی

---

لڑتے ہیں تو آج پی پلا کر ہی لڑیں — سڑتے ہیں تو ساغر و سبو ہی میں سڑیں
کیوں آتش و خوں میں مقبرے ہوں تعمیر — گرتے ہیں تو میکدے کی مٹی میں گریں

---

خونی فطرت تمام انساں بہہ جائیں — جنگِ ارذل کے ساز و ساماں بہہ جائیں
اس درجہ بہا شرابِ رنگیں ساقی — تیغ و توپ و تفنگ و میداں بہہ جائیں

---

اک میں ہی نہیں ہوئی خدائی تشنہ — غربی تشنہ ہے ایشیائی تشنہ
رندوں کے کریم کھول دے بندِ شراب — خود آج ہے تیری کبریائی تشنہ

---

جگ مگ کرتا ہوا یہ ایوانِ حیات
پھولوں سے سجا ہوا گلستانِ حیات
سب لوٹ کا مال ہے ترے سر کی قسم
یہ قصر، یہ کوٹھیاں، یہ سامانِ حیات

---

اپنے مستوں کے دیکھ یہ کام تو دیکھ
ساقی یہ بیخودی کا انجام تو دیکھ
مے کش ہیں ترے کہ میکدے کے مردود
خونِ آدم کے ہاتھ میں جام تو دیکھ

---

قانون و تمدن و سیاست توبہ
مفتی، منصف، غمِ عدالت توبہ
دنیا کا یہ نظمِ اعتباری دیکھو
ہر چیز ہے مائیہ حقیقت توبہ

---

ہے رقص یہاں، نغمہ یہاں، چنگ یہاں
موجود ہے چین و روس و افرنگ یہاں
دیوانۂ رنگ و نسل میخانے میں آ
ہر نسل یہاں ہے اور ہر رنگ یہاں

---

اعظم کیسا مجھے معظم کردے
فخرِ دنیائے ابنِ آدم کردے
کیسی انگریز کی غلامی ساقی
مجھکو آزادِ ہر دو عالم کردے

---

ہونے کو ہے ختم زندگانی ساقی
سنتا تا حشر بس کہانی ساقی
اک گھونٹ کے بعد ختم ہے دورِ شباب
دُردِ تہِ جام ہے جوانی ساقی

---

ہندی فانی ہے اور عراقی فانی
شخصی فانی ہے اور وفاقی فانی
میخانہ ہو مست ہوں سبو ہو کہ شراب
ساقی باقی ہے اور باقی فانی

---

# ضمیمۂ پیامِ مشرق

ضمیمۂ اوّل:—

# تشریحِ مطالب

۱:۔ "پیامِ سروش" (باب سوم) صفحہ ۱۲۸ شعر ۵ کے مصرعِ ثانی میں لفظ "شعبہ" نظم ہوا ہے جس کے معنی ایرانی اصطلاحِ موسیقی میں "راگنی" کے ہیں۔

۲: صفحہ ۱۲۹ شعر ۷ کے مصرعِ اولیٰ میں "سازِ نوروز" اور "عشّاق" کو ترکیب دیا گیا ہے "سازِ نوروز" محرّکِ نشاط راگنیوں میں سے ایک راگنی اور "عشّاق" محرّکِ شجاعت راگوں میں سے ایک راگ کو کہتے ہیں

۳: صفحہ نمبر ۱۳۰ پہ نویں شعر میں "شاعی" اور "حجاز" الفاظ نظم ہوئے ہیں جو "عشّاق" اور "نوروز" کی طرح غریب و نادر ہیں "شاعی" ایرانی اصطلاحِ موسیقی میں اس مغنّی کو کہتے ہیں جس کی آواز میں سوز و گداز اور کھنک ہو نیز جس کا محفل پر اثر طاری ہو جائے۔ "حجاز" بھی ایک ایرانی راگنی ہے۔

۴: صفحہ نمبر ۱۳۱ پر آٹھویں شعر کا پہلا مصرع "جو ہوئے تھے خنجروں کے سایہ میں پل کر جواں" تصرّف ہے۔

ساغر نظامی

ضمیمہ دویم :—

# صحت نامہ بادۂ مشرق

| صفحہ و سطر و شعر | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| | (مقدمہ، دیباچے و جرعات) | |
| صفحہ ۴۶ سطر ۷ | پختہ . خام | پختہ و خام |
| صفحہ ۵۳ سطر ۲ | شرقی | مشرقی |
| صفحہ ۵۷ سطر ۲ | کا | کو |
| | صبح نو ( باب اوّل ) | |
| صفحہ ۷ بند ۲ مصرع اول | ہر | ہے |
| صفحہ ۸ بند ۳ شعر ۱ مصرع ثانی | "خمستانِ انجم و کوکب" | خمستانِ انجم زریں |
| صفحہ ۱۱ شعر ۱ مصرع اول | ام | اسم |
| صفحہ ۱۱ شعر ۷ | اُس نے | جس نے |
| صفحہ ۱۵ شعر ۴ | بنتی | بنتے |
| صفحہ ۴۷ شعر ۱ مصرع ثانی | دفاقی | دفاقی |
| صفحہ ۶۳ شعر ۶ مصرع اولیٰ | دردیوار | در و دیوار |
| صفحہ ۹۵ شعر ۱۲ مصرع ثانی | شہنشاہیت مطلق کی ایک صیقل شدہ صورت | شہنشاہی و استبداد کی صیقل شدہ صورت |
| صفحہ ۹۸ شعر ۱ | یادگار | یار غار |
| | ھدیۂ روح (باب دویم) | |
| صفحہ ۱۱۲ شعر ۵ مصرع اولیٰ | نجم و کوکب و قمر | نجم و ارِ کہکشاں |
| صفحہ ۱۱۵ شعر ۹ مصرع اولیٰ | ناغوں | باغوں |

| صفحہ سطر شعر، بند مصرع | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۱۲۳ شعر ۲ مصرع ثانی | میخانے | میخانے |
| صفحہ ۱۲۳ شعر ۹ مصرع اولیٰ | نگاہِ شوق | گُناہِ شوق |

## پیامِ سروش (باب سویم)

| صفحہ سطر شعر، بند مصرع | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۱۲۷ شعر ۱ مصرع ثانی | عرب سے چین تک | عرب سے ہند تک |

## حریمِ فطرت (باب [illegible])

| صفحہ سطر شعر، بند مصرع | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۱۶۲ شعر ۱ مصرع ثانی | نظامِ احت | نظامِ [illegible] |
| صفحہ ۱۸۱ شعر [illegible] مصرع ثانی | معنی | معنیٰ |
| صفحہ ۱۸۵ شعر [illegible] | ان نیّت | انسا[illegible]ت |
| صفحہ ۲۰۵ شعر [illegible] مصرع ثانی | سمیٹا | سمٹ |

## نقوشِ باقی (باب پنجم)

| صفحہ سطر شعر، بند مصرع | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۲۴۳ شعر [illegible] مصرع ثانی | پر | بر |
| صفحہ ۲۵۴ [illegible] ۳ | جھُرمُٹ | جھُرمٹ |

## صنم کدۂ حیا (باب ششم)

| صفحہ سطر شعر، بند مصرع | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۲۸۱ شعر ۳ مصرع اولیٰ | دوشیرہ | دوشیزہ |

## حدیثِ گُل (باب ہفتم)

| صفحہ سطر شعر، بند مصرع | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۳۶۵ شعر ۲ مصرع ثانی | حیّ لایموت | حیّ لایموت |
| صفحہ ۳۴۰ شعر ۹ مصرع ثانی | یا جاگ اُٹھو یا سو جاؤ یا زندہ ہو یا مر جاؤ | یا زندہ ہو یا مر جاؤ یا جاگ اُٹھو یا سو جاؤ |

## غنچہ زار (باب ہشتم)

| صفحہ سطر شعر، بند مصرع | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۳۷۷ شعر ۹ مصرع اولیٰ | "سکھیاں چل ایمان کو اُٹھیں" | سکھیاں چل سنان کو اُٹھیں |
| صفحہ ۳۸۶ شعر ۱۰ مصرع ثانی | تمہی ہو اسکے مالک وہ تمہاری ہی وراثت ہے | "ہو تم ہی اسکے مالک وہ تمہاری ہی وراثت ہے" |

## جرعۂ آخریں (باب نہم)

| صفحہ سطر شعر، بند مصرع | غلط الفاظ و شعر و مصرع | صحیح الفاظ و شعر و مصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۴۲۶ شعر ۴ مصرع اولیٰ | عزائے ہوس | عزائے ہوس |

| صفحہ، سطر، شعر، بند مصرع | غلط الفاظ وشعر ومصرع | صحیح الفاظ وشعر ومصرع |
|---|---|---|
| صفحہ ۴۷۱ شعر ۶ مصرع اولیٰ | حققت | حقیقت |
| صفحہ ۴۷۲ شعر ۶ مصرع اولیٰ | قدا | فدا |
| | ساغرستان (گیارھواں باب) | |
| صفحہ ۴۸۹ شعر ۲ مصرع اولیٰ | معنّی | مغنّی |
| صفحہ ۵۰۹ شعر ۴ " " | سرخوس | سرخوش |
| صفحہ ۵۲۰ شعر ۳ مصرع ثانی | خاکی | خالی |
| صفحہ ۵۲۵ شعر ۴ " " | سرتے تابقدم | سرز تابقدم |
| صفحہ ۵۳۱ شعر ۷ " " | للّٰلہ | لِلّٰہ |
| | رُوحِ بادہ (بارھواں باب) | |
| صفحہ ۵۷۴ رباعی مصرع ثانی | سنتا | سننا |
| صفحہ " " " " | وفاقی | دفاقی |

# یادداشت

(۱) صفحہ ۱۰۴ پر نظم "عہد" کا چھٹا بند سہواً دو بار کتابت ہو گیا ہے۔

(۲) صفحہ ۱۱۰ پر "سری کرشن" کے بند ثانی میں مندرجہ ذیل شعر کتابت ہونے سے رہ گیا ہے ؎

رقص میں زمین ہو آسماں ہو رقص میں — جوش پہ بہار ہو گلستاں ہو رقص میں

(۳) صفحہ ۲۰۷ پر نظم "بھکارن" میں (للّٰلہ) غلط املا کی صحت "لِلّٰہ" فرما لیجیے۔

ضمیمہ سویم :-

# اتمامِ کیف

تکمیل کی منزل آخر پر مجھے آغاز کار کا وہ نقطۂ اولیں یاد آرہا ہے جو تصورات خیالات اور عزائم کی ایک دلچسپ دنیا اپنے اندر پوشیدہ رکھتا تھا خصوصاً جب میں اُس کیف جنون پر غور کرتا ہوں جس کی یہ تمام کارفرمائی ہے تو جھوم جاتا ہوں ؎

بال و پر میں کہاں یہ طاقت تھی — اک جنوں تھا کہ لے اُڑا مجھ کو

بادۂ مشرق اس لحاظ سے کہ کیفِ جنوں کی اولین قسط ہے جو بھی مرتبہ حاصل کرے لیکن کیف کے قائم اور پختہ تر ہو جانے کے بعد دوسری قسط کا انتظار فرمائیے جو دامن و گریبان ہوش و بے ہوشی، اور سلوک و جذب کی قید سے بھی آزاد ہوگی۔ ساز سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ اس قدر درخورِ اعتنا نہیں جس قدر کہ وہ "آہنگ" جو پردہ ہائے ساز میں پوشیدہ ہے جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ ایک ظاہر حقیقت ہے لیکن جو کچھ عدم میں پنہاں ہے وہ مشاہدات کے مقابلے میں کہیں دیدنی ہے۔

بادہ کا دوسرا حصہ جو **ناقوس** کے نام سے شائع ہوگا قلب و روح کے لئے کچھ ایسا ہی کیف آفریں سامان رکھتا ہے کہ خود مجھے تفصیل و اجمال کا ہوش نہیں۔

ساغر نظامی

# بیاض